

# تَارِيخُ الْمَسَاهِيرِ

”رَحْمَةُ لِلْعَالَمِينَ“ کے مصنف کجے قلم سے اُمّہ عَلَمٌ اَرْصُوفِيَا  
مِشَاخِ، قِضَاةٌ، سَلَاطِينِ اَدْبَارِ اور شَعْرَارِ كِي تَارِيخِ اَوْ  
اِن كے فِكْرِ اَنكِيزِ حَالَاتِ وَاَقْعَاتِ كَا نَايَا بِ مَجْمُوعَةٍ

قَاضِي مُحَمَّدُ سَيِّدَانِ سَلْمَانِ مَنصُورِ پُورِي رَسْمِي رَحْمَةُ عَلَيْهِ

بَيْتُ الْعُلُومِ

۲۰۔ نا بچھ روڈ، پُرانی انا رکلی لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۲۸۳



5352

# تَارِيخُ الْمَشَاهِيرِ

۱۳۵۲

13

”رَحْمَةُ الْعَالَمِينَ“ کے مصنف کبھی قلم سے اُمّتِ عَلَمِ صُوفِيَا  
مُتَارِيخ، قَضَاة، سَلَاطِين اَدْبَارِ اَوْ شَعْرَارِ كِي تَارِيخِ اَوْ  
اِنْ كِي فِكْر اِنْگِيز حَالَات و واقعات کا نایاب مجموعہ

قاضي محمد سليمان سلمان منصور پوری <sup>رحمۃ علیہ</sup>

تہذیب جدید

جناب پروفیسر ذوالفقار کاظم صاحب

بیت العلوم

۲۰۔ نا بھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۴۳۵۲۲۸۳

81063

﴿جملہ حقوق محفوظ ہیں﴾

تاریخ الشاہیر	=	کتاب
قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری	=	مصنف
جناب پروفیسر ذوالفقار کاظم صاحب	=	تہذیب جدید
محمد ناظم اشرف	=	باہتمام
بیت العلوم ۲۰ روڈ پرانی انارکلی لاہور	=	ناشر
فون ۷۳۵۲۳۸۳		

ملنے کے پتے

۲۰ روڈ پرانی انارکلی لاہور	=	بیت العلوم
۱۹۰ انارکلی لاہور	=	ادارہ اسلامیات
ارجن بلڈنگ 'موہن روڈ' چوک اردو بازار کراچی	=	ادارہ اسلامیات
اردو بازار کراچی نمبر ۱	=	دارالاشاعت
اردو بازار کراچی نمبر ۱	=	بیت القرآن
چوک لسبیلہ گارڈن ایسٹ کراچی	=	ادارۃ القرآن
ڈاک خانہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر ۱۳	=	ادارۃ المعارف
جامعہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر ۱۳	=	مکتبہ دارالعلوم
الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور	=	مکتبہ سید احمد شہید

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## ﴿ تَقْرِیْظ ﴾

مفتی اعظم پاکستان

حضرت مولانا محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالی

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم۔ زیر نظر کتاب ”تاریخ المشاہیر“ تاریخ اسلام کی ان مشہور شخصیات کے سبق آموز حالات پر مشتمل ہے جنہوں نے دینی علوم، فقہ و تصوف اور سیاست و شعر و ادب میں سے کسی میدان میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ چنانچہ اس میں مشہور ائمہ، مجتہدین اور محدثین و مفسرین، صوفیائے کرام، مسلم حکمرانوں، مشہور قاضیوں ادیبوں اور شعراء کے دلچسپ اور سبق آموز حالات مصنف نے بڑی خوبی سے بیان کئے ہیں اس کتاب کے مصنف جناب قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری کی ایک اور عظیم الشان کتاب ”رحمۃ اللعالمین“ کو جو مقبولیت اور اعتماد حاصل ہو اس پر قیاس کرتے ہوئے قوی امید ہے کہ زیر نظر کتاب ”تاریخ المشاہیر“ بھی مقبولیت حاصل کرے گی اور مسلمانوں کیلئے مشعل راہ ثابت ہوگی۔

میرے خواہر زادے عزیزم مولوی محمد ناظم سلمہ فاضل دارالعلوم کراچی جو جامعہ اشرفیہ لاہور میں پچھلے کئی برسوں سے درس نظامی کی تدریس کی خدمت خالص لوجہ اللہ انجام دے رہے ہیں، انہوں نے اپنے ادارے بیت العلوم سے اس مبارک کتاب کی اشاعت کا بیڑہ اٹھایا ہے۔ دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اس نیک کام میں رہنمائی اور دستگیری فرمائے اور ان کے ادارے کو مزید مفید کتابیں امت مسلمہ کے سامنے لانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

﴿واللّٰھ المستعان﴾

## ﴿ عرض ناشر ﴾

باقی رہنے والی ذات صرف اللہ کی ہے لیکن اللہ ہی کے پیدا کردہ کچھ انسان جسمانی طور پر تو ختم ہو جاتے ہیں لیکن اپنے کارناموں کی وجہ سے ہمیشہ کیلئے باقی رہ کر تاریخ کا حصہ بن کر بعد میں آنیوالوں کے لیے نشان منزل ثابت ہوتے ہیں۔

”نو شیرواں نمر د کہ نام نگو گزاشت“

جیسا کہ کتاب کے نام سے ظاہر ہے کہ اس میں ان تاریخی شخصیات کا تذکرہ اور حالاتِ زندگی بیان کیے گئے جنہوں نے علم و فضل، شعر و ادب، فقہ و قضا، تزکیہ و تصوف، غرض کسی بھی شعبہ زندگی میں کوئی کمال کر کے خود کو باقی رکھا اور اس کا مصداق بنے۔

کسب کمال کن کہ عزیز جہاں شوی

”تاریخ المشاہیر“ کے مولف علام جناب قاضی سلیمان منصور پوری صاحب کا نام محتاج تعارف نہیں، سیرت النبی ﷺ پر اپنی گرانقدر کتاب ”زحمتہ للعالمین“ کی وجہ سے چار دانگ عالم میں شہرت حاصل کر چکے ہیں۔ فاضل مولف کی کتاب ”تاریخ المشاہیر“ جو آج سے کافی عرصے پہلے چھپی تھی پھر منظر عام سے غائب ہو گئی، الحمد للہ اب دوبارہ ”بیت العلوم“ کے زیر انتظام پوری آب و تاب کے ساتھ زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہے جو کہ باذوق قارئین کے لیے انشاء اللہ ایک قیمتی علمی سرمایہ ثابت ہوگی۔ اس سلسلے میں ہم مولانا خالد محمود صاحب کے ممنون ہیں کہ جنہوں نے اس

کتاب کا نسخہ فراہم کیا اور اس کو چھاپنے کی خواہش ظاہر کی۔

تاریخ المشاہیر کے قدیم نسخے میں تہذیبِ جدید اور ترتیبِ نو کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ جناب پروفیسر ذوالفقار کاظم صاحب نے اس کی تہذیبِ جدید اور ترتیبِ نو کی خدمت انجام دی۔ جناب پروفیسر ذوالفقار کاظم صاحب جو ریڈیو پاکستان کے سینئر آفیسر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک کہنہ مشق ادیب، شاعر، مترجم اور کئی کتب کے مصنف بھی ہیں۔ اور تاریخ المشاہیر سے پہلے شہرہ آفاق کتاب ”الرحیق المختوم“ کی تہذیبِ جدید کی خدمت بھی سرانجام دے چکے ہیں۔

اللہ تبارک تعالیٰ ان کی اس خدمت کو بھی قبول فرمائے اور ہم سب کو اس کتاب سے فیض یاب ہونے کے توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

محمد ناظم اشرف

## ﴿ فہرست ﴾

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۱	دیباچہ	۱۳
	﴿ آئمہ و علماء ﴾	۱۹
۲	امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابتؒ	۲۱
۳	امام مالک بن انسؒ	۲۷
۴	امام محمد بن ادریس شافعیؒ	۳۲
۵	امام احمد بن حنبلؒ	۴۳
۶	تبصرہ بر حالات آئمہ اربعہؒ	۴۸
۷	حضرت سعید بن جبیرؒ	۵۵
۸	حضرت امام موسیٰ کاظمؒ	۶۰
۹	یعقوب بن داود سلمیؒ	۶۴
۱۰	حضرت ابو یعقوب یوسف بن یحییٰؒ	۷۲
۱۱	حضرت یحییٰ بن یحییٰ اندلسیؒ	۷۵
۱۲	امام جبائیؒ	۷۹
۱۳	امام غزالیؒ	۸۱
۱۴	امام فخر الدین رازیؒ	۸۶
۱۵	امام محمد صاحب قاموسؒ	۹۰
۱۶	ملا محمد الفناریؒ	۹۵



صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
۹۹	امام احمد بن اسمعیل کورانی	۱۷
۱۰۵	ملا مصلح الدین المعروف بہ خواجہ زادہ	۱۸
۱۱۱	﴿مشائخ و اصفیاء﴾	-
۱۱۳	حضرت ابو سلیمان داؤد بن نصیر الطائی	۱۹
۱۱۶	حضرت بشر حافی	۲۰
۱۲۰	حضرت ابو عبد اللہ حرث بن اسد محاسبی	۲۱
۱۲۵	امام الاولیاء سید عبد القادر جیلانی	۲۲
۱۳۵	آقا شمس الدین	۲۳
۱۴۱	﴿ملوک و وزرا﴾	-
۱۴۳	حضرت امیر معاویہ بن ابو سفیان اموی	۲۴
۱۵۵	حجاج بن یوسف ثقفی	۲۵
۱۶۱	معمد علی اللہ آخر ملوک حیرہ	۲۶
۱۷۱	ملک شاہ سلجوقی	۲۷
۱۷۶	طغرل بک بانی خاندان سلجوقیہ	۲۸
۱۸۱	ابن تو مرت مہدی الرعی	۲۹
۱۸۹	ضحاک بن قیس احنف	۳۰
۱۹۸	ابن کلس وزیر	۳۱
۲۰۲	ابو طاہر محمد بن بقیہ وزیر	۳۲
۲۰۷	نظام الملک	۳۳

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
۲۱۳	جعفر بر مکی	۳۴
۲۲۳	یحییٰ بن خالد بر مکی	۳۵
۲۳۰	یحییٰ بن ہبیرہ وزیر	۳۶
۲۳۵	معن بن زائدہ شیبانی	۳۷
۲۴۱	شیخ ابو الفیض فیضی فیاضی	۳۸
۲۶۳	عبدالحمید کاتب	۳۹
۲۷۱	ابو بکر محمد بن زکریا رازی	۴۰
۲۷۵	﴿قاضی القضاة﴾	
۲۷۷	قاضی شریح	۴۱
۲۸۰	امام ابو یوسف	۴۲
۲۸۷	قاضی ابو عبداللہ احمد بن ابی داؤد	۴۳
۲۹۲	مفتی صدر الدین صدر الصدور	۴۴
۲۹۷	﴿شعر او ادباء﴾	
۲۹۹	حضرت حسان بن ثابت	۴۵
۳۰۴	ابو فراش ہمام فرزدق	۴۶
۳۱۱	پیشم بن عدی مختری تعلی	۴۷
۳۱۶	ابودلامہ	۴۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## دیباچہ

الحمد لله الحي القيوم الذي تفرد بالبقاء والدوام وكتب الموت والفناء على جميع الانام والصلوة والسلام على حبيبه ورسوله محمد افضل الانبياء وامام الاصفيا الى يوم القيام فصلي الله تعالى على خير خلقه محمد واله محمد واله وازواجه وذرياته واهل بيته وخلفاءه واصحابه وبارك وسلمه.

مخدومی قاضی محمد سلیمان صاحب منصور پوری پنشنر سیشن جج ریاست پٹیالہ و مصنف رحمۃ اللعالمین کے نام نامی و اسم گرامی سے غالباً ملک کا پچھو پچھو واقف ہے کیونکہ آپ مشرقی ہند کے وہ مایہ ناز فرزند ہیں جنکی تاریخی خدمات پر ہم مدتوں نازاں رہیں گے اور دوسرے کاموں پر بجا فخر کر سکیں گے۔ صاحب ممدوح نے رحمۃ اللعالمین لکھ کر تاریخی دنیا پر جو احسان عظیم کیا اور جس محنت شاقہ سے یہ مواد مہیا کر کے سیرت نبویہ میں ایک نئی طرح ڈالی اور نئی نئی معلومات بہم پہنچائیں اگر ہم سب مل کر بھی اس کا شکریہ ادا کریں تو رحمۃ اللعالمین کے بار احسان سے بسکدوش نہیں ہو سکتے۔ رحمۃ اللعالمین ہی وہ ایک مقبول کتاب ہے جسے تاریخی حیثیت میں نہ صرف مستند مانا گیا بلکہ اطراف عالم میں اسے قبولیت کا جامہ پہنایا گیا اور منجانب اللہ اسے وہ شرف حاصل ہوا جو آج تک کسی اردو کتاب کو نصیب نہیں ہوا۔

رحمۃ اللعالمین ہی وہ کتاب ہے جسے جامعہ عثمانیہ دکن، جامعہ عباسیہ بھاوپور، دارالعلوم دیوبند، دارالعلوم ندوۃ العلماء اور جامعہ ملیہ دہلی وغیرہ نے نصاب میں داخل کیا ہے اور تقریباً تمام اسلامیہ ہائی سکولوں میں پڑھائی جاتی ہے۔

رحمتہ للعالمین ہی وہ کتاب ہے جس کی صحت و برتری کے بڑے بڑے عالم، محدث، مورخ اور فلاسفر بھی قائل ہیں اور سب اہل علم اپنی اپنی لائبریریوں میں اس کا رکھنا ضروری سمجھتے ہیں اور دوسروں کو بھی اس کے مطالعہ کی ترغیب دلاتے ہیں۔ اسی رحمتہ للعالمین کے مصنف کی یہ ایک اور تاریخی کتاب ہے جو آپ کے لئے پیش کجبار ہی ہے۔ اسی سے آپ اس کی خوبیوں کا اندازہ بھی لگا سکتے ہیں۔

بزرگان دین کے یہ تاریخی حالات اگرچہ آج سے بہت عرصہ پہلے یعنی ۱۸۹۹ء میں اخبار وکیل کیلئے لکھے گئے جو وقتاً فوقتاً اس میں چھپتے رہے مگر کتابی صورت میں مدون ہو کر آج ہی شائع ہو رہے ہیں اور اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایک نئی تاریخی چیز ہے جو صاحب ممدوح کے نام سے شائع ہو رہی ہے۔ ۱۸۹۹ء میں جب منشی غلام محمد صاحب مرحوم مالک اخبار وکیل نے اپنے اخبار میں تصاویر کا سلسلہ شروع کیا تو قاضی صاحب نے انہیں لکھا کہ آپ تصاویر شائع نہ کریں اگر مضامین کی قلت ہو تو میں ہر ہفتہ مشاہیر اسلام کی سوانح عمریاں لکھ کر بھیج دیا کرونگا چھاپ لیجئے تاکہ قوم ان سے مستفیض ہو۔ منشی صاحب مرحوم نے قاضی صاحب کے مشورہ کو پسند فرمایا اور یہ سلسلہ اخبار میں شروع ہو گیا جو ملک میں نہایت پسندیدگی و قبولیت کی نگاہوں سے دیکھا گیا۔

اب جبکہ وکیل کا کوئی پرچہ بھی کسی کے پاس نہیں تو ضروری تھا کہ جہاں تک جلد ممکن ہو سکے اس گوہر بے بہا کو دستبرد زمانہ سے بچا کر کتابی صورت میں لانا چاہئے تاکہ یہ ہمیشہ کیلئے محفوظ رہے۔ چنانچہ وہ سب حالات جو اخبار کے لئے نہایت اختصار سے لکھے گئے تھے جمع کر لئے گئے اور چند مشاہیر کے مزید حالات لکھنے کیلئے قاضی صاحب موصوف سے درخواست کی گئی جو قبول ہوئی اور چند ہی دنوں میں یہ اچھی خاصی کتاب تیار ہو گئی۔

اس کتاب سے ملک و قوم کو جس قدر منفعت حاصل ہو سکتی ہے وہ ظاہر ہے کیونکہ ہمیشہ قوموں کو بیدار و ہشیار کرنے کیلئے بزرگان قوم ہی کا تذکرہ کام آتا ہے اور یہ چیز انسانی فطرت میں کچھ اس طرح داخل ہو گئی ہے کہ اسے فطرت ثانیہ کہا جائے تو بجا ہے۔ قرآن کریم نے بھی اسی اصول کے ماتحت سابقہ اقوام اور انبیائے کرام کے حالات بیان کئے ہیں تاکہ مسلمان ان سے سبق و موعظت حاصل کریں اور اپنی زندگی کو بہتر بنانے کی کوشش کریں۔ اس کتاب میں بھی اسی لئے بزرگان دین، پیشوایان ملت اور شاہان اسلام کے حالات جمع کئے گئے ہیں کہ قارئین کرام ان سے متمتع ہو سکیں۔ انکی سوانح حیات سے سبق حاصل کریں اور ان کے کارناموں پر بنظر امعان غور کریں۔

چونکہ انسان کی تعلیم و تربیت کیلئے بہترین ذریعہ خود اسی کے افراد جنس کے حالات ہو سکتے ہیں اور انسان کے سامنے زندگی ہی بہترین نمونہ انسانیت کا بن سکتی ہے اس لئے اسلاف کے حالات اور تاریخ کا مطالعہ اور بھی ہمارے لئے زیادہ ضروری ہے کہ ہم ان سے سبق لے کر اپنی زندگی سنوار سکیں۔ مشاہیر کے حالات جہاں پچھلی نسلوں کیلئے تذکرہ ہیں وہاں سبق حاصل کرنے والوں کیلئے تبصرہ بھی ہیں کہ وہ ان کی زندگی کے تمام پہلوؤں پر غور کریں اور ان کے نشیب و فراز کو اچھی طرح دیکھیں پھر خذ ما صفا و دع ما کدر کے اصول پر اچھی اچھی باتیں اخذ کر لیں اور ان پر عمل کی کوشش کریں کیونکہ قرآن حکیم نے بھی آیت کریمہ ذکر لک و لقومک میں اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

پس آپ جب اس کتاب کا مطالعہ کریں تو کسی کے حالات پڑھنے کے بعد کتاب بند کر کے چند منٹ تک غور فرمائیں کہ اس شخص کے حالات میں کونسی نئی بات معلوم ہوئی۔ اگر یہ شخص صفات حمیدہ اور اوصاف جمیلہ کا مالک تھا تو کیا ان اوصاف کا کوئی حصہ مجھ میں ہے؟ اور اگر اس میں کوئی ایسی عادت تھی جو قابل نفرت ہو اور جسے و

وقایع نگار نے نمایاں طور پر آشکار کر دیا ہو تو کیا وہی عادت خود مجھ پر بھی تو حکمران نہیں؟ امید ہے کہ اس تدبیر سے مکارم اخلاق کے حصول کا ایک جذبہ پیدا ہو جائے گا جو صحیح معنوں میں اخلاقی و روحانی ارتقا کا خضر راہ بن سکے یا آپ کی قوت ارادی میں اتنی قوت و طاقت پیدا کر دے کہ وہ عادت بد کا مقابلہ کر سکے اور یہی امر بالآخر تزکیہ نفس کا سبب اور تصفیہ قلب کا موجب ہو جائے۔

آجکل ناول نویسی اور ناول خوانی کا بڑا زور ہے۔ بعض پڑھنے والے کسی ناول کو اخلاقی یا تاریخی سمجھ کر نیک نیتی سے اس کا مطالعہ مفید خیال کرتے ہیں مگر وہ نہیں جانتے کہ صاف دلوں کیلئے یہ کس قدر ضرر رساں ہیں! ناول کی داستان کو سحر نگار مصنف حد درجہ موثر بنانے کی سعی کرتا ہے اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ناول خواں کو واقعات صحیحہ اور تواریخ اصلیہ کے مطالعہ سے کچھ دلچسپی نہیں رہتی، مذاق بگڑ جاتا ہے، اخلاق پر برا اثر پڑتا ہے اور جذبات و احساسات انسانی پر مردہ ہو جاتے ہیں اور یہ ایک ضرر عظیم ہے۔ ناول میں نیک و بد صفات کو ایسے مبالغہ سے بیان کیا جاتا ہے کہ اصلی نیکی یا بدی کی کوئی قدر و قیمت یا اہمیت دل و دماغ پر اثر انداز نہیں ہو سکتی اور پڑھنے والا محض خوش وقتی کے طور پر دل لگی سمجھ کر زبان کے چٹکاروں ہی میں رہ جاتا ہے۔

مگر مخالف اس کے تاریخ کا مطالعہ ہر حیثیت سے مفید ہے کیونکہ وہ قومی روایات کا مجموعہ ہوتا ہے پس ناول چھوڑ کر ہمیشہ تاریخ پڑھو جو واقعات ہیں۔ حقائق ہیں اور ہمارے ہی جیسے انسانوں کی زندگی کا آئینہ ہیں۔ یہی حالات ہمارے لئے ایک بہترین واعظ ہیں، اعلیٰ تریں مشیر ہیں اور کامل تریں استاد ہیں۔ ہر انسان اپنے آپ کو اس نمونہ کے مطابق ترقی دے سکتا ہے اور اس کے مطالعہ ہی سے ہر برے نمونہ سے بچ سکتا ہے۔ تاریخ کا مطالعہ کرنے اور اسلاف کے حالات کو بغور پڑھنے سے ایک فائدہ یہ بھی ہے

کہ اپنے اسلاف کی ترقیات کا دور ہمارے سامنے آجاتا ہے اور ہمیں صحیح طور پر یہ اندازہ لگانے کا موقع مل جاتا ہے کہ ہم پہلے کیا تھے اور اب کیا ہو گئے؟ وہ کونسے عیوب و نقائص ہیں جن کی بدولت ہمیں یہ روز بد دیکھنے پڑے؟ اور وہ کونسے اسباب و علل ہیں جو ہمارے اس نکتہ و افلاس کا موجب ہوئے۔

الغرض جب اس نقطہ نگاہ سے تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو پھر خود بخود انسان ترقی کی طرف قدم اٹھانے لگتا ہے، اس کے مردہ جذبات زندہ ہو جاتے ہیں، اس میں اسلامی روح کار فرما ہو جاتی ہے اور اس کے سینہ میں قومی جوش موجزن ہو جاتا ہے۔ خصوصاً جب اسے یہ معلوم ہو جائے کہ میرے اسلاف کی ترقی کا انحصار محض میثاق ربانی کے مطابق ایمان اور عمل کی پابندی پر موقوف تھا اور اسی کی بدولت وہ دینی عروج اور دنیوی رفعت پر فائز المرام تھے اور آج ہماری ذلت کا سب سے بڑا باعث انہیں شروط کا فقدان ہے تو وہ اٹھتا ہے اس نقص اور کمی کو محسوس کرتا ہے، خود اپنی اصلاح کرتا ہے اور دوسروں کی اصلاح کے درپے ہو جاتا ہے۔ پس یہ فوائد محض تاریخ کے مطالعہ اور اسلاف کے حالات پڑھنے ہی سے حاصل ہو سکتے ہیں اور اس مقصد کو پورا کرنے کیلئے ”تاریخ المشاہیر“ شائع کی جا رہی ہے۔ امید ہے کہ آپ خود اس سے متمتع ہونگے اور دوسروں کو بھی ترغیب دلا کر اس کی اشاعت بڑھائینگے۔

﴿والله يهدي من يشاء الى سواء السبيل﴾







آئمه و علماء



## امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ

نسب :- نعمان بن ثابت بن زوطی بن ماہ سن۔

بیان کیا گیا ہے کہ زوطی بنو تیم اللعابن ثعلبہ کے مملوک تھے، پھر آزاد ہوئے۔ لہذا بنو تیم اللعابن ثعلبہ کے ساتھ ان کو حق و لا حاصل ہے۔ خطیب بغدادی نے اسی لئے حضرت امام کو ابو حنیفہ التیمی کے پتہ سے معین کیا ہے۔ ثابت اسلام سے مشرف گھرانے میں پیدا ہوئے مگر ان کا سنہ ولادت تاریخ میں نہیں ملتا۔ بعض نے اس خاندان کا نکاس کابل، بعض نے بابل، بعض نے ترمذ اور بعض نے انبار سے بتایا ہے۔

ولادت و وفات :- امام صاحب کی ولادت ۸۰ھ میں بمقام کوفہ ہوئی۔ اسی شہر میں رہ کر آپ نے تکمیل علوم فرمائی۔ منصور عباسی نے ان کو حملاً کوفہ چھوڑنے اور بغداد ٹھہرنے پر مجبور کیا۔ ۱۵۰ھ کو سماہ رجب (بقول بعض سماہ شعبان) انتقال فرمایا۔

استفادہ و افادہ :- حماد بن سلیمان سے فقہ حاصل کی۔ عطاء بن ابی رباح اور ابو اسحق سعیدی، محارب بن وثار، یثیم بن حبیب الصراف، محمد بن المنکدر، نافع مولیٰ عبد اللہ ابن عمر اور ہشام بن عروہ اور شاک بن حرب سے سماع حاصل کیا۔ ان سے روایت عبد اللہ ابن مبارک اور وکیع بن الجراح اور قاضی ابو یوسف اور محمد بن حسن شیبانی وغیرہ کرتے ہیں۔ اوصاف جمیلہ :- امام صاحب علم، صاحب عمل، زاہد، عابد اور صاحب ورع و تقویٰ تھے۔ خضوع خشوع الی اللہ کی حالت اکثر طاری رہتی تھی۔

انکار از حکومت قضا اور ابتلاء :- امام صاحب ابھی کوفہ ہی میں تھے کہ مروان بن محمد اموی کے گورنر عراقین یزید بن عمرو بن ہبیرۃ الفرازی نے ان کو قاضی بننے پر مجبور

کیا۔ امام صاحب نے انکار کر دیا۔ اس نے حکم دیا کہ سو تازیانے دس کے حساب سے لگائے جائیں۔ یہ سزا انہوں نے صبر کے ساتھ برداشت کر لی مگر قضاء کو منظور نہ فرمایا۔

پھر جب حکومت عباسیہ قائم ہو گئی تو منصور عباسی نے ان کو قاضی بنانا چاہا اور آپ نے انکار کر دیا۔ منصور نے حلیہ کہا کہ تم کو قاضی بننا پڑیگا۔ امام ابو حنیفہؒ نے بھی حلیہ انکار کر دیا۔ منصور کا مصاحب ربیع بن یونس تھا اور اس کی کچھ لاگ ڈانٹ امام صاحب سے رہتی تھی۔ وہ بولا، ابو حنیفہؒ ہوش کرو۔ امیر المومنین بحلف فرما رہے ہیں اور تم پھر بھی انکار کئے جاتے ہو، امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا ہاں امیر المومنین اپنے حلف کا کفارہ باسانی ادا فرما سکتے ہیں۔ مجھ غریب کو تو کفارہ دینا بھی مشکل ہے۔

ربیع کا بیان ہے کہ دوران گفتگو منصور نے کہا تھا کہ تم اس منصب کیلئے شایاں ہو۔ امام صاحب نے کہا ہرگز نہیں۔ منصور بولا کہ تم جھوٹ کہتے ہو۔ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا۔ ’لو اب تو آپ ہی نے فیصلہ کر دیا۔ جو شخص جھوٹا ہے وہ قاضی کیونکر بنایا جاسکتا ہے‘ امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ ربیع نے منصور سے کہا کہ ابو حنیفہؒ تو آپ کے جد بزرگوار عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مخالف ہے۔ ابن عباسؒ فرماتے ہیں کہ حلف علیٰ الیمین کا استثناء ایک دو روز کے بعد بھی جائز ہے اور ابو حنیفہؒ کہتا ہے کہ نہیں استثناء ہو تو یمین کیساتھ ساتھ ہو۔ تاخیر کے بعد استثناء نہیں ہو سکتا۔ منصور نے ان کی طرف دیکھا۔ امام ابو حنیفہؒ نے کہا ربیع کہتا ہے کہ اہل عساکر جو اقرار بیعت خلیفہ کے سامنے کرتے ہیں اس کی پابندی ان پر واجب نہیں۔ منصور نے پوچھا، یہ کیونکر۔ کہا، اس لئے کہ حضور کے سامنے حلف کر لیا اور گھر پہنچ کر انشاء اللہ کہہ لیا۔ منصور ہنس پڑا۔ کہا، ربیع ابو حنیفہؒ سے چھیڑ چھاڑ نہ کیا کرو۔ ربیع نے دربار سے باہر نکل کر کہا، ابو حنیفہؒ آج تو تم نے مجھے قتل ہی کر دیا تھا امام صاحبؒ نے کہا، نہیں یہ ارادہ تو تمہارا تھا۔ میں نے اپنی

81063

جان بچائی اور تم کو بھی بچایا۔

ایسا ہی واقعہ ابو العباس طوسی کیساتھ ہوا۔ وہ امام صاحبؒ کا مخالف تھا۔ اُس نے منصور کے سامنے پوچھا کہ اے ابو حنیفہؒ! امیر المومنین ایک شخص کے قتل کا حکم دیتے ہیں جس کا بظاہر کوئی قصور نہیں۔ تمہاری اس بارے میں کیا رائے ہے؟ امامؒ نے کہا کہ امیر المومنین کا حکم مبنی بر حق ہوتا ہے یا مبنی بر باطل۔ طوسی کو کہنا پڑا کہ مبنی بر حق۔ امامؒ نے کہا، پھر نفاذ حق کے متعلق تم کو سوال کی کیا ضرورت پڑی۔

عبداللہ بن رجا کہتے ہیں، کوفہ میں ایک شخص امام ابو حنیفہؒ کا ہمسایہ تھا۔ دن کو دکان پر کام کرتا اور شراب کباب اور راگ و سرود میں پورا کرتا۔ امام صاحبؒ تہجد میں ہوتے اور وہ برابر چلایا کرتا اور یہ شعر پڑھا کرتا۔

اضاعونی وای فتی اضاعوا لیوم کریہة و سداد ثغر  
ایک رات امام صاحب کو اس کی آواز نہ سنائی دی۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ پولیس میں گرفتار ہے۔ امام صاحبؒ فوراً حاکم شہر کے پاس پہنچے۔ امیر نے امام کو دیکھا تو خیر مقدم کیلئے چند افسر بھجے اور کہا کہ ان کو تائب فرش سوار لاؤ میں چاہتا ہوں کہ ان کا نچر میرے فرش پر گامزن ہو۔ الغرض امام صاحب کے اس ادب و احترام کے بعد امیر نے تشریف آوری کی وجہ دریافت کی۔ آپ نے اپنے ہمسایہ کی گرفتاری کا حال سنایا اور رہائی کی سفارش کی۔ امیر نے حکم دیا کہ اس رات جتنے ملزم گرفتار کئے گئے ہیں، سب کو چھوڑ دیا جائے۔ امام صاحبؒ اس ہمسایہ کو رہائی دلا کر گھر کو چلے۔ راہ میں پوچھا، کیوں بھائی ہم نے تجھے ضائع تو نہیں ہونے دیا۔ وہ بولا، جزاک اللہ آپ نے مجھ جیسے گنہگار کو بچالیا۔ بعد ازاں وہ اپنے افعال سے تائب ہو گیا اور اس کی حالت درست ہو گئی۔

۱۔ لوگوں نے مجھ کو ہاتھ سے کھو دیا اور کیسے شخص کو کھویا جو لڑائی اور رخنہ بندی کے دن کام آیا۔

جعفر بن ربیع کا قول ہے، میں چند سال تک امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ٹہرا۔ وہ بہت کم گو اور سکوت پسند تھے۔ ابراہیم بن عکرمہ کہتے ہیں۔ میں نے ابو حنیفہؒ جیسا اور فقیہہ کوئی نہیں دیکھا۔ امام سفیان بن عیینہ کہتے ہیں، میں نے مکہ میں ابو حنیفہؒ سے زیادہ نفل پڑھنے والا کوئی نہیں دیکھا۔ امام وکیع کہتے ہیں۔ ابو حنیفہؒ عظیم الامانتہ تھے اور راہ خدا میں ہر چیز کے ایثار پر تیار ہو جاتے تھے۔ سچ کے مقابلہ میں تلواروں کا نشانہ بن جانا ان کو آسان تھا۔

عبداللہ مبارک نے ایک روز فرمایا کہ ابو حنیفہؒ تو آئت (نشان) تھے۔ ایک شخص بولا، نیکی یاد دی میں؟ ابن المبارک نے فرمایا، چپ رہو۔ لفظ آئت کا استعمال خیر میں کیا جاتا ہے اور لفظ غائت کا استعمال شر میں ہوتا ہے۔ تجھے یہ آئت قرآنی بھی یاد نہیں۔ و جعلنا ابن مریم وامہ ایۃ۔ مسعر بن کدّام کہتے ہیں۔ مجھے کوفہ کے صرف دو شخصوں پر حسد آتا ہے۔ فقہ میں ابو حنیفہؒ پر اور زہد میں حسن بن صالح پر۔ ابو نعیم کہتے ہیں: ابو حنیفہؒ خوب رو، خوش لباس، پاکیزہ نگمت، کثیر الکرام اور ہمدرد انسان تھے۔ قاضی ابو یوسفؒ فرماتے ہیں۔ ابو حنیفہؒ نہ بہت لالہ تھے، نہ ناٹے تھے۔ ان کا قد درمیانہ تھا۔ وہ خوش گو اور شیریں سخن تھے۔

روح بن عبادہ کہتے ہیں میں ابن جریج کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ جب امام ابو حنیفہؒ کے انتقال کی خبر ان کو ملی، سنتے ہی اِنَّا لِلّٰہِ پڑھا اور غمناک ہو گئے۔ اور پھر فرمایا آہ کیا علم اٹھ گیا؟ ابو بکر عیاضؒ کہتے ہیں کہ سفیانؒ ثوری کا بھائی مر گیا۔ ابو حنیفہؒ تعزیت کے لئے آئے۔ سفیان نے آگے بڑھ کر ان کا اکرام کیا اور خود ان کے سامنے ہو کر بیٹھے۔ جب ابو حنیفہؒ چلے گئے تو لوگوں نے کہا آج تو آپ نے عجیب حرکت کی۔ انہوں نے کہا کہ یہ شخص علم کے اونچے درجے پر ہے۔ اچھا اگر میں ان کا اکرام بوجہ علم نہ کرتا تو بوجہ سن تو ضرور کرتا۔ اور اگر سن و سال کا لحاظ بھی نہ کرتا تو فقہ کا لباس تو ضرور کرتا۔ اور اگر فقہ کا

پاس نہ کرتا تو ان کی ورع کا اکرام تو ضرور کرتا۔

عبداللہ مبارک کہتے ہیں، میں نے سفیان ثوری سے ذکر کیا کہ ابو حنیفہؒ غیبت سے کتنی دور ہیں۔ میں نے نہیں سنا کہ انہوں نے کبھی کسی دشمن کی غیبت بھی کی ہو۔ وہ بولے ایسا دشمن انسان اپنی نیکیوں کو کیونکر برباد کر سکتا ہے۔

وکیع فرماتے ہیں: میں ایک روز ابو حنیفہؒ سے ملنے گیا۔ دیکھا سر نجیب و متفکر بیٹھے ہیں۔ پھر سر اٹھایا تو یہ شعر پڑھے۔

ان يحسدونى فانى غير لائمهم      قبلى من الناس اهل الفضل قد حسدوا

فدام لى ولهم مابى و ما بهم      ومات اكثرنا غيظا بما يجدوا

ایک روز ابن عائشہ کے سامنے امام ابو حنیفہؒ کا ذکر ہوا۔ غالباً انداز بیان کچھ

شایان شان نہ تھا تو انہوں نے یہ شعر پڑھ کر سنایا۔

اقلوا عليكم و يحكم لا ابا لكم      من اللوم اوسدوا الكان الذى سدوا

امام صاحب کی قبر پر قبہ الپ ارسالاں کے عہد میں ابو سعد خوارزمی وزیر

سلطنت نے ۳۵۹ھ میں تعمیر کرایا تھا۔ قبل ازیں قبر مبارک بالکل خام تھی۔

رحمته الله تعالى عليه رحمة واسعة

واضح ہو کہ الفاظ ذیل کو جملہ محدثین نے وضعی بیان کیا ہے۔ جو بروایت ابو

ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کئے جاتے ہیں ان فی امتی رجلا یقال له ابو

۱۔ میں اپنے حاسدوں کو ملامت نہیں کرتا اس لئے کہ مجھ سے پہلے بہت سے اہل فضل حسد کئے جا چکے ہیں۔

۲۔ میرے اور ان کے درمیان ہمیشہ کینہ کی آگ شعلہ زن رہی تاآنکہ اکثر اسی سبب سے مر گئے۔

۳۔ تف ہو تمپر تم ایک دوسرے کو ملامت نہ کیا کرو کام کرو جو تم سے پہلے لوگوں نے کئے۔

۴۔ میری امت میں ایک شخص ہوگا ابو حنیفہ کہیں گے وہ میری امت کا چراغ ہوگا۔

حنیفہ ہو سراج الامۃ خطیب بغدادی نے اس کے موضوع ہونے کو مشرحاً بیان کیا ہے۔ فقط

تاریخ ولادت و وفات امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

ابو حنیفہ زاد اندر سال نیک سال رحلت ہست لعل بے بہا

۵۱۵۰

۵۸۰





## امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ امام دارالہجرۃ

مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر بن عامر بن عمرو بن الحارث بن غیمان بن خثیل بن عمرو بن الحارث بن حرث ذی الصبح۔ اصحی المدنی۔ ابو عبد اللہ کنیت۔ آپ کا سلسلہ نسب بعر ب بن فحطان سے جا ملتا ہے اور اس قبیلہ کے بزرگ زیادہ تر یمن پر تسلط و قابض ہیں۔

حلیہ :- لاناقد، سفید و سرخ، بزرگ سر اور مقدم سر کے بال ندارد۔ نہایت قیمتی اور صاف لباس زیب تن فرمایا کرتے۔ جلق شارب (مونچھوں کے منڈانے) کو ناپسند کرتے۔ سفید ریش کبھی رنگ نہیں لگایا۔

ولادت و وفات :- ۹۵ھ میں ولادت ہوئی اور ۱۰ ربیع الاول ۷۹ھ میں وفات اسی سال کی عمر میں پائی۔

اساتذہ :- نافع مولیٰ ابن عمر، محمد بن المنکدر، ابو الزبیر، زہری، عبد اللہ بن دینار، ابو حازم اور زبیعتہ الراوی وغیرہم۔

تلامذہ :- (۱) امام شافعیؒ (۲) امام ابن عیینہؒ (۳) امام عبد الرحمن مہدیؒ (۴) امام سفیان ثوریؒ (۵) اوزاعیؒ (۶) امام عبد اللہ بن مبارکؒ (۷) امام لیث بن سعد امام مصر (۸) ابن علیہ (۹) ابن وہب (۱۰) ابراہیم بن ہیمن (۱۱) قضنی (۱۲) عبد اللہ بن یوسف (۱۳) عبد اللہ بن نافع (۱۴) امام یحییٰ القطان (۱۵) معن بن عیسے (۱۶) عبد الرحمن بن القاسم (۱۷) ابو عاصم نبیل (۱۸) روح بن عبادہ (۱۹) ولید بن مسلم (۲۰) ابو عامر عقدی (۲۱) یحییٰ بن یحییٰ (۲۲) یحییٰ بن عبد اللہ بن بکیر (۲۳) امام عبد الرحمن العاقل امام

اندلس اور خلاق کثیر۔ کہ ہر ایک شاگرد بجائے خود اپنی اپنی جگہ امام شمار ہوتا تھا۔ (۲۴)  
امام زہری جو ان کے فخر الاساتذہ میں سے ہیں اور (۲۵) یحییٰ انصاری جو امام مالک کے  
مشہور استاد ہیں ان دونوں نے بھی امام مالک سے روایت حدیث کی ہے۔

الغرض جملہ آئمہ دین اور علمائے حدیث کا امام مالک کی امانت و جلالت اور  
سیادت و تجلیل و توقیر پر اجماع ہے۔

امام احمد بن حنبل اور ابن المدینی اور ابن معین کا متفقہ قول ہے کہ اصحاب  
زہری میں سب سے زیادہ معتمد امام مالک ہیں۔ وہب بن خالد کہتے ہیں کہ مشرق و  
مغرب کے درمیان کوئی شخص امام مالک سے بڑھ کر حدیث نبوی ﷺ میں مامون  
نہیں۔ صحیح ترمذی میں یہ حدیث موجود ہے یوشک ان تضرب الناس رباط  
المطی فی طلب العلم فلا یجدون عالما اعلم من عالم المدینة  
(قال الترمذی حدیث حسن) امام سفیان بن عیینہ کا قول ہے کہ اس حدیث کا مصداق  
امام مالک بن انس ہے۔

تعظیم حدیث :- امام معن بن عیسیٰ کہتے ہیں کہ جب امام مالک روایت حدیث کے لئے  
نشست فرمانے کا ارادہ کرتے تو غسل کرتے اور جسم و لباس کو عطر لگاتے اور اگر ان کی  
مجلس میں کوئی شخص بول اٹھتا تو یہ آیت تلاوت فرمایا کرتے۔

یا ایہا الذین امنوا لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی (اے ایمان والو  
اپنی آواز کو نبی کی آواز سے بلند نہ کرو)۔

امام مالک فرمایا کرتے کہ حدیث نبوی کے وقت بولنا گویا خود نبی ﷺ کے  
سامنے چلانا ہے۔

۱۔ ایک زمانہ ایسا آیا تھا ہے کہ لوگ دور دراز سے سفر کر کے مدینہ طیبہ میں آئیے اور یہیں سے دین سیکھیں  
گے کیونکہ مدینہ سے بڑھ کر زیادہ عالم اور کہیں نہ ہوگا۔

روایت حدیث کے متعلق احتیاط :- حبیب وراق کہتے ہیں، میں نے امام مالکؒ سے تین اشخاص کے متعلق سوال کیا کہ آپ نے ان سے کوئی روایت کیوں نہیں لی۔ امام صاحبؒ گردن جھکا کر بیٹھ گئے پھر سر اٹھایا تو فرمایا۔ ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ۔ حبیب! میں نے اس مسجد نبوی میں ستر شیوخ ایسے دیکھے ہیں جو اصحاب رسول ﷺ سے ملنے والے تھے۔ تابعین سے بھی روایت کرتے تھے۔ لیکن ہم حدیث کو اہل حدیث ہی سے لیا کرتے ہیں۔

عبداللہ بن یوسف نے خلف بن عمرو سے روایت کی ہے کہ میں امام مالکؒ کی خدمت میں حاضر تھا۔ اتنے میں ابن کثیر قاری المدینہ آگئے اور انہوں نے امام کی خدمت میں ایک رقعہ پیش کیا۔ امام مالکؒ نے رقعہ پڑھا اور جانماز کے نیچے رکھ دیا۔ لوگ روانہ ہو گئے تو میں نے بھی چلنے کا ارادہ کیا۔ فرمایا، خلف تم ذرا ٹھرو۔ پھر وہ رقعہ مجھے نکال کر دیا۔ اس میں لکھا ہوا تھا :

”میں نے خواب میں نبی ﷺ کو دیکھا۔ گویا مجھے بتایا گیا کہ آپ رسول اللہ ہیں۔ حضور بیٹھے ہوئے ہیں اور حضور کے سامنے بہت ہجوم ہے۔ کوئی عرض کر رہا ہے یا رسول اللہ ﷺ مجھے کچھ عنایت ہو جائے۔ کوئی کہہ رہا ہے، حضور میرے لئے بھی کچھ حکم ہو جائے۔ رسول اللہ نے فرمایا، میں نے اپنے منبر کے تلے بہت بڑا خزانہ جمع کر دیا ہے اور میں نے مالکؒ کو حکم دیدیا ہے کہ وہ تم کو تقسیم کر دے۔ اب تم مالکؒ کے پاس جاؤ، لوگ حضور کے سامنے سے اٹھ کر چلے جاتے ہیں۔ ان میں سے کوئی کہہ رہا ہے۔ مالکؒ دیکھیں کیا کرے گا۔ کوئی کہہ رہا ہے کہ جو حکم نبویؐ ہے اسی کی تعمیل کرے گا۔“

امام مالکؒ رقعہ پڑھے جانے کے بعد رونے لگے۔ روتے ہی رہے اور میں وہاں سے چلا آیا۔ قعنبنی کہتے ہیں کہ میں حماد بن زید امام بصرہ کی خدمت میں حاضر تھا۔ جب ان کو امام مالکؒ کی خبر وفات ملی۔ وہ بولے، اللہ تعالیٰ مالکؒ پر رحم فرمائے وہ اپنی نظیر نہیں

چھوڑ گئے۔ ابن وہب کہتے ہیں، امام مالکؒ کی ہمشیرہ سے دریافت کیا گیا کہ مالکؒ کا شغل گھر میں کیا ہوتا ہے، کہا، ”تلاوت قرآن“۔ محمد بن رحم کہتے ہیں میں نے نبیؐ کو خواب میں دیکھا اور عرض کیا کہ بعض مسئلہ میں مالکؒ اور لیث کا اختلاف ہوتا ہے۔ وہاں کیا کیا جائے۔ فرمایا۔ مالک۔ مالک۔ مالک و ارث جد یعنی ابراہیم علیہ السلام۔ یعنی میرے دادا ابراہیم علیہ السلام کا ورثہ مالکؒ کو مالکؒ کو ملا ہے۔

بجر کہتے ہیں میں نے خواب دیکھا کہ میں بہشت میں داخل ہو گیا ہوں۔ مجھے وہاں اوزاعی اور سفیان ثوری ملے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ مالکؒ کہاں ہیں۔ دونوں بولے مالکؒ کہاں۔ مالکؒ تو بہت بلندی پر ہیں۔ مالکؒ کہاں۔ وہ تو بہت اونچے ہیں۔ مالکؒ کہاں ہیں۔ وہ تو اٹھائے گئے ہیں۔ اوپر کو اشارہ کرتے کرتے ان کی ٹوپیاں بھی گر گئیں۔

رو نقی نے اپنی کتاب سبل السنۃ المشرقة میں لکھا ہے کہ مالکؒ کے اساتذہ میں تین سوتابعی اور چھ سوتبع تابعین ہیں۔ پھر انہوں نے روایت انہی لوگوں سے کی ہے جو دینداری میں زیادہ برگزیدہ اور شرط روایت کے زیادہ پابند اور فقہ والے تھے۔

ابتلاء و محن :- طلاق مکرہ کے بارے میں امام مالکؒ کا فتویٰ حاکم مدینہ کی مرضی کے خلاف تھا۔ حاکم نے ان کو گرفتار کیا اور ستر کوڑے لگوائے اور اونٹ پر بٹھلا کر ان کی تشہیر کرائی۔ اور ان کے دونوں بازوؤں کو اتنا کھچو لایا کہ دونوں مونڈھے اتر گئے۔ اس کے بعد نماز میں ہاتھ نہ باندھ سکتے تھے۔ ابن جوزی نے اس واقعہ کو ۱۲۷ھ کا بتایا ہے اس وقت امام کی عمر ۷۵ سال کی تھی۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

ابو محمد جعفر بن احمد بن حسین سراج نے ان کی وفات پر اشعار ذیل میں درد دل کا اظہار کیا ہے۔

سقی جد تا ضم البقیع لمالک	من المزن مرعا والسحاب مبراق
امام موطاہ الذی طبقت بہ	اقالیم فی الدنیا فساح و افاق
اقام بد شرع النبی محمد	لہ حذر من ان یضام و اشفاق

له مسند عال صحیح و ہیبتہ  
واصحاب صدق کلهم علم فسل  
ولولم یکن الا ابن ادریس وحده  
فلکل منه حین یرویه اطراق  
بهم انهم ان انت ساء لت خزاق  
کفاه الا ان السعادة ارزاق

### تاریخ ولادت و وفات امام مالک رحمہ اللہ

مالک	زبدہ	عباد	امام	از جہاں رفت و یافت	مطلق نام
			۹۵ھ		۱۷۹ھ
			دیگر		
آنکہ الدین ہست	میلادش	مالک	ست آن امام	حق آئین	
	۹۵ھ				۱۷۹ھ



## امام محمد بن ادریس الشافعی مطلبیؒ

سلسلہ نسب :- محمد بن ادریس نام اور ابو عبد اللہ کنیت ہے۔ سلسلہ نسب یہ ہے :  
 محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع بن سائب بن عبید بن عبد بن یزید بن ہاشم بن  
 مطلب بن عبد مناف القرشی مطلبی الشافعی الحجازی المکی۔ ان کا نسب رسول اللہ ﷺ  
 کے ساتھ عبد مناف میں شامل ہو جاتا ہے اور صحیح بخاری میں جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ  
 کی روایت سے یہ ارشاد نبوی موجود ہے : انما بنو المطلب و بنو ہاشم  
 نشی واحد مطلبی اور ہاشمی دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ آپ کی والدہ مکرمہ قبیلہ ازد سے  
 ہیں۔ ترمذی میں بروایت انس بن مالک رضی اللہ عنہ یہ ارشاد نبوی موجود ہے : الازد  
 اسد اللہ فی الارض۔ نیز ترمذی میں بروایت ابی ہریرہؓ یہ الفاظ بھی ارشاد نبوی  
 سے ہیں : والامانة فی الازدان روایات سے ثابت ہے کہ امام شافعیؒ شرافت اور  
 حسب و نسب میں درجہ اول پر ہیں۔

ولادت و وفات :- ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ اسی سال امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا  
 انتقال ہوا تھا۔ لوگوں نے مبالغہ سے کہا ہے کہ ہر دو آئمہ کا یوم ولادت و یوم وفات ایک  
 ہی تھا۔ امام شہتمیؒ نے اسے باطل بتلایا ہے۔ ایام حمل میں ان کی والدہ نے خواب دیکھا تھا  
 کہ ان کے شکم سے مشتری پیدا ہوا ہے۔ ارض مقدسہ کے شہر غزہ (یا عسقلان) میں  
 پیدا ہوئے اور دو سال کے تھے جب مکہ مکرمہ میں لائے گئے۔ ۵۴ سال کی عمر تھی  
 جب مصر میں ۳۰ رجب ۲۰۴ھ کو بعد نماز مغرب شب جمعہ کو وفات پائی اور بروز جمعہ  
 بعد عصر مدفون ہوئے۔ اللهم ارفع درجته و ادخله فی عبادک

الصالحین۔ امام ربیع کا قول ہے کہ میں نے اسی شب خواب میں دیکھا کہ آدم علیہ السلام کا انتقال ہو گیا۔ مجھے تعبیر بتلائی گئی کہ دنیا کے بڑے عالم کا انتقال ہو گا۔ کچھ مدت کے بعد ہم کو خبر مل گئی کہ امام شافعی فوت ہو گئے۔ مبعثر نے وجہ تعبیر اس آیت کریمہ کو بتلایا تھا: علم آدم الاسماء کلہا۔

تعلیم ادب و ایام العرب و شعر:۔ بچپن سے نکلتے ہی امام شافعی نے علم ادب اور ایام العرب اور شعر کی طرف میلان خاطر کا اظہار کیا۔ بعد ازاں مسلم بن خالد زنجی امام مکہ کی خدمت میں حاضر ہو کر تحصیل فقہ میں مصروف ہو گئے۔ بعد ازاں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں مدینہ منورہ پہنچے اس وقت ان کی عمر ۱۳ سال کی تھی اور کتاب موطا کو انہوں نے مکہ ہی میں حفظ کر لیا تھا۔ امام مالک ان کے علم، فہم و علو نسب کی وجہ سے ان کی خاص عزت فرمایا کرتے تھے۔ امام مالک سے تکمیل علم کے بعد وہ یمن تشریف لے گئے اور وہاں لوگ ان کے علوم سے بہت مستفیض ہوئے۔ یمن سے وہ عراق میں پہنچے اور وہاں امام محمد بن حسن سے وہ مشہور مناظرات کئے جو کتب شافعیہ میں تفصیلاً موجود ہیں۔

عراق میں عبدالرحمن بن مہدی امام اہلحدیث کی درخواست پر انہوں نے علم اصول پر ایک کتاب لکھی جس کا نام الرسالۃ ہے۔ ائمہ اہل عصر اس کتاب کو پڑھا کرتے اور حیرت و مسرت سے معمور ہو جاتے۔ مزنی کہتے ہیں: میں نے اس کو پانچ سو بار پڑھا ہے اور ہر دفعہ فائدہ جدیدہ حاصل کیا ہے۔ جن دنوں امام شافعی عراق ٹھہرے ہوئے تھے انہی ایام میں ان کی جلالت شان اور امامت فی العلم مسلمہ ہو گئی۔ لوگ اپنے اپنے مذاہب کو چھوڑ کر اتباع شافعی کرنے لگے اور جملہ اساتذہ کو چھوڑ کر انہی کے حلقہ درس میں حاضر ہونے لگے۔

انہوں نے اپنی مشہور کتاب الحجۃ بھی عراق ہی میں تصنیف کی جسے احمد بن

حنبل اور ابو ثور اور زعفرانی اور کراچیسی روایت کرتے ہیں۔ ۹۹ھ میں امام شافعی مصر جا پہنچے اور وہیں انہوں نے مذہب پر تحقیق جدید کی کتب کو قلم بند کیا۔ اصول الفقہ، کتاب القسامہ، کتاب الجزیہ، کتاب قتال اہل البغی بھی مصر ہی میں تصنیف فرمائیں۔ ان دنوں امام شافعی کی شہرت بدرتباں کی طرح عالم اسلام پر نور افگن تھی۔ شام و یمن اور عراق اور جملہ نواحی و امصار کے علماء ان کی خدمت میں مصر پہنچ رہے تھے۔ سلیمان بن ربیع کہتے ہیں کہ ایک روز میں نے شمار کیا کہ امام شافعی کے دروازے پر ۹۰۰ سواریاں اہل علم کی موجود تھیں۔

مختصر احوال شافعی :- یہ آغوش مادر ہی میں تھے کہ یتیم ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو انبار العلوم کا در یتیم بنایا۔ یہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے اصول میں سب سے پیشتر کتاب لکھی اور یہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے حذاق متقنین سے مناظرے کئے اور آئمہ مبرزین کی تصانیف کو بغور دیکھا۔ مذاہب متقدمین پر تنقید کی اور پھر ایک ایسا طریقہ جامعہ کتاب و سنت اور اجماع و قیاس کے متعلق ملخص کیا جو ان سے پیشتر نامعلوم تھا۔ استنباط کتاب و سنت میں ان کا درجہ بہت بلند ہے اور ناسخ و منسوخ حدیث میں ان کا علم کامل ہے۔ مجمل و مبین اور خاص و عام وغیرہ تقاسیم خطاب میں انہوں نے ایسے ایسے عوارف کئے جسے پہلے بیان نہ کیا گیا تھا۔

لغت نحو و ادب کی امامت :- عبد الملک بن ہشام کا جو لغت و نحو میں امام عصر تسلیم کئے گئے ہیں، قول ہے کہ الشافعی حجته فی اللغۃ۔ ابن ہشام مشکلات لغت کا حل امام شافعی ہی سے کیا کرتے تھے۔

ابو عبید امام لغت کہتے ہیں: ”شافعی ان بزرگوں میں سے ہیں جن سے لغت سیکھنا چاہیے“ ایوب بن سوید امام لغت کہا کرتے کہ لغت شافعی سے سیکھو۔ ابو عثمان مازنی کہتے ہیں کہ شافعی نحو حجت ہیں۔



اصمعی کہتے ہیں کہ شعرائے ہذلمین کے اشعار کی صحت میں نے محمد بن ادریس (شافعی) سے کی تھی جب وہ مکہ میں بچہ ہی تھے۔ محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم کہتے ہیں، میں نے شافعی سے سنا کہ ان کو ۳۰۰ شعرائے قدیم کے اشعار یاد ہیں۔ زبیر بن بکار کہتے ہیں: ”اشعار ہذیل اور ان کے ایام و وقایع کا علم میں نے اپنے چچا مصعب سے سیکھا تھا اور وہ کہتے تھے کہ میں نے یہ شافعی سے سیکھے تھے اور یہ سب ان کو زبانی یاد تھے“ فقہ و حدیث میں امامت :- محمد بن حسن (تلمیذ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ) کہتے ہیں، اہل حدیث اب شافعی کی زبان سے بولنے لگے ہیں۔

حسن بن محمد زعفرانی کہتے ہیں اصحاب حدیث خواب میں تھے شافعی نے ان کو بیدار کیا۔ امام احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ جو کوئی شخص قلم و دوات ہاتھ میں لیتا ہے اس کی گردن پر شافعی کا بار منت ہے۔

امام شافعی ۱۵ سال کے تھے جب ان کے استاد مفتی اہل مکہ امام مسلم بن خالد نے کہہ دیا تھا کہ ابو عبداللہ اب تم فتویٰ دیا کرو۔ بخدا کہ تم فتویٰ دینے کے قابل ہو گئے ہو اصحاب الحدیث (اہل الحدیث) کا لقب متبعین پر امام شافعی ہی کے عہد میں اشاعت پذیر ہوا۔ عراق میں امام شافعی کا لقب ”ناصر الحدیث“ مسلم تھا۔ امام نووی کہتے ہیں کہ حدیث شریف ان عالم قریش یملا طباق الارض علماء کا مصداق متقدمین و متاخرین نے امام شافعی ہی کو بتایا ہے۔

ابو نعیم نے تفصیل کیساتھ حدیث بالا کو امام شافعی پر منطبق کیا ہے اور یہ بھی لکھ دیا ہے کہ امام احمد بن حنبل کا مذہب بھی اس حدیث کے متعلق یہی تھا۔ امام الائمہ ابن خزیمہ سے سوال کیا گیا کہ کوئی ایسی بھی سنت صحیحہ ہے جس کا ذکر شافعی نے اپنی تصنیفات میں نہ کیا ہو انہوں نے جواب دیا نہیں۔

سخاوت شافعی :- حمیدی کہتے ہیں، شافعی صنعا سے مکہ میں آئے تو ان کے پاس دس

ہزار دینار تھے۔ انہوں نے مکہ سے باہر اپنا خیمہ لگا لیا۔ ارباب حاجات جاتے تھے، اور حسب مراد لیکر آتے تھے۔ شہر میں اس وقت داخل ہوئے جب کل رقم صرف ہو گئی الغرض بویطی کہتے ہیں، زبیدہ خاتون امام شافعیؒ کیلئے بڑی بڑی قیمت کے خلعت مصر میں بھیجا کرتی اور شافعیؒ ان کو تقسیم فرما دیا کرتے تھے۔

ربیع کہتے ہیں، امام شافعیؒ بازار میں سوار چلے جا رہے تھے کہ ہاتھ سے چابک گر گیا۔ ایک شخص نے اٹھایا۔ گرد سے صاف کیا اور امام کو دیدیا۔ شافعیؒ نے نوکر سے فرمایا، جتنے روپے تیرے ساتھ ہیں وہ اسے دیدے۔

ابو سعد کہتے ہیں، امام شافعیؒ نے فرمایا، میں نے ایک لونڈی خرید لی ہے جو کھانا عمدہ تیار کرتی ہے اور شیرینی بناتی ہے۔ تمہارا جی جس چیز کے کھانے کو چاہے، فرمائش کر دیا کرو۔

مناقب شافعیؒ :- امام ابو ثورؒ کہتے ہیں: اگر کسی کا دعویٰ ہو کہ اس نے محمد بن ادریسؒ جیسا علم و فصاحت اور معرفت و ثبات و تمکن میں کوئی دوسرا شخص بھی دیکھا ہے تو وہ جھوٹا ہے۔“

ابو عبیدہ قاسم بن سلام کہتے ہیں کہ شافعیؒ سے بڑھ کر میں نے کوئی شخص نہیں دیکھا۔ امام احمد بن حنبلؒ کے فرزند عبد اللہ کہتے ہیں، والد بزرگوار سے پوچھا تھا کہ شافعیؒ کیسا شخص تھا جس کے لئے آپ ہر نماز میں دعا کرتے ہیں۔ فرمایا، امام شافعیؒ کی مثال خورشید اور صحت جیسی ہے۔ کیا کوئی ان دونوں سے بے نیاز ہو سکتا ہے۔ یا ان دونوں کا کچھ بدل بھی ہے۔

تصانیف :- (۱) کتاب الام۔ پندرہ جلدوں میں ہے۔ (۲) جامع کبیر مزنی (۳) جامع صغیر مزنی (۴) مختصر ربیع (۵) مختصر بویطی (۶) کتاب الحرمہ (۷) کتاب الحجۃ (۸) الرسالۃ (۹) الامالی (۱۰) الاملاء (۱۱) مسند شافعیؒ وغیر اور بہت سی کتابیں ہیں۔ قاضی الامام ابو محمد

حسن بن محمد مروزی نے ان کی تعداد ۱۱۳ بتلائی ہے۔ یہ کتابیں تفسیر، حدیث، فقہ و ادب اور تاریخ پر مشتمل ہیں۔

اقوال و اشارات :-

- ۱:- نماز نافلہ سے طلب علم بہتر ہے۔
  - ۲:- جو شخص طالب دنیا ہے اسے بھی علم سیکھنا چاہیے اور جو شخص خواہاں آخرت ہے اسے بھی علم سیکھنا چاہیے۔
  - ۳:- ادائے فرائض کے بعد قرب الہی کے حصول کا سب سے افضل طریقہ تحصیل علم ہے۔
  - ۴:- علم کا مزہ اس کو آتا ہے جس نے تنگدستی میں علم سیکھا ہو۔ فرمایا۔ طالب علمی میں میری یہ حالت تھی کہ مجھے کاغذ بہ مشکل دستیاب ہوا کرتا۔
  - ۵:- طالب علم کو گہرے فکر و دقت فہم سے علم سیکھنا چاہیے تاکہ علم کی باریک باریک رموز سے محروم نہ رہے۔
  - ۶:- جو شخص محبت علم نہیں اسے دوست مت بناؤ۔
  - ۷:- علم کی زینت ورع اور حلم ہیں۔
  - ۸:- عالم کیلئے سب سے بڑا عیب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جس شے سے زہد کا حکم دیا وہ اسی کا راغب ہو اور جس شے سے رغبت کا حکم دیا وہ اسی میں زہد کرے۔
  - ۹:- علماء کا فقر اختیار ہوتا ہے اور جہال کی تنگدستی اضطراری ہوتی ہے۔
  - ۱۰:- علم میں نمود و ریاء کا نتیجہ سنگدلی اور کینہ توڑی ہے۔
  - ۱۱:- افسوس! لوگ اس سورہ قرآنیہ سے کس قدر بے خبر ہیں۔
- والعصر ان الانسان لفي خسر۔
- ۱۲:- کہا کرتے تھے، میں نے غسل جمعہ کبھی ترک نہیں کیا سفر ہو یا حضر۔

- ۱۳:- کہا کرتے ہیں نے اللہ کی قسم کبھی نہیں کھائی نہ سچی نہ جھوٹی۔
- ۱۴:- کہا کرتے کہ ۱۶ سال سے میں نے کبھی شکم سیر ہو کر نہیں کھایا۔ ایک روایت میں ۲۰ سال کا لفظ ہے۔
- ۱۵:- فرمایا کرتے، زائد از ضرورت دنیا کی تلاش ایک عذاب ہے جو اہل توحید پر دنیا میں مسلط کیا جاتا ہے۔
- ۱۶:- جس پر محبت دنیا غالب ہے وہ اہل دنیا کا غلام ہے۔
- ۱۷:- ان سے پوچھا گیا کہ آپ ابھی مضبوط ہیں۔ پھر ہر وقت عصا لیکر کیوں چلتے ہیں۔ فرمایا اس لئے کہ یاد رہے کہ میں مسافر ہوں۔
- ۱۸:- فرمایا، دنیا و آخرت کی بہبودی ان بچگانہ خصال میں ہے (۱) استغناء نفس (۲) ایذا رسانی سے نفرت (۳) کسب حلال (۴) لزوم تقویٰ (۵) جملہ حالات میں اللہ تعالیٰ پر اعتماد۔
- ۱۹:- فرمایا، ناداری و تنگدستی سے میں کبھی پریشان نہیں ہوا۔
- ۲۰:- ربیع کو بطور نصیحت فرمایا، اگر کوئی شخص یہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو روشن فرمادے تو اسے لازم ہے کہ (الف) غیر ضروری گفتگو سے بچا کرے (ب) معاصی سے دور رہے (ج) کوئی ایسا عمل کیا کرے جس کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے کو نہ ہو۔
- ۲۱:- غیر ضروری کلام سے بچو۔ تکلم کے بعد تمہاری گفتگو تمہاری مالک بن جاتی ہے پہلے تو تمہاری مملو کہ تھی۔
- ۲۲:- تم اپنی مساعی سے سب کو خوش نہیں کر سکتے لہذا عمل میں صرف اخلاص کے خواہاں رہو۔
- ۲۳:- انسان کی تادیب و تربیت و خوش کی تادیب و تربیت سے زیادہ کٹھن ہے۔

- ۲۴:- عاقل وہ ہے جس کی عقل اسے فعل مذموم سے روک لے۔
- ۲۵:- اگر میں آجکل بھی شعر کہا کرتا تو مروت کا مرثیہ لکھتا۔
- ۲۶:- مروت کے اربعہ عناصر یہ ہیں (۱) حسن الخلق (۲) سخا (۳) تواضع (۴) ایثار۔
- ۲۷:- دنیا میں انسان صرف چار خصائل سے مکمل ہو سکتا ہے۔ دیانت، امانت، صیانت اور رزانت۔
- ۲۸:- چالیس سال سے میں شادی شدہ لوگوں سے تزویج پر ان کی رائے دریافت کرتا رہا سب کوشاکی ہی پایا۔
- ۲۹:- صداقت محبت یہ ہے کہ عذر قبول کیا کرو۔ بوقت حاجت اس کی مدد کیا کرو اور اس کی لغزشوں پر خاک ڈال دو۔
- ۳۰:- محبت کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ پیارے کا پیارا بھی تم کو پیارا ہو۔
- ۳۱:- احباب دلی کی مصاحبت کے برابر کوئی خوشی نہیں اور انکے فراق کے برابر کوئی الم نہیں۔
- ۳۲:- وثوق محبت کی بنیاد پر کسی دوست کا حق ادا کرنے میں تقصیر نہ کیا کرو۔
- ۳۳:- احسان کر نیو والا تجھے قیدی بناتا ہے اور جفا کرنے والا تجھے آزاد چھوڑتا ہے۔
- ۳۴:- جو کوئی تیرے پاس دوسرے کی غیبت کرتا ہے تیری غیبت دوسرے کے پاس کریگا۔ امام کے اصل لفظ کتنے مختصر اور فصیح ہیں۔ من نم لک نم بک۔
- ۳۵:- سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کا ترجمہ کیا ہے۔ ہر کہ عیب دگراں پیش تو آورد شمرؤ بیگماں عیب تو پیش دگراں خواہد برد۔
- ۳۶:- تواضع سے محبت پیدا ہوتی ہے اور قناعت سے راحت ملتی ہے۔

- ۳۷ :- زاہد دنیا اور راغب آخرت بن کر رہو تم بھی نجات یافتہ لوگوں میں شامل ہو جاؤ گے۔
- ۳۸ :- خندہ روئی سے برے لوگ بھی مصاحب بن جاتے ہیں اور ترش روئی سے عداوت پیدا ہوتی ہے۔ لہذا درمیانی حالت بہتر ہے۔
- ۳۹ :- بے حیا کی صحبت قیامت کے دن باعث ننگ و عار ہوگی۔
- ۴۰ :- تکمیل ایمان کا حصہ تین امور پر ہے
- (۱) امر بالمعروف اور خود بھی اس پر عمل کرنا
- (۲) نہی عن المنکر اور خود بھی بچے رہنا
- (۳) حدود الہی کی نگہداشت۔
- ۴۱ :- استحقاق سے بڑھ کر کسی کی عزت کرنا خود اپنے آپ کو اتنا ہی گرا لینا ہے۔
- ۴۲ :- شرفاء سے میل جول رکھو، شریف سمجھے جاؤ گے۔ کمینہ لوگوں سے مت ملو، کمینہ سمجھے جاؤ گے۔
- ۴۳ :- کان لگا کر اچھی بات سننے والا حاکی بن جاتا ہے (یعنی ڈھبرا سکنے کا اہل ہو جاتا ہے) اور دل لگا کر بات سننے والا داعی بن جاتا ہے (بات کو دل نشین کر لیتا ہے) سنی بات پر عمل کر نیو الا ہاوی بن جاتا ہے۔
- ۴۴ :- بلند قدر وہ ہے جو آپ اپنے کو اونچا نہ کھینچے اور اہل فضل وہ ہے جو اپنی فضیلت پر نہ اترائے۔
- ۴۵ :- اخلاق جمیلہ کی زکوٰۃ یہ ہے کہ دوسرے کے پاس کسی در ماندہ کی سفارش کر دیا کرو۔
- ۴۶ :- کسی کی خطا پر مت ہنسو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے قلب کو خطا سے بچائیگا۔
- ۴۷ :- بڑی ذلت کسی شریف کا کمینہ کے سامنے ذلیل بننا ہے یا مرد کا عورت کے

سامنے اس کا مال اڑانے کیلئے گڑ گڑانا ہے۔

۴۸ :- اگر قاضی فقیہہ نہیں تو وہ چور ہے۔

۴۹ :- مردانگی احرار کا زیور ہے۔

۵۰ :- بطلان کو اپنی زینت بنا نیوالا جلد رسوا و خوار ہو جاتا ہے۔

۵۱ :- اللہ تعالیٰ کے احکام کو سچ سمجھنے والا ہی نجات پاتا ہے اور دین کی حفاظت

کرنیوالا ہی بے دینی سے بچ سکتا ہے۔

۵۲ :- عمل کثیر چاہئے اور اہل قصیر۔

۵۳ :- رزق الہی پر راضی رہو۔

۵۴ :- اپنے دل کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی جانب لگائے رکھو۔

امام ہمام کے سنین عمر کے برابر ۵۴ اقوال لکھ کر اقتصاد کرتا ہوں۔

### نمونہ کلام شافی

ان الذی رزق الیسار ولم یصب	حمدا ولا اجرا لغير موفق
الجدید فی کل امر شاسع	والجد یفتح کل باب مغلق
واذا سمعت بان مجدود احوی	عودانا ثمر فی یدیہ فصدق
واذا سمعت بان محروماتی	ماء یشربہ فضاض فحقق
لوکان بالحویل الغنی لو جدتنی	بنجوم اقطارا السماء تعلقی
لکن من رزق الحجا حرم الغنی	ضدان مفترقان ای تفرق
ومن الدلیل علی القضاء وکونہ	بوس اللیب و طیب عیش الاحمق

خطیب نے تاریخ بغداد میں لکھا ہے کہ ابو بکر محمد بن درید صاحب المنصور نے ان کی وفات پر قصیدہ لکھا تھا۔ چند اشعار یہ ہیں :

الم تراثار ابن ادريس بعده	دلا ئلها في المشكلات نواع
معالم يفنى الدهر وهي خوالد	وتنخفض الاعلام وهي نوارع
مناهج فيها للهدى متصرف	موارد فيها للرشاد شرائع
وعول في احكامه و قضائه	على ما قضى في الوحي والحق مامع
فمن يك علم الشافعي امام	فمرتعه في ساحته العلم واسع
سلام على قبر تضمن جسمه	و جادت عليه المدجنات الهوامع
لئن فجعتنا الحادثات بشخصه	بهن لما جكن فيه نواجع
فاحكامه فينا بدور زاهر	واثاره فينا نجوم طوالع

امام شافعی شہسواری، نیزہ بازی قادر اندازی نشانہ بازی، تیر افگنی اور تیغ رانی میں ید طولی رکھتے تھے۔ حدیث صحیح کے اتنے شیدا کہ احمد بن حنبلؒ وغیرہ تلامذہ سے فرمایا کرتے کہ جب تم کو کوئی حدیث صحیح مل جایا کرے تو مجھے مطلع کر دیا کرو۔ امام شافعیؒ کی یہ دعا حلقہ ارباب دل میں بہت معتبر و مجرب ہے۔

اللهم يا لطيف اسئلك اللطف في ماجرت به المقادير

### تاریخ ولادت و وفات

از جہاں رفت و مقام پاک یافت	محمد شافعی	کوکب ایمان
۲۰۴ھ	۱۵۰ھ	





## امام احمد بن حنبل الشیبانی المروزیؒ

سلسلہ نسب :- احمد بن محمد بن حنبل نام۔ ابو عبد اللہ کنیت۔ سلسلہ نسب اس طرح پر ہے۔ ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل بن ہلال بن ادریس بن عبد اللہ بن حیان بن عبد اللہ بن انس بن عوف بن قاسط بن مازن بن شیبان بن زہل بن ثعلبہ بن عطایہ بن صععب بن علی بن بحر بن وائل بن قاسط بن بھنسب بن اقصی بن و عمی بن جدیلہ بن اسد بن ربیعہ بن نزار بن معد بن عدنان الشیبانی المروزی رحمۃ اللہ علیہ۔

یہ شکم مادر میں تھے جب ان کی والدہ مرو سے بغداد پہنچیں۔ بغداد ہی میں سماہ ربیع الاول ۱۶۴ھ کو پیدا ہوئے اور ربیع الاول ۲۴۱ھ کو جمعہ کے دن دوپہر کی وقت بغداد میں ہی انتقال فرمایا۔ ان کا شمار اصحاب اور خواص شافعیؒ میں ہوتا ہے۔ امام شافعیؒ جب بغداد سے مصر کو روانہ ہونے لگے تو فرمایا کہ بغداد میں احمد بن حنبلؒ سے بڑھ کر تقویٰ اور فقہ میں کوئی نہیں۔ علم دین کیلئے مکہ و مدینہ، شام و یمن، کوفہ و بصرہ اور جزیرہ کا سفر کیا اور علم کا ذخیرہ کامل جمع فرمایا۔ حتیٰ کہ ایک لاکھ حدیث نوک زبان تھی۔

مشہور اساتذہ :- (۱) امام سفیان بن عیینہ (۲) ابراہیم بن سعد (۳) یحییٰ القطان (۴) ہشیم (۵) وکیع (۶) ابن مہدی (۷) ابن علیہ (۸) عبد الرزاق بن ہمام۔

مشہور تلامذہ :- (۱) عبد الرزاق بن ہمام جو استاد بھی ہیں (۲) ابن مہدی یہ بھی استاد ہیں (۳) یحییٰ بن آدم (۴) ابو الولید (۵) بزید بن ہارون (۶) علی بن المدینی (۷) امام بخاری (۸) امام مسلم (۹) ابو داؤد (۱۰) امام ذہلی (۱۱) ابو زرعہ رازی (۱۲) ابو

زرعد مشقی (۱۳) ابراہیم الحرنی (۱۴) ابو بکر احمد بن معد بن ہائی الطائی (۱۵) امام بغوی (۱۶) ابن ابی الدنیا (۱۷) محمد بن اسحاق الصاعانی (۱۸) ابو حاتم الرازی (۱۹) احمد بن ابی الحواری (۲۰) موسیٰ بن ہارون (۲۱) حنبل بن اسحاق (۲۲) عثمان بن سعید الدارمی وغیرہ کہ ہر ایک ان میں امام اور اہل علم ہے۔

فضائل و مناقب :- ابراہیم الحرنی کا قول ہے کہ میں نے تین بزرگ ایسے دیکھے ہیں کہ ان کی مثل کا دیکھنا دشوار ہے۔ (۱) ابو عبید القاسم : میں سمجھتا تھا کہ وہ ذی روح پہاڑ ہیں (۲) بشر بن الحارث : میں سمجھتا تھا کہ سر سے لیکر پاؤں تک وہ عقل ہی عقل ہیں (۳) امام احمد بن حنبل : گویا اللہ تعالیٰ نے علم الاولین کو جملہ انواع کے اعتبار سے ان کے اندر جمع فرمایا ہے۔

ابو مسہر کا قول ہے مجھے معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دین الہی کو اس نوجوان مشرقی احمد بن حنبل کے سوا اور کسی شخص کی ذات میں آج جمع کر دیا ہو۔

علی بن المدینی امام احمد کا نام لیتے تو سیدی کہہ کر یاد کیا کرتے تھے۔

ہشتم بن جمیل کہتے ہیں، مجھے منظور ہے کہ میری عمر گھٹا دی جائے اور اتنی ہی احمد بن حنبل کی عمر بڑھادی جائے۔

ابو زرعد کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل کے پاس حدیث کا تحریری ذخیرہ اتنا تھا کہ بارہ شخص ان کتابوں کو اٹھا سکتے تھے اور امام صاحب کو یہ سب حفظ تھیں۔

ابو حاتم سے امام احمد بن حنبل اور علی بن المدینی کے متعلق سوال کیا گیا انہوں نے کہا کہ حفظ میں تو دونوں برابر تھے۔ مگر احمد تفقہ میں بڑھے ہوئے تھے۔

امام شافعی کا قول ہے کہ احمد بن حنبل اور سلیمان بن داؤد ہاشمی سے بڑھ کر ہم نے کوئی صاحب عقل و دانش نہیں دیکھا۔

صالح بن احمد بن حنبل کا بیان ہے کہ میرے والد فرماتے تھے کہ میں نے پانچ

حج کئے۔ ان میں سے تین پاپیادہ کئے تھے۔

میمونی کہتے ہیں کہ احمد بن حنبل جیسی اچھی نماز پڑھنے والا میں نے کوئی نہیں دیکھا۔ ابو حاتم کہتے ہیں کہ جسے امام سے محبت ہے وہ ضرور اہل السنّت والجماعت ہے۔ ابو زرعہ فرماتے ہیں کہ زہد و تقویٰ اور علم و عمل میں امام احمد بن حنبل کا کوئی مقابل نہ تھا۔ ابو داؤد سجستانی کا قول ہے کہ میں نے دو سو مشائخ حدیث کو دیکھا اور ان سے ملا مگر امام احمد بن حنبل کے مانند کسی کو نہ پایا۔

ابتلا و ثبات :- خلق قرآن کا مسئلہ انہی کے عہد میں نکلا۔ سلطنت بغداد اس مسئلہ کی ترویج و اشاعت کی حامی تھی۔ امام احمد بن حنبل نے اس کا سخت انکار کیا اور اس انکار کی وجہ سے ان کو سخت ترین مصائب برداشت کرنے پڑے۔ ان کے ہاتھوں میں ہتھ کڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں ڈالی گئیں اور اسی حالت میں دو سو میل سے زیادہ پیادہ پاسفر کرایا گیا۔ تازیانے لگائے گئے۔ ذلت و رسوائی کے سب طریقے ختم کئے گئے لیکن امام ہمام نے ایسے صبر و استقامت کے نمونے دکھائے کہ ظالم ظلم کرتے کرتے تھک گئے یہ واقعہ رمضان ۲۲۰ھ کا ہے۔ اس زمانہ میں بشر حافی بڑے زاہد و عابد تھے۔ ان سے کہا گیا کہ آپ امام احمد کی سفارش میں لب کشائی کیوں نہیں کرتے۔ انہوں نے کہا کہ میں خود کو ان مصائب کا متحمل نہیں پاسکتا، احمد کا صبر تو انبیاء کا سا ہے۔

زہد و ورع :- آپ جہاں علوم فقہ و حدیث میں مقتدا و پیشوا تھے، وہاں زہد و عبادت اور اتقا کے طریقہ اور اس کے طرز روش میں بھی آپ کو کمال حاصل تھا۔ آپ نے استغنا اور توکل میں ایسی ایسی ثابت قدمی دکھائی ہے کہ اس کی مثال بہت ہی کم ملے گی۔ محمد بن موسیٰ کہتے ہیں کہ حسن بن عبدالعزیز کو ترکہ میں ایک لاکھ دینار ملے جو مصر سے بغداد لائے گئے اور ان میں سے وہ ہزار ہزار کی تیس تھیلیاں امام احمد بن حنبل کے لئے لائے اور عرض کیا کہ حضرت یہ مجھ کو وجہ حلال سے ترکہ میں ملی ہیں آپ اپنے اہل و عیال

کے نان و نفقہ کیلئے قبول فرمائیے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھ کو ان کی ضرورت نہیں، میرا مالک مجھے رزق دے رہا ہے۔ جاؤ تم انہیں اپنے کام میں لاؤ۔ یہ زہد و تقویٰ کی وہ مثال ہے جو شائد ہی اور کہیں مل سکے۔ آپ نے ستر برس کی عمر میں کبھی کسی سے سوال نہ کیا۔ بلکہ اگر کسی نے آپ کی حالت کو دیکھ کر خود بخود کچھ پیش کیا تو اسے بھی قبول نہ فرمایا اور صبر و توکل ہی میں اپنا سارا وقت بسر کر دیا۔

تصنیفات :- سب سے زیادہ مشہور تصنیف مسند احمد ہے جو معرفت احادیث میں معیار تسلیم کی جاتی ہے۔ علاوہ ازیں کتاب الزہد، کتاب ناسخ منسوخ، منک کبیر اور منک صغیر، کتاب الاثر بہ اور تاریخ فضائل صحابہ وغیرہ کئی کتابیں ہیں جو آپ نے قلمبند فرمائیں۔ ایک ایک کتاب کئی کئی جلدوں میں ہوتی۔ چنانچہ جامع کبیر اکیلی ہی تیس بتیس جلدوں میں تھی۔

انتقال :- اللہ تعالیٰ نے ان کی وفات کو بھی کرامت عظمیٰ بنایا۔ ان کے جنازہ پر جو انوار و برکات دیکھی گئیں اسے دیکھ دیکھ کر بیس ہزار عیسائی، یہودی اور مجوسی داخل اسلام ہوئے تھے۔

ابو زرعہ سے روایت ہے کہ خلیفہ متوکل کے حکم سے اس رقبہ اراضی کی پیمائش کی گئی جس پر مجتمع ہو کر امام کی نماز جنازہ پڑھی گئی تھی اور پھر اس رقبہ سے تعداد نفوس کا اندازہ کیا گیا تو ۸ لاکھ ۶۰ ہزار کی تعداد نکلی۔ ان میں ۴۰ ہزار عورتیں تھیں۔ ابراہیم حرانی کہتے ہیں، میں نے امام احمد کی شب انتقال کو بشرحانی خواب میں دیکھے ان کی آستینوں میں کچھ بھرا ہوا تھا۔ میں نے پوچھا یہ کیا ہے۔ فرمایا کہ امام احمد کی روح پر اللہ تعالیٰ نے جوہرات نچھاور کئے تھے، یہ ان سے لوٹ کر لایا ہوں۔ ان کے فضائل کا ذکر د شوارہ ہے اور خواہ کتنی ہی تفصیل سے کام لیا جائے حقیقتہً وہ بھی مختصر ہی رہیگا۔ صاحبزادے :- آپ کے دو صاحبزادے تھے جو بڑے عالم اور کامل تھے۔ ایک کا نام

عبداللہ جن کی کنیت ابو عبدالرحمن تھی۔ دوسرے کا نام صالح تھا جن کی ولادت ۲۰۳ھ میں ہوئی۔ یہ اصفہان کے قاضی تھے اور وہیں ۲۶۶ھ میں انتقال فرمایا۔ عبداللہ جنہوں نے اپنے باپ کی کتاب مسند کو مرتب کیا اور کچھ اپنی طرف سے اضافہ بھی کیا ۷۷ برس کی عمر پر ۸ جمادی الاول ۲۹۰ھ میں انتقال فرما گئے۔

فانا لله وانا اليه راجعون۔

تاریخ ولادت و وفات احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ

امام عہد احمد بن حنبلؒ بسال فوت گفتم قلمزم دیں

۲۴۱ھ

۱۶۴ھ

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

## تبصرہ بر حالات آئمہ اربعہ رحمہم اللہ

آئمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے احوال مبارکہ جس قدر اب تک تحریر کئے جا چکے ہیں وہ امام نووی کی کتاب الاسماء اور تاریخ ابن خلکان سے ماخوذ ہیں اور انتخاب کے وقت میں نے اور بھی احتیاط سے کام لیا ہے۔ اب میں یہ چاہتا ہوں کہ حکیم الامہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کی کتاب حجتہ اللہ البالغہ سے ان آئمہ العظام کے علوم و فقہ کے متعلق بھی کچھ ایزاد کر دوں۔ حکیم الامہ کی تحقیقات عالی انشاء اللہ طالبان حقیقت کیلئے بصر افروز و بصیرت افزا ہو گئی۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ فوائد کلیہ اور اصول محکمہ کے تبیین اور علل الاحکام اور اسرار شرائع کے اظہار میں وہ امام عالی مقام ہیں کہ اگر ان کا ظہور عہد سابقین میں ہوتا تو یقیناً ان کا منصب ایک طرف غزالی و رازی سے برتر اور دوسری طرف طحطاوی و شہتمانی کے برابر سمجھا جاتا۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: امام مالک اہل مدینہ کی مرویات عن رسول اللہ ﷺ کے سب سے زیادہ معتمد اور سند کے اعتبار سے نہایت اوثق اور فتاویٰ فاروق اور اقوال عبد اللہ بن عمر و ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ اور فقہاء سبعہ کے علوم کے سب سے بڑھ کر عالم تھے۔ علم روایت و فتویٰ انہی کی امثال سے قائم ہو اور حکومت شرعیہ مالک کو حاصل ہو گئی۔ انہوں نے حدیث بیان کی، فتوے دیئے، فائدہ پہنچایا اور تمام تر مساعی کو دین الہی میں صرف کر دیا اور انہی پر نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد منطبق ہوا۔ ”یوشک ان یضرب الناس اکباد الا بل یطلبون

العلم فلا يجدون احد اعلم من عالم المدينة“ امام ابن عمینہ اور امام عبد الرزاق بن ہمام کا مختار اس حدیث کی تفسیر میں یہی ہے۔

اصحاب مالک نے ان کی روایت و مختارات کو جمع کیا، خلاصے تیار کئے اور ان کی شرح لکھیں اور اصول و دلائل پر بحثیں کیں۔ بعد ازاں یہ لوگ غری ممالک اور نواحی الارض میں پھیل گئے اور اللہ نے ان کے ذریعہ خلق کثیر کو نفع عظیم پہنچایا اس قول کی اگر حقیقت معلوم کرنا چاہو تو کتاب موطا کو غور سے دیکھو تاکہ اصلیت واضح ہو جائے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ان سب میں ابراہیم نخعی اور ان کے اقران کے مذہب پر لزوم کرنے والے تھے۔ اس مذہب سے (الا ماشاء اللہ) وہ کبھی تجاوز نہیں کرتے اور اسی مذہب پر تخریج مسائل میں عظیم الشان تھے۔ اور وجوہ تخریجات میں دقیق النظر۔ نیز فروعات پر کامل توجہ رکھنے والے تھے۔ اگر تم اس قول کی حقیقت معلوم کرنا چاہو تو امام محمد کی کتاب الآثار نیز جامع عبد الرزاق نیز تصنیف ابی ابجر بن ابی شیبہ سے ابراہیم اور ان کے اقران کے اقوال کو چھانٹ لو اور مذہب ابو حنیفہ کے ساتھ ملا کر دیکھو۔ تم پر قول بالا کی اصلیت واضح ہو جائیگی۔ تم کو معلوم ہو جائے گا کہ چند مقامات کے سوا انہوں نے کبھی بھی اس طریق سے علیحدگی نہیں کی پھر ان چند مقامات میں بھی یہ التزام موجود ہے کہ فقہائے کوفہ کے مذہب سے باہر نہیں جاتے۔ امام ابو حنیفہ کے اصحاب میں مشہور تریں قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ یہ ہارون الرشید کے عہد میں قاضی بن گئے تھے اور ان کا اس عہدہ پر مامور ہو جانا ہی اس مذہب کے ظہور نیز عراق و خراسان و ماوراء النہر میں اسی کے مطابق فیصلہ جات صادر ہو نیکا سبب بن گیا۔

لمحاظ تصنیف شاگردان امام میں محمد بن حسن کا درجہ خاص ہے۔ انہوں نے

اچھی اچھی کتابیں لکھیں اور ہمیشہ درس بھی دیا۔ انہوں نے فقہ امام ابو حنیفہؒ سے اور بعد ازاں ابو یوسفؒ سے حاصل کی تھی۔ بعد ازاں مدینہ منورہ پہنچے اور امام مالکؒ سے موطا پڑھا اور بعد ازاں خود بھی غور و فکر کیا اور اپنے مذہب کے ایک ایک مسئلہ کو مقابلہ میں جمع کیا۔ گردونوں میں مطابقت ہو گئی تب تو خیر، ورنہ یہ تلاش کرتے کہ کیا صحابہؓ و تابعینؓ میں سے کوئی بھی ان کے مذہب کے موافق ہے تو اسے لے لیتے تھے۔ لیکن اگر وہ دیکھتے تھے کہ ایک طرف تو حدیث صحیح ہے اور دوسری طرف وہ قیاس ضعیف اور تخریج لیتن ہے جس پر فقہاء کوفہ کا تو عمل ہے مگر اکثر علماء کا عمل ان کے خلاف ہے، تب وہ اپنے مذہب کو چھوڑ کر مذہب سلف کو لے لیتے تھے۔ صاحبین کا رویہ عموماً یہ رہا ہے کہ وہ بھی ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرح ابراہیمؒ اور ان کے اقران کے مذہب پر رہا کرتے ہیں اور اپنے استاد کے خلاف یا تو اس جگہ کرتے ہیں جہاں استاد نے مذہب ابراہیمؒ سے کوئی مسئلہ تخریجاً نکالا ہو اور ان کو اس تخریج سے اتفاق نہ ہو۔ یا اس جگہ خلاف کرتے ہیں جہاں مسئلہ میں ابراہیمؒ اور ان کے اقران کے اقوال متعدد ہوں اور صاحبین ایک قول کو دوسرے قول سے زیادہ ترجیح دیتے ہوں۔

امام محمد رحمۃ اللہ نے اپنی تصنیفات میں اقوال ابراہیمؒ و ابو حنیفہؒ اور ابو یوسفؒ کو جمع کر دیا اور اس سے لوگوں کو بہت نفع پہنچا۔ ان کی تصانیف پر اصحاب ابو حنیفہؒ نے توجہ کی اور تخلیص و تقریب اور شرح و تخریج اور تاسیس و استدلال سے کام لیا۔ پھر خراسان اور ماوراء النہر کی طرف پھیل گئے اور اس کا نام مذہب ابو حنیفہؒ رکھا گیا۔

امام شافعیؒ اس وقت اٹھے جب مالکیہ و حنفیہ کا ظہور اور اصول و فروع کی ترتیب ہو رہی تھی۔ انہوں نے ان لوگوں کے کام میں نظر ڈالی اور پھر ان کی راہ پر چلنے سے اپنی باگ روک لی۔ اس کا ذکر انہوں نے کتاب الام کے آغاز میں کیا ہے۔

ازاں جملہ انہوں نے دیکھا کہ ہر مذہب والے مرسل و منقطع پر بھی عمل



کرتے ہیں اور ایسا کرنے سے بہت سے نقائص پائے جاتے ہیں۔ مثلاً جب کسی حدیث کے جملہ طرق کو جمع کر لیا جائے تو پتہ لگ جاتا ہے کہ بعض مرسل روایات وہ ہیں جو بالکل بے اصل ہیں اور بعض مرسل ایسی ہیں جو مسند کے خلاف ہیں۔ لہذا امام شافعیؒ نے تجویز کیا کہ مرسل پر عمل اس وقت کیا جائیگا جب اس میں چند شروط پائے جاتے ہوں۔ ان شروط کا ذکر انہوں نے اپنی کتاب میں کر دیا ہے۔

ازاں جملہ کہ مختلفات کو جمع کرنے کے قواعد بھی دو مذاہب والوں کے پاس موجود نہیں۔ لہذا مجتہدات میں خلل کثیر واقع ہوتا ہے۔ اس کے اصول بھی امام شافعیؒ نے بنائے۔ اصول فقہ کے متعلق یہ اولین تدوین تھی اس کی مثال مندرجہ ذیل حکایت سے واضح ہوگی کہ امام شافعیؒ امام محمد بن حسنؒ کی ملاقات کو گئے۔ وہ اس وقت کہہ رہے تھے کہ اہل مدینہ ایک گواہ اور مدعی کے حلف پر فیصلہ کر دیتے ہیں اور ایسا کرنا قرآن سے آگے بڑھ جانا ہے؟ امام شافعیؒ نے پوچھا، تو یہ آپ کو ثابت ہو چکا ہے کہ خبر واحد کے ساتھ زیادۃ علیٰ قرآن جائز نہیں۔

امام محمدؒ: ہاں یہی بات ہے۔

امام شافعیؒ:۔ تب آپ نے لا وصیۃ لوارث والی حدیث پر کیوں عمل کیا۔ قرآن میں تو ہے کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیرا ۵  
الموصیۃ للوالدین والاقربین آیا ہے۔ اس کے بعد امام شافعیؒ نے اور بھی چند مسائل کا ذکر کیا حتیٰ کہ امام محمد کو چپ کرنا پڑا۔

ازاں جملہ بعض صحیح حدیثیں فتویٰ دینے والے تابعین تک نہ پہنچیں۔ تب

انہوں نے اپنی اپنی رائے کے موافق اجتہاد کیا یا عموماً کا اتباع کیا۔ یا کسی صحابی کا اقتدا

۱۔ وارث کیلئے وصیت جائز نہیں

۲۔ ہر مرنے والے پر لازم ہے کہ وہ اپنے والدین و اقربین کیلئے وصیت کر دے جبکہ وہ اپنے پیچھے مال چھوڑ رہا ہو۔

کیا اور فتویٰ دیدیا مگر بعد ازاں طبقہ ثالثہ (تابع تابعین) کو وہ روایت تو ملی مگر انہوں نے اس لئے اس پر عمل نہ کیا کہ ان کے شہر کا عمل اور طریق اس سے مخالف تھا۔ انہوں نے اسی امر کو حدیث بالا کیلئے علت قادحہ سمجھا۔

یا کوئی ایسی حدیث بھی ہوئی جو تابع تابعین کو تو نہیں ملی تھی مگر اس وقت ملی جب کہ اہل حدیث نے حدیث کے جملہ طرق پر گہری نگاہ ڈالی اور تلاش حدیث کیلئے زمین کے گوشہ گوشہ میں پہنچے اور ہر ایک عالم سے استفادہ کیا۔ تب صحابی کی بیان کردہ ایسی حدیث مل گئی جسے صحابی سے ایک یا دو اشخاص ہی نے روایت کیا ہے اور علی ہذا ان سے بھی ایک یا دو ہی نے روایت کیا ہے لہذا اہل فقہ سے وہ حدیث مخفی رہی اور ان حفاظ حدیث کو مل گئی جو جملہ طرق حدیث کے جامع تھے۔ غور کرنے سے ایسی حدیثیں مل جاتی ہیں جن کے راوی سب اہل بصرہ ہیں۔ دیگر مقامات کے لوگوں کو ان کا علم نہیں۔ ان جملہ حالات پر غور کرتے ہوئے امام شافعیؒ نے اول تو یہ بات بتلائی کہ علماء صحابہؓ و تابعینؒ کی روش ہمیشہ یہ رہی ہے کہ وہ مسئلہ کے متعلق حدیث کی تلاش کرتے تھے اور جب حدیث نہ ملتی تب استدلال وغیرہ سے کام لیا کرتے تھے اور بعد ازاں جب کبھی حدیث مل جاتی تب اپنے اجتہاد کو چھوڑ کر حدیث کی جانب رجوع کر لیتے تھے اور جب ان بزرگوں کی یہ روش اور طریقہ ثابت شدہ ہے تب ان کا کسی حدیث سے تمسک نہ کرنا خود اس حدیث کیلئے علت قادحہ نہیں قرار دیا جاسکتا۔ مثال کے طور پر حدیث قلتین پر نگاہ کرو کہ یہ حدیث صحیح ہے اور طرق کثیرہ کے ساتھ مروی ہے۔ اس کا ایک سلسلہ تو ابوالولید بن کثیر عن محمد بن جعفر بن الزبیر عن عبداللہ والا ہے۔ دوسرا محمد بن عباد بن جعفر عن عبید اللہ بن عبداللہ والا۔ اور پھر یہ دونوں ابن عمر رضی اللہ عنہ تک پہنچ جاتے ہیں۔ یہ ہر دو بزرگوار ہر چند کہ ثقہ ہیں لیکن صاحبان فتویٰ میں سے نہیں جن کے پاس لوگوں کی آمد و رفت بخترت ہو۔ لہذا یہ حدیث سعید بن مسیب کے عہد میں اور

زہری کے زمانہ میں ظاہر نہ ہوئی اور مالکیہ و حنفیہ نے اس پر عمل نہ کیا مگر امام شافعیؒ نے اس پر عمل کیا۔

حدیث خیار مجلس کی حالت بھی یہی ہے۔ یہ صحیح حدیث ہے اور بطریق کثیرہ مروی ہوئی ہے اور صحابی میں سے ابن عمرؓ و انی ہریرہؓ نے اس پر عمل بھی کیا ہے۔ مگر فقہائے سبعہ اور ان کے معاصرین کو یہ حدیث نہ ملی اور مالکؒ و ابو حنیفہؒ نے اسی امر کو حدیث کے لئے علت قادحہ سمجھا مگر امام شافعیؒ نے اس پر عمل فرمایا۔ دوم امام شافعیؒ کے عہد میں اقوال صحابہ کو جمع کیا گیا تو وہ بہت مل گئے۔ ان میں باہمی اختلاف بھی تھا اور ان میں سے کچھ اقوال ایسے بھی تھے جو حدیث صحیح کے مخالف تھے اس لئے کہ ان کو حدیث صحیح نہیں ملی تھی تب امام شافعیؒ نے اس بنیاد پر کہ ان بزرگوں کا اصول بھی رجوع الی الحدیث رہا ہے۔ حدیث پر عمل شروع کر دیا اور ان اقوال کو چھوڑا اور صاف طور پر کہہ دیا کہ وہ بھی انسان تھے اور ہم بھی انسان ہیں۔

ازاں جملہ امام شافعیؒ نے بعض فقہاء کو دیکھا کہ وہ رائے اور قیاس کے درمیان کچھ تفاوت نہیں کرتے۔ ہاں رائے تو وہ ہے جسے شرع میں کوئی دخل نہیں اور قیاس وہ ہے جسے ثابت رکھا گیا ہے۔ رائے سے میری مراد یہ ہے کہ کسی حکم شرعی کی علت کسی خیالی حرج یا مصلحت کو قرار دیا جائے اور قیاس وہ ہے کہ کسی حکم سے علت کی تخریج کی جائے اور حکم کا مدار علیہ اسی کو ٹھہرایا جائے۔ امام شافعیؒ نے ایسی ہی باتوں کا پورا پورا ابطال کیا۔ ابن الحاجب نے ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جو شخص اپنی پسندیدگی کو شامل کرتا ہے وہ شارع بننا چاہتا ہے۔ مثلاً یتیم کا رشد کو پہنچ جانا ایک امر مخفی ہے اور فقہاء نے مظنہ رشد ۲۵ سال کی عمر کو قرار دیا ہے اور اس عمر کے بعد اس کے مال کو اسے سپرد کر دینا بہتر سمجھا ہے۔ یہی پسندیدگی ہے مگر قیاس یہ ہے کہ مال کی سپردگی اس مظنہ پر نہ کی جائے۔

الغرض امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے جب متقدمین کی ایسی ایسی باتوں کو دیکھا تب انہوں نے فقہ کی بنیاد از سر نو رکھی۔ اصول کی بنیادیں مضبوط کیں اور فروع کی شاخیں نکالیں۔ کتابیں تصنیف کیں اور اپنی مساعی کا فائدہ پہنچایا۔ فقہاء نے اس پر اجتماع کر لیا اور اختصار و شرح یا استدلال و تخریج کی شکلوں میں اس کا پورا اہتمام کیا۔ پھر مختلف شہروں میں لیکر پھیل گئے اور اسی کا نام مذہب شافعی ہوا۔



## حضرت سعید بن جبیرؓ

اعلام تابعین میں سے تھے۔ رنگ کے سانولے تھے۔ علم عبد اللہ بن عباسؓ اور ابن عمرؓ سے پڑھا تھا۔ ایک دفعہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حدیث بیان کرو۔ عرض کی آپ کی موجودگی میں؟ فرمایا، کیا ڈر ہے۔ میری موجودگی میں اگر ٹھیک بیان کر یگا تو بہتر، ورنہ میں غلطی کو درست کر دوں گا۔ انہوں نے قراءت بھی حضرت ابن عباسؓ ہی سے سیکھی تھی اور تفسیر بھی ان سے ہی سنی تھی روایت بھی زیادہ تر انہیں سے کرتے ہیں۔ قراءت کی روایت ان سے منہال بن عمر اور ابو عمر بن علاء کرتے ہیں۔

وفار بن رباس کہتے ہیں، سعید نے رمضان میں مجھ سے کہا کہ تو میرا قرآن سن۔ پھر وہاں سے قرآن مجید ختم کر کے ہی اٹھے۔ سعید کا قول ہے کہ میں نے حرم کے اندر ایک رکعت میں پورا قرآن پڑھا ہے اسمعیل بن عبد الملک کہتے ہیں کہ سعید بن جبیرؓ ہمارے امام تھے۔ ایک رات تو قراءت ابن مسعودؓ پڑھتے اور ایک رات قراءت زید بن ثابت۔ ایک رات کسی صحابی کی قراءت پر اور ایک رات کسی صحابی کی قراءت پر۔ ہمیشہ ایسا ہی کرتے۔

ایک دفعہ ایک شخص نے ان سے کہا کہ میرے لئے قرآن مجید کی تفسیر لکھ دیجئے۔ کہا کہ اگر میرے بدن کی ایک شق ماری جائے تو وہ مجھے گوارا ہے بجائے اس کے کہ تفسیر لکھوں۔

حذیف کا قول ہے کہ تابعین میں سے مسائل طلاق تو سعید بن مسیبؓ خوب جانتے تھے اور حج کو عطاء اور حرام کو طاوسؓ اور تفسیر کو مجاہدؓ اور ان سب میں سے جامع

ترابن جبیرؓ تھے۔ محمد بن حبیب کہتے ہیں کہ ابن جبیر اصہبان میں آئے۔ لوگ حدیث پوچھتے تھے مگر یہ کچھ نہ سناتے تھے۔ پھر کوفہ میں آئے اور یہاں کوفہ میں حدیث بیان کی۔ لوگوں نے پوچھا کہ اصہبان میں حدیث نہ سنانے کی کیا وجہ تھی۔ فرمایا، جو ہر شناس کے سامنے ہی جو ہر دکھلانا چاہئے۔

کہتے ہیں کہ جب عبدالرحمن بن محمد نے عبدالملک بن مروان پر خروج کیا تو ابن جبیرؓ اسکے ساتھیوں میں تھے۔ جب عبدالرحمن قتل ہو گیا تو یہ بھاگ کر مکہ میں آ گئے۔ یہاں خالد بن عبداللہ القسری والی مکہ تھا۔ اس نے ان کو گرفتار کر کے حجاج کے پاس بھیج دیا۔ حجاج نے کہا، تیرا کیا نام ہے۔ کہا سعید بن جبیر۔ کہا، نہیں شقی بن کسیر۔ فرمایا، میری ماں میرے نام کو تیری نسبت بہتر جانتی تھی (مطلب یہ کہ ماں نے سعید ہی نام رکھا ہے) حجاج بولا۔ تیری ماں اور تو دونوں شقی ہو۔ فرمایا، غیب کی عالم اور ہی ذات ہے۔ تو نہیں۔

حجاج :- دیکھ دنیا سے نکال کر میں تجھے اب بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈالتا ہوں۔

سعید :- اگر میں یقیناً سمجھ لوں کہ تجھے اتنی قدرت ہے تو میں تجھے اپنا معبود ہی بنا لوں۔

حجاج :- تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں کیا کہتا ہے۔

سعید :- آپ نبی الرحمتہ اور امام الہدیٰ ہیں۔

حجاج :- تو علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے بارے میں کیا کہتا ہے۔ وہ بہشت میں ہے یا دوزخ میں۔

سعید :- مجھے بہشت یا دوزخ میں جانے کا اتفاق نہیں ہوا کہ وہاں والوں کو پہچان لیتا۔

حجاج :- تو خلفاء کے بارے میں کیا کہتا ہے۔

ابن جبیر :- میں ان کا وکیل نہیں ہوں۔

حجاج :- تجھے خلفاء میں سے کون زیادہ پسند ہے۔

ابن جبیر :- جو مالک کی رضا کا زیادہ خواستگار تھا۔

حجاج :- ایسا کون تھا؟

سعید :- یہ تو وہ بتا سکتا ہے جس کو ان کے باطن و ظاہر کا علم ہو۔

حجاج :- تو میری تصدیق کو پسند کرتا ہے۔

سعید :- اگر میں پسند کرتا تو تجھے نہ جھٹلاتا۔

حجاج :- کمبخت! تو ہنستا کیوں نہیں؟

سعید :- جو مٹی سے بنا ہے وہ کیونکر ہنس سکتا ہے کیونکہ مٹی کو آگ نے کھا لینا ہے۔

پھر حجاج نے حکم دیا کہ یا قوت و زبر جد اور موتی اس کے سامنے لا کر رکھیں۔ فرمایا اگر ان کو اس لئے جمع کیا ہے کہ عذاب قیامت سے نجات دلائیں تب تو خوب ہے ورنہ یاد رکھ کہ قیامت کے دن ایک ہی چیخ ہوگی کہ دودھ پلانے والیاں اپنے شیر دادہ بچوں کو بھول جائیں گی اور دنیا میں کسی چیز کے جمع کرنے میں بھی خیر نہیں بجز اس کے جو طیب و پاکیزہ ہو (یعنی عمل)۔ پھر حجاج نے بنسری اور ستار بجانے کا حکم دیا۔ ابن جبیر ان کی آواز سن کر رونے لگے۔

حجاج :- روتا کیوں ہے یہ تو فرحت کا سامان ہے۔

سعید :- نہیں اندوہ کا ذریعہ ہے۔ بنسری کی آواز سن کر مجھے نفخ صور یاد آ گیا اور ستار وہ

ہے جس کی لکڑی غیر حق میں صرف ہوئی ہے۔ رہی اس کی تاریں وہ

قیامت کو تیرے ساتھ ہوں گی۔

حجاج :- سعید! تجھے ہلاکت نصیب ہو۔

سعید :- جو دوزخ سے بچ گیا اس کو ہلاکت نہ آئیگی۔

حجاج :- اچھا تو پسند کر لے کہ تجھے کس طریق سے قتل کروں۔

سعید :- بخدا! جس طریق سے تو مجھے قتل کریگا اس طرح پر آخرت میں خدا تجھ کو قتل کریگا۔

حجاج :- کیا تو چاہتا ہے کہ تجھے معاف کر دیا جائے۔

سعید :- اگر عفو ہے تو اللہ کی طرف سے ہے مگر تیرے لئے برات و عذر کچھ باقی نہیں۔

حجاج بولا :- لیجاؤ! قتل کر ڈالو۔ جب یہ سامنے سے باہر نکلے تو ہنس پڑے۔ لوگوں نے

حجاج کو اطلاع دی۔ کہا، پھر لوٹا کر لاؤ۔ پوچھا ہنسا کیوں؟

سعید :- میں نے تعجب کیا کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کیسا دلیر ہے اور تعجب کیا کہ اللہ

تعالیٰ تیرے حق میں کیسا حلیم ہے۔ کہا، اچھا چمڑے پر ڈال کر قتل کر دو۔

سعید نے قبلہ رخ ہو کر کہا، انی و جہت و جہی للذی فطر

السموت و الارض حنیفا و ما انا من المشرکین۔

حجاج :- اس کا رخ قبلہ کی طرف سے پھر دو۔

سعید :- فاینما تو لو فثم وجه اللہ۔

حجاج :- اچھا اس کی پیشانی زمین پر رکھ دو۔

سعید :- منها خلقنا کم و فیہا نعید کم و منها نخر حکم

(الی الآیۃ)

حجاج نے کہا اچھا اسے ذبح کر دو۔ یعنی حلق کی طرف سے چھری پھیر دو۔

فرمایا میں تجھے اشہدان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ و اشہد ان

محمد ا عبده و رسوله کا گواہ بناتا ہوں۔ اس شہادت کو اپنے پاس رکھنا۔ قیامت

کو ادا کرنی ہوگی۔ اس کے بعد انہوں نے دعا کی کہ خداوند امیرے بعد تو حجاج کو یہ تسلط

نہ دیجو کہ کسی کو قتل کر سکے۔



یہ ہماہ شعبان ۹۵ھ کو ۹۴ برس کی عمر میں شہید کئے گئے اور حجاج ہماہ رمضان اسی سال مر گیا اور ان کے بعد کسی کو قتل نہ کر سکا۔ امام احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ جب حجاج نے ابن جبیر کو قتل کیا ہے اس وقت روئے زمین پر کوئی ایسا نہ تھا جو ان کے علم کا محتاج نہ تھا۔ جب حسن بصری نے سنا کہ حجاج نے سعید بن جبیر کو قتل کر دیا ہے تو دعا کی کہ بارالہا اس فاسق ثقیف کو سنبھال۔ پھر کہا بخدا! اگر مشرق و مغرب کے کل باشندے بھی ابن جبیر کے قتل میں شریک ہوتے تو اللہ تعالیٰ سب کو ہی دوزخ میں گراتا۔

کہتے ہیں کہ ابن جبیر کے جسم سے مرنے کے بعد خون بہت نکلا۔ حجاج نے اطباء کو بلا کر اس کی وجہ پوچھی۔ انہوں نے کہا کہ اوروں کی روح تو قتل کا نام سن کر ہی خشک ہو جاتی تھی لیکن ابن جبیر پر اس کا کچھ اثر نہ تھا۔ اس لئے خون پورا نکلا جتنا نکلنا چاہیے۔ کہتے ہیں کہ ان کے قتل کے بعد ہی حجاج بیمار ہو گیا۔ بیماری میں غش آتا جب افاقہ ہوتا تو پکارتا کہ ابن جبیر میرا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ جب آنکھ لگتی ہے تب ہی آمو جود ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ اے دشمن خدا تو نے کس جرم میں مجھے قتل کیا؟ یہ دیکھتے ہی حجاج ڈر کر چیخ اٹھتا۔

کہتے ہیں کہ حجاج کو اس کی وفات کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا۔ پوچھا کیا حال ہوا۔ کہا جتنے لوگ میں نے قتل کئے تھے سب کے عوض میں ایک ایک دفعہ مجھے قتل کیا گیا۔ مگر ابن جبیر کے عوض میں میں ستر دفعہ قتل کیا گیا ہوں۔



## حضرت امام موسیٰ کاظمؑ

خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ امام موسیٰ عبد صالح کہہ کر پکارے جاتے تھے۔ ایک دفعہ وہ مسجد میں داخل ہوئے اور اول سجدہ میں جا کر عظم الذنب عندی فلیحسن العفو من عندک یا اهل التقوی و یا اهل المغفرة بار بار اسی کو کہتے تھے حتیٰ کہ صبح ہو گئی۔ سخی و جواد بہت ہی تھے۔ جب سن لیتے کہ فلاں شخص تنگ دست ہے تو ایک تھیلی اس کے پاس بھج دیتے۔ عموماً یہ عادت تھی کہ دو سو، تین سو، چار سو اشرفیوں کی تھیلیاں بنا لیتے اور مدینہ منورہ کے غرباء کو تھیلیاں ہی تقسیم فرمایا کرتے۔ مدینہ منورہ میں قیام تھا، مہدی خلیفہ بغداد نے بلا کر جس میں بھج دیا۔ ایک رات کو امیر المومنین علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا۔ مہدی کو فرما رہے ہیں فہل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض و تقطعوا ارحا مکم (ترجمہ) کیا تم اگر والی بن جاؤ تو قریب ہو اس امر کے کہ زمین میں فساد کرنے لگو اور رشتوں کو قطع کر دو۔

ربیع (وزیر مہدی) کہتا ہے کہ رات کو ہی میرے پاس آدمی پہنچا کہ خلیفہ بلا تے ہیں۔ میں ڈر گیا۔ وہاں پہنچا تو دیکھا مہدی یہی آیت پڑھ رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر کہا کہ موسیٰ بن جعفرؑ (رضی اللہ عنہ) کو بلاؤ۔ میں ان کو مجلس میں لے آیا۔ مہدی نے معانقہ کیا اور ان کو اپنے برابر بٹھلایا اور بیان کیا کہ میں نے امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کو خواب میں دیکھا ہے۔ کیا آپ مجھ کو اطمینان دلا سکتے ہیں کہ آپ یا آپ کی کوئی اولاد مجھ پر

خروج نہ کرے گی۔ فرمایا، بخدا میں نے پہلے کبھی اس کا ارادہ نہیں کیا اور نہ میری یہ شان کہ میں خروج کروں۔ کہا آپ سچ فرماتے ہیں۔ پھر وزیر سے کہا کہ ۳ ہزار اشرفی آپ کو دو اور مدینہ میں جہاں آپ کے اہل و عیال ہیں بھیج دو۔

ربیع کہتا ہے کہ میں نے صبح کو ان کے سفر کی تیاری کرنی چاہی معلوم ہوا وہ روانہ ہو چکے تھے۔ مدینہ منورہ میں ہارون رشید کے زمانہ تک بامن و امان رہے۔ جب ہارون رشید ۹۷ھ میں عمرہ رمضان کر کے واپس بغداد کو آنے لگا تو آپ کو ساتھ لے آیا۔ یہاں آکر جس میں بھیج دیا اور وہیں آپ نے انتقال فرمایا۔ خطیب کا بیان ہے کہ ہارون رشید حج کے بعد روضہ نبوی کی زیارت کو گیا۔ روضہ مبارک پر اعیان قریش و سرداران قبیلہ اور حضرت موسیٰ کاظمؑ بیٹھے ہوئے تھے۔ ہارون رشید نے حاضرین پر اپنا فخر جتلانے کے لئے کہا، السلام علیک یا رسول اللہ یا ابن عم اے رسول خدا! اے چچا کے بیٹے! آپ پر سلام ہو۔ حضرت موسیٰ کاظمؑ بولے السلام علیک! یا ابا۔ با واجان! آپ پر سلام ہو۔ ہارون رشید کے چہرہ کارنگ اڑ گیا اور کہا بیشک! یہ فخر پورا پورا ہے۔

مسعودی مروج الذهب میں لکھتا ہے کہ عبداللہ خزاعی ہارون رشید کا کو تو ال تھا۔ اس کا بیان ہے کہ ہارون رشید کا آدمی رات کو ایسے وقت میرے پاس آیا کہ کبھی نہ آیا تھا۔ مجھے کپڑے پہننے تک کی مہلت نہ دی اور ساتھ ہی لے لیا۔ مجھے نہایت خوف پیدا ہوا۔ جب محل کے قریب پہنچا تو ایک خادم نے دوڑ کر میرے آنے کی اطلاع کی۔ جب اجازت ہو گئی تو میں اندر گیا۔ میں نے دیکھا کہ ہارون بیٹھا ہوا ہے۔ میں نے سلام کیا۔ ایک گھڑی تک کچھ جواب نہ دیا۔ تب تو میرے ہوش جاتے رہے اور بہت گھبراہٹ پیدا ہوئی۔ کچھ عرصہ بعد خلیفہ بولا، عبداللہ! تو جانتا ہے کہ میں نے تجھے کیوں طلب کیا ہے۔ میں نے عرض کی، نہیں یا امیر المؤمنین۔ کہا میں نے ایک حبشی کو خواب میں

دیکھا جس کے ہاتھ میں برہنہ تلوار ہے وہ کہہ رہا ہے یا تو اسی وقت موسیٰ کاظمؑ کو چھوڑ دے ورنہ تجھے ابھی اس تلوار کے ساتھ قتل کرتا ہوں۔ بس تو جا اور موسیٰ کو چھوڑ دے۔ میں نے کہا، کیا آپ یہ حکم دیتے ہیں کہ موسیٰ کو چھوڑ دوں۔ کہا ہاں۔ میں نے تین دفعہ اس طرح کہلا لیا۔ تیسری دفعہ ہارون رشید نے کہا۔ ہاں! اس وقت جا کر چھوڑ دے اور ۳۰ ہزار درہم بھی ان کو دیدے اور میری طرف سے یہ بھی کہہ دے کہ اگر آپ یہاں ٹھہرنا پسند کریں تو یہاں ٹھہریں آپ کے جملہ مصارف اور ضروریات کا میں ذمہ دار ہوں گا۔ اور اگر آپ مدینہ جانا چاہیں تو وہاں تشریف لے جاویں۔

عبداللہ کو تو ال کہتا ہے کہ جب میں مجلس میں پہنچا تو امام موسیٰ مجھے دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔ شاید انہوں نے سمجھا کہ میں ان کی نسبت کوئی مکرتوہ حکم لے کر گیا ہوں۔ میں نے عرض کی کہ آپ خوف نہ کریں، میں آپ کو چھوڑنے کیلئے آیا ہوں۔ پھر میں نے عرض کی کہ آپ کے معاملہ میں میں نہایت حیران ہوں۔ فرمایا میں یہاں سویا پڑا تھا کہ رسول خدا ﷺ تشریف لائے۔ فرمایا موسیٰ تو مظلوم ہو کر زنداں میں پڑا ہے تو یہ کلمات پڑھ! پھر اسی رات یہاں سے رہائی پائے گا۔ کو تو ال نے عرض کی میرے پدر و مادر آپ پر قربان ہوں، وہ کلمات تو بتلاء دیجئے۔

فرمایا:۔ یاسامع کل صوت و یاسایق الفوت و یا کاسی العظام  
لحمًا و منشزها بعد الموت اسئالک باسمائک الحسنی و  
باسمک الاعظم الاکبر المخزون المکنون الذی لم یطلع علیہ  
احد من المخلوقین یا حلیمًا ذا اناہ لایقوی علی ایاتہ یا  
ذالمعروف الذی لاینقطع ابدًا و لایحصی عددًا فرج عنی۔ میں  
نے یہی پڑھا اور اس کا نتیجہ یہ ہے جو تو نے دیکھا۔

آپ کی ولادت مدینہ میں یوم سہ شنبہ قبل طلوع ۱۲۹ھ (یا بقول خطیب

۱۲۸ھ) کو ہوئی اور انتقال بغداد میں ۲۵ رجب ۱۸۳ھ کو ہوا۔ بعض کا بیان ہے کہ آنجناب کو زہر دیا گیا۔ آپ کی کنیت ابو الحسن اور لقب کاظم ہے اور آئمہ اثنائے عشرہ میں آپ ساتویں امام ہیں۔

تاریخ ولادت و وفات امام موسیٰ کاظمؑ

جلال دیں بود موسیٰ کاظم نسیم پاک باشد سال رحلت  
 ۱۲۸ھ ۱۸۳ھ



## یعقوب ابن داؤد سلمی

یعقوب کا باپ نصر بن سيار کا (جو بنی امیہ کی طرف سے عامل خراسان تھا) دبیر تھا اور خود یعقوب امام حسن مجتبیٰ کے پڑپوتے ابراہیم بن عبداللہ کا کاتب تھا۔ اہل ادب و فضل میں ممتاز اور صنف علم کی مہارت سے بہرہ ور تھا۔ گداگروں میں اس کی سخاوت اور بہم نشینوں میں اس کی فضیلت مسلمہ تھی۔

جب سید ابراہیم بن عبداللہ کو خلیفہ منصور کیساتھ نبرد آزمانی میں شکست ملی اور وہ ۳۴ھ میں گرفتار ہو گئے تو یعقوب بھی پکڑا گیا۔ جب تک منصور بند حیات سے آزاد نہ ہوا، یہ بندہ زندان میں رہا ہے۔ منصور کے بعد مہدی خلیفہ ہوا۔ اس نے یعقوب کو نہ صرف قید سے ہی رہائی دی بلکہ مصاحبین میں شامل کر لیا۔ روز بروز تقرب بڑھتا گیا۔ حتیٰ کہ معتمد علیہ بن گیا۔ ستارہ اقبال اوج پر تھا خلیفہ نے ایک فرمان جاری کیا کہ یعقوب بن داؤد ہمارا دینی بھائی ہے۔ مسلم بن عمر المعروف خاستر نے اسی مضمون کا قطعہ لکھا۔

قل للامام الذی جاعت خلافتہ تھدی الیہ بحق غیر مردود

نعم القرین علی النقی اعنت بہ اخوک فی للہ یعقوب ابن داؤد

ترجمہ: اس امام کی خدمت میں جسے خلافت بوجہ اس کے نہ زائل ہو نیوالے استحقاق کے حاصل ہوئی ہے یہ عرض کرو کہ آپ کا دینی بھائی یعقوب بن داؤد جسے معاون بنایا گیا ہے۔ وہ عمدہ جلیس و متقی ہم نشین ہے۔

اس فرمان کے بعد ۱۱۱ھ میں ایک اور فرمان جاری ہوا کہ اضلاع میں جہاں خلیفہ کے عامل ہیں وہاں یعقوب کی طرف سے بھی ایک ایک امین مقرر کیا جائے۔ اس وقت یہ حال تھا کہ کوئی سرکاری یا غیر سرکاری کاغذ ایسا نہ ہوتا تھا کہ خلیفہ کے حضور میں پیش ہوتا ہو اور اس کی نقل اس دن کی ڈاک میں یعقوب کے پاس نہ آجاتی ہو۔ ابھی تک خلیفہ کا وزیر ابو عبد اللہ معاویہؓ تھا۔ ربیع بن یونس مصاحب خاص کی اس سے چلی ہوئی تھی۔ وہ ہمیشہ وزیر کی برائیاں کرتا اور خلیفہ سے عرض کیا کرتا تھا کہ جب یعقوب جیسا معتمد فاضل دربار میں موجود ہے تو ابو عبد اللہ کو وزیر اعظم بنائے رکھنے سے کیا مقصود ہے۔ روز روز کا کہنا سننا اثر کر گیا اور خلیفہ نے ابو عبد اللہ کو دارالانشاء سے بدل کر یعقوب کو خلعت دزارت پہنا دیا۔ خلیفہ منصور نے اپنی وفات کے بعد خزانہ میں ۹ کروڑ ساٹھ لاکھ درم چھوڑے تھے۔ جب تک ابو عبد اللہ وزیر رہا نوجوان مہدی کو فضول خرچیوں سے روکتا رہا لیکن یعقوب نے وزیر ہوتے ہی خلیفہ کو رنگ افیون میں ڈال دیا اور بھر پور خزانہ ناعاقبت اندیشوں کے ہاتھ سپرد کر دیا۔ مہدی رات دن لذات شرب و سماع میں مستغرق رہتا تھا اور سلطنت کے سیاہ و سفید کا مالک یعقوب ہی تھا۔

اس زمانہ کے شاعر محض بھانڈو نہ ہوتے تھے اور شعر کی بنیاد صرف تیج در تیج نازک خیالی پر ہی بلند نہ کی جاتی تھی۔ بلکہ شاعر ملک کی زبان سمجھا جاتا اور اس کا فرض ہوتا تھا کہ واقعات ملکی کو فصاحت و بلاغت کا لباس پہنا کر دربار میں سنائے۔ تاریخ گواہ ہے کہ بیسیوں شاعروں نے اپنی جان سے تو ہاتھ اٹھالیا لیکن اس فرض کی ادائیگی سے ضرور سبکدوشی حاصل کی۔ چنانچہ بشار بن برد نے یہ قطعہ لکھا جو یعقوب کے بجد اختیارات اور اس کے باپ کے وقت سے بنی امیہ کے ساتھ اس کے میل ملاپ اور خلیفہ کی سیہ مستی و بے حد غفلت کو بخوبی ظاہر کرتا ہے۔

بنی امیة هبوا المال نو مکموا ان الخلیفة یعقوب بن داؤد

ضاعت خلافتکم یا قوم فالتمسوا خلیفة الله بین الزرق و العود

خلیفہ کے بے حد اسراف سے خزانہ بھی خالی ہو گیا۔ ابو حارثہ ہندی خزانچی تھا۔ اس نے ایک روز آکر مہدی کے سامنے کنجیاں پھینک دیں۔ کہا حضور جب خزانہ ہی نہ رہا تو کیا ضرور ہے کہ کنجیوں کا بوجھ بھی اٹھائے پھروں۔ اب خلیفہ کی آنکھیں کھلیں اور نشہ غفلت سے بیدار ہوا۔ بولا ابو حارثہ! تم کنجیاں رہنے دو۔ خزانہ بہت آئیگا۔

اس واقعہ سے خلیفہ کے دل میں یعقوب کے حسن انتظام پر شک ہونے لگا۔ یعقوب کا بنجم سعادت نصف دائرہ صعود کو طے کر چکا تھا۔ اب اس کی رفتار نصف دائرہ ہبوط کی جانب شروع ہوئی اور ایسے واقعات ظہور میں آنے لگے کہ خلیفہ کے دل میں یعقوب کی محبت و اخوت جو کچھ تھی ان کی جگہ نفرت و عداوت جڑ پکڑنے لگی۔

۱۔ خلیفہ ایک سفر میں تھا میل کے ایک پتھر پر ایک شعر لکھا ہوا نظر پڑا۔ پڑھا گیا تو یہ تھا۔

لله درك یا مہدی من رجل لولا اتخاذك یعقوب بن داؤد

مطلب یہ کہ مہدی سب طرح سے تعریف کا مستحق ہے۔ نقص صرف اس قدر ہے کہ یعقوب کو اتنا بڑھا رکھا ہے۔ خلیفہ نے کہا، اس کے نیچے لکھ دو ”تیری اور تیرے باپ کی ایسی کی تیسی“۔ جب اس سفر سے واپس ہوا تو پھر اسی پتھر کے پاس آکر مہدی ٹھہر گیا اور دیر تک کچھ غور کرتا رہا۔ رمز شناس تاڑ گئے کہ شعر کا زہر اثر کر گیا۔

۲۔ پرانے اہلکار جن کو یعقوب کا بے حد اقتدار خار گذر تا تھا۔ موقع پا کر کہنے سننے لگے کہ حضور یعقوب تو سید ابراہیم کا معتقد و معتمد خاص تھا جو ہمیشہ حضور کے والد کیساتھ لڑتا اور سلطنت کے خلاف جنگ کرتا رہا۔ پس اعتماد کلی اس پر بھی کیا ہو سکتا ہے۔

۳۔ ایک دفعہ یعقوب خلیفہ کی جانب اشارہ کر کے کہہ رہا تھا کہ اس شخص نے جو لاکھوں روپیہ عمارت پر لگا دیئے ہیں اس کا خزانہ پر جو تمام رعیت کے مشترک اغراض کیلئے ہے۔



اس قدر کیا حق تھا۔ مہدی نے اپنے کانوں سے یہ فقرہ سن لیا۔

ان سب باتوں سے مہدی کا دل سرد ہوتا گیا۔ اب اس نے ارادہ کیا کہ یعقوب کا امتحان اخلاص بھی لے اور دیکھے کہ علویہ کی محبت اس کے دل میں ہے یا نہیں۔ (اس زمانہ میں علویہ سے محبت رکھنا بغاوت سلطنت کی علامت سمجھا جایا کرتا تھا کیونکہ سلطنت بنی امیہ کی بیخ و بنیاد برکنہ کرنے میں عباسیہ اور علویہ دونوں متفق و مشترک تھے اور جب ان کو اکھاڑ چکے تو عباسیہ نے تخت کا مالک ہو کر علویہ کو پامال کرنا شروع کیا۔ ان کا خیال تھا کہ اگر ہماری حکومت کو انقلاب ہو سکتا ہے اور اگر ہمارے دعویٰ قرابت رسول ﷺ کا کوئی شخص جواب دے سکتا ہے تو وہ علویہ ہی ہیں۔ خدا کی قدرت دیکھو کہ جس وہمی خیال سے انہوں نے ہمیشہ اہل قرابت سے عداوت کی وہ سلطنت کا کچھ بگاڑ نہ سکے لیکن تاتاری ترکوں نے آکر اس بڑی سلطنت کا خاتمہ کر دیا)۔

۴۔ الغرض مہدی خلیفہ نے ایک روز یعقوب کو باغ میں طلب کیا۔ جس چمن میں خلیفہ بیٹھا ہوا تھا اس میں مختلف انواع و اقسام کا گلاب کھلا ہوا تھا۔ مجلس کا فرش بھی گلانی تھا اور خلیفہ کا لباس بھی گلانی۔ پس پشت ایک لونڈی ایستادہ تھی۔ جس کے گلانی رخسار دیکھ کر پھولوں کو پسینہ آرہا تھا۔ وہ گلبدن بھی گلانی لباس پہنے ہوئے تھی۔

خلیفہ نے کہا۔ کہو یعقوب! ہماری مجلس کیسی معلوم ہوتی ہے۔ بولا، نہایت ہی بارونق۔ خداوند کریم حضور کو ایسی ہی عیش و راحت میں رکھے۔ کہا یہ سب سامان تجھ کو عطا کیا اور یہ کنیر بھی بلکہ اس کے ساتھ ایک لاکھ روپیہ بھی۔ پھر کہا، یعقوب! میرا تجھ سے ایک کام ہے۔ مزاج شناس یعقوب کا ماتھا ٹھنکا۔ دل دھڑکا۔ کہا حضور کیا فرماتے ہیں۔ اس ناچیز سے حضور کا کیا کام ہو سکتا ہے۔ خدائے پاک مجھے حضور کے غضب سے بچائے۔ خلیفہ نے کہا، کام تو ضروری ہے اور میں چاہتا ہوں کہ تو اس کے پورا کر نیکا کامل اقرار کرے عرض کی، بسر و چشم۔ کہا، نہیں قسم کھاؤ۔ یعقوب نے تین

دفعہ قسم کھائی۔ خلیفہ نے کہا، میرے سر کو ہاتھ لگا کر قسم کھاؤ اور یعقوب نے ایسا ہی کیا (الغرض اس کی پختگی کے بعد) مہدی نے کہا فلاں شخص علوی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ تو مجھے اس کی طرف سے مطمئن کر دے۔

یعقوب انعام کا روپیہ، مجلس کا سارا ساز و سامان اور گل رخسار کنیز کو لیکر واپس آیا۔ لونڈی کو نشست کے برابر والے کمرہ میں بٹھلا دیا اور علوی کو طلب کیا۔ دیکھا تو وہ نہایت دانا و فہیم تھا۔ اس نے کہا، یعقوب کیا تو پسند کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے میرا قاتل ہو کر پیش ہو؟ حالانکہ میں فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سے ہوں۔ یعقوب نے کہا، مجھے کیا بھلائی پہنچا سکتا ہے؟ بولا اگر جان بخشی کرو گے تو دعاد و زنگا اور شکر گزار ہو زنگا یعقوب نے کہا، اچھا یہ مال بھی لے جاؤ اور جد ہر چاہو، چلے جاؤ۔ وہ بولا، فلاں راستہ میرے لئے پر امن معلوم ہوتا ہے۔ ادھر ہی جاؤ زنگا۔ لونڈی یہ سب باتیں سن رہی تھی اس نے فوراً خفیہ بادشاہ کے پاس کہلا بھیجا کہ جس وزیر پر حضور اتنے مہربان ہیں کہ مجھے بھی اسی کو بخش دیا ہے اس کا چلن یہ ہے (کیا تعجب ہے کہ خلیفہ نے رازدان کنیز کو اسی غرض سے بھیجا ہو کہ اندرونی حالات کی اطلاع بھی ملتی رہے)

مہدی نے فوراً گرفتاری کا حکم دیا اور پچارہ علوی گرفتار ہو کر آگیا۔ پھر یعقوب کو بلا کر پوچھا، علوی کا کیا حال ہے۔ کہا، حضور کو اس سے کچھ کھٹکا نہیں رہا۔ پوچھا، کیا مر گیا۔ بولا، ہاں۔ کہا، قسم کھاؤ۔ یعقوب نے تین دفعہ قسم کھائی۔ کہا، میرے سر کو ہاتھ لگا کر قسم کھاؤ۔ یعقوب نے ایسا ہی کیا۔ مہدی نے حکم دیا کہ اس کمرہ میں جو شخص ہے اسے پیش کرو۔ وہی علوی اور وہی مال پیش کئے گئے۔ یعقوب سپید ہو گیا۔ اسکی زبان بند تھی اور آنکھیں کھلی۔ بولنے کی گنجائش ہی نہ رہی تھی۔ مہدی نے کہا تیرے واجب القتل ہونے میں تو کچھ شک نہیں رہا لیکن میں قید ہی کروں گا۔ لے جاؤ اور چاہ تاریک میں قید کرو۔

چاہ تاریک قبر سے بدتر ہوتا تھا۔ قیدی کو اس میں اتار کر اوپر سے سر پوشی لگا

دیتے تھے کسی جاندار کی صورت کا نظر آنا تو کیسا کسی کی آواز بھی کانوں تک نہ جاسکتی تھی۔ بلکہ ہو اور روشنی کو بھی وہاں جانے کیلئے کوئی راہ نہ ہوتی تھی۔ پہرہ والے سپاہی قیدی کو اوقات نماز کی اطلاع دیدیا کرتے اور روٹی پانی ایک ڈول میں رکھ کر قیدی تک پہنچا دیا کرتے۔ یہ اللہ کا بندہ پندرہ سال تک اس میں قید رہا۔ اور ہارون رشید کے حکم سے اور اپنی سخت جانی سے زندہ رہ کر رہائی پائی۔ یعقوب کا اپنا بیان ہے کہ بارہ سال کی قید کے بعد میں نے خواب دیکھا کہ ایک شخص یہ شعر پڑھ رہا ہے۔

حنا علی یوسف رب فاخرجه من قعر جب و بیت حولہ انعم  
خدا یوسف پر مہربان ہو اور اسے مصیبت ناک جگہ اور کنوئیں کے قعر سے نکال لیا۔ میں نے صبح اٹھ کر شکر کیا کہ اب ایام رہائی قریب آئے۔ لیکن ایک سال گذر گیا اور رہائی کی صورت نظر نہ آئی۔ دوسرے سال پھر خواب دیکھا کہ کوئی شخص یہ شعر پڑھ رہا ہے۔

عسے فرج یاتی بہ اللہ انہ لہ کل یوم فی خلیقہ امر  
قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ کشائش دے۔ کیونکہ ہر روز اپنی مخلوق میں وہ ایک حکم جاری کرتا ہے۔ اس پر بھی ایک سال گذر گیا اور آزادی نہ ملی۔ اب پھر خواب دیکھا اور یہ اشعار سنے۔

عسے کرب الذی امسیت فیہ یكون ورائة فرج قریب  
فیامن خائف و یفک عان ویاتی اہلہ النائی الغریب  
قریب ہے کہ جس مصیبت میں تو شام تک رہا ہے کشائش بھی اس کے ساتھ لگی ہوئی ہے جس سے خائف کو امن اور قیدی کو رہائی مل جائے اور پھمرا ہوا شخص کنبہ میں پہنچ جائے۔

صبح ہوتے ہی کسی نے مجھے پکارا۔ میں سمجھا کہ پہرہ والا نماز کی خبر کرتا ہے۔

پھر پکارا۔ چاہ میں ایک رسی بھی لٹکتی نظر آئی۔ کہا، رسی کو اپنی کمر سے خوب مضبوط باندھ لو۔ تمہارے لئے باہر نکالنے کا حکم ہو چکا ہے۔ میں نے ایسے ہی کیا۔ جب کنوئیں سے باہر نکلا تو پندرہ سال کے بعد نکلنے آفتاب کی شعاع آنکھوں پر پڑی۔ آنکھیں چکا چوند میں آگئیں اور نور بصارت جاتا رہا۔ میرا ہاتھ پکڑ کر خلیفہ کے دربار میں لے گئے۔

میں نے کہا السلام علیک یا امیر المومنین المہدی۔ تخت پر سے آواز آئی کہ میں مہدی نہیں۔

میں نے کہا السلام علیک یا امیر المومنین الہادی۔ تخت پر سے آواز آئی کہ میں ہادی نہیں۔

میں نے کہا السلام علیک یا امیر المومنین الرشید۔ تب رشید نے مجھ سے گفتگو شروع کی اور خارج از دنیا قیدی کو اس وقت معلوم ہوا کہ پندرہ سال کے اندر تخت کے تین مالک ہو چکے تھے۔

رشید نے کہا، اے یعقوب میرے پاس کسی شخص نے تیری شفاعت نہیں کی بلکہ رات میں نے ایک بچہ گود میں اٹھایا اور اسی وقت مجھے یاد آ گیا کہ کبھی تو بھی مجھے گود میں اٹھایا کرتا تھا۔ میں تجھے رہا کرتا ہوں اور اجازت دیتا ہوں کہ جہاں چاہے وہاں سکونت اختیار کر۔ یعقوب نے مکہ معظمہ کو اختیار کیا اور تا وفات وہاں ہی رہا۔ کہتے ہیں یعقوب نے کنوئیں سے نکل کر جب اپنے گھرے دوستوں کا حال دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ اکثر مر چکے تھے۔ اس وقت یعقوب نے یہ قطعہ پڑھا۔

لکل اناس مقبر لفنا ٹھم فہم ینقصون والقبور تزید

ہم جیرۃ الاحیاء اما محلہم فدان و اما الملتقی فبعید

سب لوگوں کیے تیر تیار ہے۔ قبریں بڑھتی جائیں گی اور آدمی گھٹتے جائینگے۔

مردے اگرچہ زندوں کے ہمسائے ہیں اور ان کی رہائش گاہ بھی ہم سب سے قریب ہے۔

لیکن ان سے ملاقات کر سکنا نہایت بعید۔

یعقوب کا ۱۸۳۱ء ہجری میں انتقال ہوا۔ حفیظ بن قیس بصری نے مرثیہ لکھا جو

دیوان حماسہ میں موجود ہے۔

قارئین یعقوب کے حال سے عبرت پکڑیں اور زندگی کی کج و پرپیچ راہ پر ایک نظر ڈالیں۔ ثروت و اقتدار کے شیدا، حکومت و اختیار کے والہ کیا پسند کریں گے کہ یعقوب کا سا عبرتناک انجام ان کے لئے بھی ہو۔ خلافت عباسیہ کے اگرچہ علم و علماء کے سر پر احسانات کثیر ہیں لیکن تاریخ پر ایک گہری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سلطنت کی وزارت ہمیشہ خطرناک انجام کے ساتھ ختم ہوتی تھی۔

ابو مسلم خراسانی (جسے ماموں رشید سکندر رومی اور اردشیر بابکان کے بعد تیسرا شخص بتایا کرتا تھا جس نے عباسیہ سلطنت کی بنیاد ڈالی اور اس سلطنت کا پہلا وزیر ہوا) خاندان برامکہ، ابن الزیات، ابن مقلہ کاتب، ابن العمید وغیرہ کے حالات ایسے ہی دردناک واقعات سے بھرے ہوئے ہیں۔ ”اللهم انی اعوذ بک من الحور بعد الکور“ آسائش کے بعد مصیبت سے خدا کی پناہ۔ ترقی کے بعد تنزل خدا کی امان۔



## حضرت ابو یعقوب یوسف بن یحییٰ

ابو یعقوب جو یویطی کے نام سے مشہور ہیں، مصاحب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ اصحاب شافعی میں ان کا وہی درجہ تھا جو دانہ ہائے تسبیح میں امام کا ہوتا ہے۔ استاد کی زندگی ہی میں ممتاز تھے۔ ان کی وفات کے بعد منبر درس و مسند فتویٰ انہیں سے مزین ہوئی۔ امام ترمذی و ابراہیم بن اسحاق حرلی، قاسم بن مغیرہ جوہری اور احمد بن منصور مادی وغیرہ نے ان سے روایت کی ہے۔

واثق باللہ کے عہد میں مسئلہ خلق قرآن کیلئے ان کو کہا گیا۔ انہوں نے انکار کیا۔ قید کر کے بغداد میں لائے گئے اور قید ہی میں بند حیات سے آزاد ہوئے۔ نہایت عابد متسک، صالح اور زاہد تھے۔ ربیع بن سلیمان کہتے ہیں کہ میں نے یویطی کو دیکھا۔ گردن میں طوق تھا پاؤں میں بیڑی۔ بیڑی اور طوق کے درمیان بیس سیر پختہ کی ایک زنجیر آہنی پڑی ہوئی تھی جو گردن کو جھکائے رکھتی۔ زنجیر پر لئے ہوئے سپاہی لے جا رہے تھے اور وہ باواز بلند کہتے جاتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو کُن کے ساتھ پیدا کیا۔ پس اگر کُن بھی جو کلام الہی ہے، مخلوق ہے تو گویا کل مخلوقات ایک مخلوق کی مخلوق ہے۔ خدا میں طوق و زنجیری میں مر جاؤنگا تاکہ لوگوں کو خبر ہو جائے کہ ایسے مسئلہ کیلئے طوق و زنجیر میں مرنا پسند کیا گیا ہے۔ اور مجھے امید ہے کہ اگر میں واثق باللہ کے سامنے پہنچا تو وہ میری بات کو ضرور مان لیگا۔

کہتے ہیں کہ اس ابتلاء و محنت میں اصحاب شافعی میں سے صرف یہی گرفتار

ہوئے تھے اور امام شافعیؒ نے ان کو پہلے ہی خبر بھی دیدی تھی۔ ربیع کہتے ہیں کہ میں اور مزنی اور بو یطی امام شافعیؒ کی خدمت میں حاضر تھے۔ ہماری طرف دیکھ کر فرمایا، ربیع تو طلب حدیث میں فوت ہوگا۔ بو یطیؒ زنجیر و قید میں وفات پائیگا اور مزنی کے ساتھ اگر شیطان بھی مناظرہ کرنے آئے تو یہ اسے قطع کر دے۔

ابو اسحاق شرازی طبقات الفقہاء میں لکھتے ہیں کہ بو یطیؒ جب بند بیخانہ میں اذان جمعہ سنتے تو غسل کرتے۔ کپڑے بدلتے اور زنداں کے دروازہ تک جاتے۔ داروغہ پوچھتا کہاں؟ کہتے داعی ربانی پکار رہا ہے۔ میں ادھر حاضر ہوتا ہوں۔ وہ کہتا نہیں ہٹ کر بیٹھو۔ بو یطیؒ یہ کہتے ہوئے لوٹ جاتے الہی تو جانتا ہے کہ میں نے تیرے حکم کو مانا اور انہوں نے مجھے جانے سے روکا۔ ابو الولید کہتے ہیں۔ میں بو یطیؒ کا پہلو نشین تھا۔ رات کو جب میری آنکھ کھلتی، ان کو نماز پڑھتے ہی دیکھا۔ یا تلاوت قرآن مجید میں مصروف پایا۔ ربیع کہتے ہیں کہ بو یطیؒ کا امام شافعیؒ کی مجلس میں ایک خاص درجہ تھا۔ جب کوئی سائل آتا تو فرمادیتے کہ بو یطیؒ سے سوال کرو۔ اگر وہ کہتا کہ انہوں نے یوں بتلایا ہے تو فرمادیتے کہ صحیح ہے۔ بسا اوقات حاکم شہر فتویٰ دریافت کرتا تو آپ بو یطیؒ کی طرف اشارہ کر کے فرمادیتے کہ یہ میری زبان ہے۔ ربیع کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں سے دلائل پیش کرنے والا میں نے بو یطیؒ کا سا کوئی نہیں دیکھا۔ ان کے ہونٹ ذکر الہی سے ہمیشہ جنباں تھے۔

ابو العباس محمد بن یعقوب الماصم کہتے ہیں۔ والد بزرگوار نے مجھے خواب میں فرمایا، بیٹا کتاب بو یطیؒ کو لازم پکڑ لو۔ کیونکہ جملہ کتب میں سے اسی میں خطا کم ہے۔ (اس وقت تک صحیحین کی تدوین نہ ہوئی تھی)۔ ربیع بن سلیمان کہتے ہیں کہ ایک روز میں جب بیخانہ میں بو یطیؒ کو دیکھنے گیا۔ ان کی نصف ساق تک لوہا ہی لوہا تھا اور دونوں ہاتھ گردن کے ساتھ بندھے ہوئے تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے جب بیخانہ سے میرے پاس لکھ کر بھیجا

کہ مجھ پر بعض وقت ایسے گزر جاتے ہیں جب طوق وزنجیر کا وزن ذرا بھی مجھ کو معلوم نہیں دیتا۔ حتیٰ کہ لوہے کو ہاتھ سے چھو کر دیکھا کرتا ہوں۔ ربیع جب تم کو یہ خط ملے اہل حلقہ کیساتھ خوش اخلاقی کی عادت پیدا کرو اور غربا و مساکین کے ساتھ خصوصیت سے بھلائی کرو۔ کیونکہ میں نے امام شافعیؒ کو بارہا یہ شعر پڑھتے سنا ہے۔

اہین لہم نفسی لا کر مہم لہا      ولن تکرم النفس التی لا تہینہا

اس امام کا انتقال ۲۳۱ھ کو قید و زنداں بغداد میں ہوا۔ یویط مصر میں ایک گاؤں کا نام ہے یویطی اس کی جانب منسوب ہیں۔ اس بزرگوار نے استقلال اور صبر بر مصائب سے یہ ثابت کر دیا کہ تعلیم محمدیہ نے کیسے علماء کو پیدا کیا تھا اور دین محمدیہ کی اشاعت کو اہل علم نے کیسی محنتوں اور مشقتوں کو برداشت کرتے ہوئے دنیا میں پھیلایا۔ خداوند کریم اس وقت کے علماء کو بھی اس صفت کا ادنیٰ حصہ نصیب کرے۔





## حضرت یحییٰ بن یحییٰ اندلسی رحمۃ اللہ

بربر کے قبیلہ معمورہ میں سے ہیں۔ قرطبہ میں سکونت اختیار کی۔ علماء سے علوم تحصیل کر کے ۲۸ سال کی عمر میں مغرب کا سفر کیا۔ مصر میں لیث بن سعد اور عبدالرحمن بن وہب و عبدالرحمن بن قاسم سے، مکہ میں سفیان بن عیینہ سے استفادہ کرتے ہوئے مدینہ میں امام مالک بن انس کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو عاقل اہل اندلس کا خطاب دیا تھا۔

ان کے متعلق ایک حکایت بیان کی جاتی ہے کہ امام مالک کی خدمت میں لوگ بیٹھے ہوئے تھے، کسی نے باہر سے آکر کہا ہاتھی آیا، ہاتھی آیا۔ چونکہ عرب میں ہاتھی نہیں ہوتا، اس لئے سب آدمی ہاتھی دیکھنے کے واسطے باہر چلے گئے۔ یحییٰ بیٹھے رہے۔ امام مالک نے پوچھا کہ ہاتھی تو اندلس میں بھی نہیں ہوتا پھر کیوں تم باہر نہ گئے۔ کہا، جناب میں مغرب سے چل کر یہاں تک اس لئے آیا ہوں کہ آپ کے چہرہ مبارک کو دیکھا کروں اور جناب کی عمدہ خصائل و عادات کو سیکھوں۔ میں یہاں اس لئے نہیں آیا کہ ایسی علم خیز مجلس کو چھوڑ کر گلی کوچوں میں ہاتھی دیکھا کروں۔ امام رحمۃ اللہ علیہ نے اس جواب کو پسند کیا اور انہیں ”عاقل اہل الاندلس“ کا خطاب دیا۔

تعلیم پانے کے بعد جب اندلس کو لوٹ کر گئے تو وہاں رئیس العلماء تسلیم کئے گئے۔ امام مالک کا مذہب اس ملک میں ان ہی کی وجہ سے پھیلا اور خود ان سے بے حد و شمار خلقت نے استفادہ علمی اٹھایا اور خلق کثیر نے روایت احادیث کی۔ چنانچہ موطا کی

جملہ روایتوں میں سے زیادہ مشہور اور زیادہ پسندیدہ یحییٰ بن یحییٰ ہی کی روایت ہے۔ یہ فاضل اپنی فضیلت و امامت کے ساتھ امرائے وقت کی نگاہوں میں جلیل القدر تھے حالانکہ انہوں نے اپنے زہد اور ترک دنیا اور اشغال علوم کی وجہ سے کوئی منصب سلطنت میں منظور نہیں کیا۔ تاہم ان کا اعزاز و اکرام شاہی دربار اور امراء کبار کے ہاں بڑے بڑے فاضلوں سے بڑھ کر تھا۔

ابن نزم اندلسی کا قول ہے کہ دو مذہبوں کی اشاعت حکومت کی امداد سے ہوئی ہے۔

(۱) مذہب حنیفہ کی اشاعت کی وجہ یہ ہوئی کہ قاضی ابو یوسف ہارون رشید کے عہد میں قاضی القضاة ہو گئے تھے۔ وہ حنیفہ مذہب کے مطابق فتویٰ دیتے اور ماتحت قاضیوں کو بھی اس کے مطابق فتویٰ کیلئے پابند کرتے اور اسی کو قاضی بناتے جو مذہب حنیفہ کے مطابق فتویٰ دینے کا عہد کرتا۔ تمام سلطنت میں تھوڑے عرصہ کے اندر ہی اندر اس مذہب کے فتاویٰ پھیل گئے۔ (۲) مذہب مالکیہ یحییٰ کی وجہ سے کیونکہ یحییٰ بن یحییٰ کا سلطان پر اثر تھا اور ان کے مشورہ کے بغیر کوئی شخص قاضی نہ بنایا جاتا تھا۔ یہ ہمیشہ مالکیہ مذہب کے علماء کو پسند کیا کرتے۔ جب علماء نے دیکھا کہ عہدے تب ہی مل سکتے ہیں جب یحییٰ سفارش کریں تو سب کے سب مالکی مذہب پر چلنے لگے۔

احمد بن ابو الفیاض لکھتے ہیں کہ میں امیر عبدالرحمن اموی سلطان اندلس کی خدمت میں حاضر تھا۔ سلطان نے فقہاء کو طلب کیا۔ رمضان کا مہینہ تھا۔ کہا، میں حالت روزہ میں اپنی بیوی کے ساتھ ہمبستر ہو گیا ہوں۔ اس وقت غلبہ محبت میں نفس رک نہیں سکا۔ اب نادم ہوں۔ صورت توبہ کیا ہے؟ یحییٰ بن یحییٰ نے کہا دو ماہ کے متواتر روزے رکھنے چاہئیں۔ یحییٰ کے بعد پھر کسی فقیہہ کی جرات نہ پڑی جو آگے کچھ بولتا۔ جب دربار سے باہر نکلے تو لوگوں نے کہا کہ آج آپ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ

کے مذہب پر فتویٰ کیوں نہ دیا۔ کیونکہ ان کے نزدیک تو کفارہ کی تینوں صورتیں برابر ہیں۔ خواہ کوئی روزہ رکھے۔ خواہ غلام آزاد کر دے۔ خواہ مسکینوں کو کھانا کھلا دے۔ کہا، ہم سلطان کیلئے بھی دروازہ کھول دیں تو اس کے لئے ایک معمولی بات ہو جاوے گی کہ اس طرح روزمرہ روزہ توڑ لیا کرے اور غلام آزاد کر دیا کرے۔ یا کھانا کھلا دیا کرے۔ اس لئے میں نے اس کے لئے وہ صورت تجویز کی جو نہایت سخت ہے اور جس میں اس کے نفس شہوانی کی اصلاح متصور ہے۔

کہتے ہیں کہ جب مدینہ سے تعلیم پا کر واپس وطن کو جاتے ہوئے مصر پہنچے تو ہاں عبدالرحمن بن قاسم کے پاس ایک تصنیف دیکھی جس کو انہوں نے امام مالک سے ہی حاصل کیا تھا۔ ان کو شوق ہوا کہ یہ حصہ بھی خاص استاد سے ہی حاصل کروں۔ وہاں سے پھر لوٹ کر مدینہ آئے۔ استاد کو مرض الموت میں بیمار پایا۔ بیماری میں خدمت کرتے رہے اور نماز جنازہ کے بعد واپس آئے۔ محمد بن عمر کا قول ہے کہ فقیہہ اندلس تو عیسے بن دینار اور عالم اندلس عبدالملک بن حبیب اور عاقل اندلس یحییٰ بن یحییٰ ہے۔ احمد بن خالد کا قول ہے کہ جب سے اندلس میں اسلام داخل ہوا ہے، اس وقت سے لیکر آج تک جو عزت و عظمت یحییٰ کو حاصل ہوئی ہے وہ اور کسی عالم کو حاصل نہیں ہوئی۔ ابن نشکوال نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ ابو محمد یحییٰ بن یحییٰ مستجاب الدعوة تھے اور نشست و برخاست اور عادات و اطوار میں انہوں نے امام مالک کا اپنے آپ کو نمونہ بنا رکھا تھا۔

یحییٰ خود بیان کرتے ہیں کہ میں لیث بن سعد کی رکاب تھام کر ان کے ساتھ چلا۔ ان کے غلام نے مجھے ہٹانا چاہا۔ انہوں نے فرمایا کہ مت ہٹاؤ۔ پھر فرمایا یحییٰ! اہل علم اسی طرح تیری خدمت کریں گے۔ چنانچہ وہی دیکھ لیا۔ انہوں نے ۲۲ رجب ۲۲۴ھ کو وفات پائی۔ قرطبہ کے باہر مدفون ہوئے۔ ان کی قبر پر دعا استسقاء کی جاتی تھی۔

قارئین! اس بزرگ امام نے طلب علم میں کہاں سے کہاں تک سفر کیا اور

پھر کس قدر اہل ملک کو تعلیم و تدریس سے فائدہ پہنچایا۔ باوجود اس کے طالب دنیا نہ ہوئے۔ بلکہ دنیا داروں کو ملے بھی تو صرف ترقی تعلیم اور اشاعت دین کے لئے۔ جب تک ہماری قوم میں اس نمونہ کے علماء پیدا نہیں ہوتے اس وقت تک ترقی محال ہے۔



## امام جبائی

نام محمد عبد الوہاب۔ کنیت ابو علی ہے۔ ان کا نسب حضرت عثمان غنیؓ کے غلام حمران سے جا ملتا ہے۔ معتزلہ کے بڑے اماموں میں سے ہیں۔ علم کلام کے امام تھے اور یہ علم انہوں نے ابو یوسف یعقوب بن عبد اللہ اشحام البصری (جو بصرہ میں رئیس معتزلہ تھا) سے پڑھا تھا۔ مذہب اعتزال میں ان کے مقولے مشہور ہیں۔ شیخ ابو الحسن اشعریؒ جو اہلسنت کے علم کلام میں امام ہیں انہیں کے شاگرد تھے۔

کہتے ہیں کہ ایک دن اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے جبائی سے پوچھا کہ تین بھائیوں میں سے ایک مومن، متقی اور نیکو کار ہے۔ ایک کافر، فاسق اور شقی ہے۔ اور ایک صغرنی میں ہی فوت ہو گیا ہے۔ ان تینوں کا آخرت میں کیا حال ہوگا۔ جبائی نے کہا زاہد کیلئے درجات ہیں۔ کافر کیلئے درجات اور صغیر اہل سلامت میں سے ہے۔ اشعریؒ نے کہا، اگر صغیر یہ چاہے کہ میں مومن کے درجات تک پہنچ جاؤں اس کے لئے ممکن ہوگا؟ جبائی نے کہا، نہیں کیونکہ اسے کہدیا جائیگا کہ تیرا بھائی ان مدارج پر طاعات کثیرہ کیوجہ سے پہنچا ہے۔ چونکہ تیرے پاس یہ سرمایہ حاصل نہیں اس لئے تو اس درجہ کو نہیں پاسکتا۔

اشعریؒ نے کہا کہ اگر وہ صغیر بچہ یہی کہے کہ خداوند اس میں میرا کیا قصور ہے تو نے مجھ کو دنیا میں رہنے نہ دیا اور طاعت بجالانے کی قدرت ہی نہ بخشی۔ جبائی بولے اللہ تعالیٰ فرمادے گا کہ میں جانتا تھا کہ اگر تو دنیا میں رہتا اور عمر پاتا تو عصیان کرتا اور مستحق

عذاب الیم ہو جاتا۔ اس لئے تیرے حق میں یہی مصلحت تھی۔ اشعری نے کہا، اچھا اگر اس کا کافر بھائی یہ عرض کرے کہ الہ العالمین! تو اس کا حال بھی جانتا تھا اور میرا بھی۔ پھر کیا وجہ ہے کہ تو نے اس کی مصلحت کو مرعی رکھا اور میری بھلائی کو نظر انداز کر دیا۔ جبائی نے کہا تو تو دیوانہ ہے۔ اشعری نے کہا، نہیں۔ یہ کہو کہ شیخ کا گدھا اس گھاٹی پر چڑھ نہیں سکتا۔ جبائی چپ رہ گئے۔

اس مناظرہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس کو چاہا اپنی رحمت سے مخصوص فرمایا اور جس کو چاہا عذاب کا مورد قرار دیا۔ افعال الہی کسی غرض کیساتھ معلل نہیں ہیں۔ فخر الدین رازی تفسیر لکھتے ہیں کہ اس مناظرہ کے بعد اشعری نے مجلس جبائی کو چھوڑ دیا اور ان پر اعتراضات کرنے شروع کئے۔ حتیٰ کہ آپس میں وحشت عظیم ہو گئی۔ ایک دفعہ جبائی ایک جگہ وعظ کر رہے تھے۔ اشعری بھی چھپ کر جا بیٹھے۔ ایک بڑھیا سے کہنے لگے میں تم کو ایک مسئلہ بتاتا ہوں وہ شیخ سے پوچھو۔ بڑھیا نے پوچھا۔ شیخ نے جواب دیا۔ اشعری نے اس پر اعتراض سکھا کر بڑھیا سے کہلا دیا۔ جبائی چپ کر گئے۔ پھر ان کی نظر اشعری پر پڑ گئی۔ سمجھ گئے کہ سوال اس کا تھا۔ خورستان میں جمی ایک شہر کا نام تھا۔ جہان کی کھجوریں مشہور تھیں۔ جبائی ۲۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۰۳ھ میں وفات پائی۔



## امام غزالیؒ

ابو حامد کنیت۔ محمد بن محمد بن الغزالی نام۔ حجتہ الاسلام زین الدین لقب ہے۔ غزالی ضلع طوس میں ایک گاؤں ہے وہاں پیدا ہوئے اور خاص شہر طوس میں احمد رازدکانی سے تعلیم پاتے رہے۔ وہاں سے فارغ ہو کر نیشاپور میں امام الحرمین ابو المعالی کی خدمت میں جملہ علوم کی تکمیل کی۔ طالب علمی کے زمانہ میں ہی صاحب تصنیف اور فتویٰ ہو گئے تھے اور بسا اوقات امام الحرمین اس فاضل شخص کے شاگرد ہونے کو اپنے لئے مایہ ناز بتاتے تھے۔

استاد کے انتقال کے بعد وزیر نظام الملک سے جا کر ملے۔ اس نے حد درجہ تعظیم و اکرام کیا۔ دوران قیام وزیر کے سامنے متعدد فاضلوں کے ساتھ مختلف علوم میں مناظرہ اور مباحثہ ہوتا رہا۔ ہر ایک جلسہ میں غلبہ انہی کو حاصل ہوتا تھا۔ انہی مباحثات کی وجہ سے ان کا ذکر تمام اسلامی ممالک میں پھیل گیا۔

جمادی الاول ۴۸۴ھ کو مدرسہ نظامیہ میں پروفیسر مقرر کئے گئے۔ جہاں ذیقعد ۴۸۸ھ تک درس دیتے رہے۔ ان کے طرز تعلیم اور قوت تقریر و کثرت معلومات و توضیح مشکلات کو دیکھ دیکھ کر تمام عراق دنگ تھا۔ مدرسہ کے علماء کے علاوہ چار پانچ سو علماء ان کے درس میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ ۴۸۸ھ میں مدرسہ سے مستعفی ہو کر زہد و انقطاع الی اللہ اختیار کیا اور حج کو تشریف لے گئے۔ وہاں سے واپس آ کر دس سال تک جامع دمشق میں معتکف رہے۔ پھر وہاں سے بیت المقدس کو چلے گئے۔ جہاں نہایت ہی زہد کیساتھ حد درجہ کی عبادت میں مشغول رہے۔ وہاں سے یوسف بن

تاشفین سلطان مراکو کی ملاقات کیلئے مصر وارد ہوئے۔ بلاد مغرب کا سفر بحرِ راستہ سے کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ کہ سلطان مذکورہ کی وفات کی خبر مصر میں ہی مل گئی وہاں سے اپنے وطن کو لوٹ کر قیام پذیر ہوئے۔ ایک دفعہ پھر نیشاپور میں حسب الطلب گئے اور کچھ عرصہ تک نظامیہ میں پروفیسری کی۔ لیکن پھر مستعفی ہو کر وطن ہی کو چلے آئے۔ نظامیہ میں ان کو چار سواشر فی ماہوار تنخواہ ملتی تھی۔ وطن آکر اپنے گھر کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ کو صوفیہ کے لئے خانقاہ بنایا اور دوسرے حصہ کو مدرسہ۔ اپنے اوقات کی تقسیم اس طرح کر رکھی تھی (۱) تلاوت قرآن مجید (۲) مجالس اہل دل (۳) تدریس و تصنیف۔

ان کی تصنیفات بہت ہیں اور سب کی سب ممتع المثال مفید و فیض بخش ہیں۔ وسیط، بسیط، وجیز، الخلاصہ فی الفقہ، المستصفی، المنحول المتخل، تہافتہ الفلاسفہ، محک النظر، معیار العلم، المقاصد، المضمون بہ علی اہلہ، المقصد الاسنی فی شرح اسماء اللہ الحسنی، مشکوٰۃ الانوار، المتقد من الضلال، حقیقۃ القولین، کیمیائے سعادت اور ار بعین بہت زیادہ مشہور اور متداول ہیں۔ ان سب سے شہرت و نفاست اور خوبی و جمال میں بڑھ کر احیاء العلوم الدین ہے۔ جس کی تیسری اور چوتھی جلدیں جن کا نام مہلکات و منجیات ہے جو اہر کے تول بھی ارزاں سمجھے جانے کے قابل ہیں۔ معقولات اور فلسفہ میں ان کا درجہ یونان و نصر فارسانی اور بو علی سینا کے برابر شمار کیا گیا ہے بلکہ بعض حکماء نے متقدمین یونان سے بھی کم ہونا تسلیم نہیں کیا۔

امام غزالیؒ ان لوگوں میں سے ہیں جن کی توفیق الہی نے دستگیری فرمائی اور جن کو احکام و ظواہر شرع پر اطمینان قلب و انشراح صدر حاصل ہوا۔ ورنہ بہت سے لوگ جنہوں نے فلسفہ میں غلو اختیار کیا یا تو بالکل دین سے آزاد ہو گئے۔ ورنہ دین کو تابع عقل تو ضرور سمجھتے رہے۔ غزالیؒ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے اسرار



شریعت کو بیان کیا اور ظواہر کو قائم رکھا اور اسی کو درجہ کمال قرار دیا۔ نیز ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے فلسفہ سے بہت سی دینی خدمات لیں اور بسا اوقات فلسفیوں کو مغلوب کرنے کیلئے فلسفہ کو ہی اپنا قیمتی ہتھیار بنایا۔ مشکوٰۃ الانوار میں چند مثالوں کے بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ”میرے اس کلام اور بیان مثال سے یہ نہ سمجھنا کہ میں ظواہر کے اٹھادینے کی رخصت دیتا یا ان کے ابطال کا اعتقاد رکھتا ہوں۔ حاشا للہ۔ ابطال ظواہر تو باطنیہ کا اعتقاد ہے۔ جنہوں نے اپنی ایک چشمی سے ایک ہی عالم کو دیکھا اور عالم ظاہر و معنی کے موازنہ کو نہ سمجھا اور ان کی وجوہات پر غور نہ کیا۔ علیٰ ہذا ابطال اسرار تو حشو یہ کا مذہب ہے۔ پس جو شخص صرف ظاہر کو لیتا ہے وہ حشوی ہے اور جو صرف باطن کو لیتا ہے وہ باطنی۔ ہاں جو شخص دونوں کو جمع رکھتا ہے، کامل وہی ہے۔“

شیخ محی الدین ابن العربی اپنی کتاب العواصم والقواصم میں مذہب فلاسفہ اور ان کی مخالفت از اسلام کا ذکر لکھ کر کہتے ہیں: ”خداوند کریم نے ایک ایسا طائفہ عاصمہ بھی نکالا جو تسخیر ربانی اور تائید الہی سے رد فلاسفہ میں مصروف ہو گیا۔ یہ لوگ طرز فلاسفہ یا مصطلحات فلاسفہ میں رد نہیں کیا کرتے تھے بلکہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے گروہ مبتدعہ کے دلائل کو توڑتے تھے۔ فلسفی جن کے عقول پر بطلان کے پردے پڑے تھے اس رد کو ہنسی اور قہقہہ میں اڑاتے اور ان کے دلائل پر جرح و قدح کیا کرتے تھے اور اپنے رد لکھنے والوں کو جاہل بے تمیز قرار دیا کرتے تھے جب ان کا غرور و تکبر بڑھ نکلتا تب اللہ تعالیٰ نے انہی کی لغت و اصطلاحات میں گفتگو کرنے انہی کے دلائل کو ان پر لوٹا دینے اور انہی کے سلاحات سے ان کا سر اڑا دینے کی واسطے ابو حامد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کو پیدا کیا۔ جنہوں نے انہی کے قول سے ان کو جھٹلایا اور انہی کی چھری کو انہی کی گردنوں پر چلایا۔ چنانچہ اس بارے میں تہافتہ الفلاسفہ ایک عجیب کتاب ہے۔ قطاسی ان کی دوسری کتاب ہے جس میں قرآن مجید سے اسی ترتیب پر دلائل کا استخراج کیا ہے جو

استخراج دلائل کیلئے فلسفیوں نے قوانین قرار دیئے تھے۔ معیاد العلم انکی ایک اور کتاب ہے جس میں منطق کو امثلہ فقیہہ و کلامیہ کیساتھ ملایا ہے اور فلسفہ کو زندہ کر دینے کے ساتھ ہی کوئی مثال یا مثل نہیں ایسا باقی چھوڑا جس کے متعلق کسی فلسفی کا شبہ باقی رہ گیا ہو۔ الغرض غزالی کا وجود سخت تاریکیوں میں ایک گوہر شب چراغ ہے۔

غزالی کے اس قدر کمال و فضیلت پر بھی بعض اہل علم نے اس کی زندگی میں اور نیز اس کی وفات کے بعد سخت اعتراضات کئے ہیں۔ احواء کے باب توکل میں ان کا ایک فقرہ ہے لیس فی الامکان ابداع مماکان یعنی دنیا کا موجودہ صورت سے بڑھ چڑھ کر ہونا امکان سے باہر تھا۔ اس فقرہ پر بڑی بڑی تختیں ہوئیں اور متعدد کتابیں لکھی گئیں۔ انہی کے شاگرد امام ابو بکر ایوبی کا قول ہے: ”ہمارے شیخ نے یہ بہت بڑی بات لکھ دی جسے اہل عراق نہیں مانتے اور بیشک یہ لائق ماننے کے بھی نہیں کیونکہ اس سے تو عجز ثابت ہوتا ہے جو قدرت کاملہ کے منافی ہے۔“ بعض علماء نے ایسے ایسے فقرات غزالی کی نسبت افکار کئے ہیں لیکن اکثر نے اس کی تاویل کی یا الحاقی بیان کیا۔ ابن جوزی، ابن حجر مکی اور ابن سبکی وغیرہ کا یہی مذہب ہے کہ اس قسم کی لغویات سے غزالی کی شان اعلیٰ و برتر ہے ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ غزالی کی کتابوں میں الحادات پائے جاتے ہیں مگر وہ خود اس اعتقاد کے لوگوں کی تکفیر کرتا ہے۔ (اس لئے ان کتابوں میں الحادات کے ذکر کرنے سے غرض انکار کرنا اور لوگوں کو معلوم کرانا ہے) ابن تیمیہ ہی لکھتے ہیں کہ علم حدیث میں غزالی کا سرمایہ بہت تھوڑا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس کی کتابوں میں موضوع و ضعیف حدیثیں بھی درج ہو گئی ہیں۔ انہی کا قول ہے کہ آخر عمر غزالی نے اپنی پوری توجہ علم حدیث پر ہی منعطف کر دی تھی۔ چنانچہ نزع کی وقت بھی ان کی چھاتی پر صحیح بخاری رکھی ہوئی تھی۔ شمس العلماء مولوی سید نذیر حسین صاحب دہلوی نے احواء العلوم غزالی اور حجۃ اللہ البالغہ شاہ ولی اللہ دہلوی پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا تھا:

”شاہ صاحب کا کلام بھی عالی اور سند بھی عالی۔ غزالی کا کلام عالی ہے مگر سند (ہمیشہ) عالی نہیں ہوتی۔“ المختصر اس نامور امام کے حال کو میں اس فقرہ پر ختم کرتا ہوں۔ جو ابن سبکی کا قول ہے کہ غزالی سے بغض رکھنے والا یا تو حاسد ہو گا یا زندیق۔ بیشک ان کا درجہ عالی ان کے لقب حجۃ الاسلام سے بخوبی نمایاں ہے اور ان کی تصنیفات اس لقب کی صداقت میں موجود ہیں جن لوگوں کو آجکل فلسفہ پڑھنا پڑتا ہے یا جو فلسفی شبہات سے جلد متاثر ہو جاتے ہیں۔ ان کو امام غزالی کی تصنیفات کا زیر مطالعہ رکھنا بہت ضروری ہے جن کے ہر ایک سادہ اور معرازدلیل بیان پر بھی یہ خیال رکھنا چاہیے کہ یہ کسی ملا کا قول نہیں بلکہ اس شخص کا ہے جس نے اول سے آخر تک فلسفہ کی سیر کی۔ اس کو محک پر آزمایا اور کسوٹی پر کسکر اس کا کھوٹ فلسفیوں کے منہ سے منوایا ہے۔

عام لوگوں میں یہ حکایت بہت مشہور ہے کہ امام غزالی کی روح نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ کے ساتھ شب معراج کو رسول کریم ﷺ کے حضور میں کچھ بحث کی تھی۔ اس کی اصلیت صرف اس قدر ہے کہ یہ واقعہ صرف شیخ شاذلی کا خواب ہے اور اس سے زیادہ سے زیادہ یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ خواب دیکھنے والے کے نزدیک امام غزالی کی وقعت اس قدر تھی۔ خدا ان پر رحمت کرے اور اسلام میں ایسے علماء کرام کو ہمارے زمانہ میں بھی پیدا کرے۔ امام غزالی کا انتقال ۵۰۵ھ کو ۵۵ سال کی عمر میں طوس کے قریب دہ طائران میں ہوا اور وہیں مدفون ہوئے۔



## امام فخر الدین رازیؒ

یہ نہایت ہی مشہور و معروف امام علم کلام ہیں۔ ۲۵ رمضان المبارک ۵۴۴ھ کورے میں پیدا ہوئے۔ فقیہہ شافعی المذہب تھے۔ محمد نام، ابو عبد اللہ کنیت اور ابن الخطیب کے نام سے مشہور ہیں۔ ابتدا میں اپنے والد بزرگوار سے تعلیم پاتے رہے۔ جب ان کا انتقال ہو گیا تو کچھ عرصہ کمال سمعانی سے استفادہ کیا۔ پھر رے میں واپس آکر مجد جبلی سے تعلیم پاتے رہے اور جب مجد جبلی نے مراغہ کی جانب سفر کیا تو یہ بھی استاد کیساتھ ہی رہے۔ حتیٰ کہ کلام و حکمت میں کمال حاصل کیا اور اس عرصہ میں امام الحرمین کی کتاب الشامل کو جو علم کلام میں ہے حفظ کر لیا۔ وہاں سے خوارزم میں آئے اور اعتقادات کے متعلق بہت بڑا مناظرہ کیا۔ علیٰ ہذا ماروا و انہر میں بھی ایسا ہی مباحثہ کرنا پڑا۔ پھر رے میں واپس آگئے۔ یہاں ایک مشہور طبیب تھا جو نہایت دو لتمد تھا اس نے اپنی دو بیٹیوں کا نکاح امام رازیؒ کے دو فرزندوں سے کر دیا اور نکاح سے کچھ عرصہ کے بعد وہ مر گیا۔ اس کی بے انتہا دولت انہی کے قبضہ میں آگئی اور خداوند کریم نے ایسے شخص کو دنیا کی طرف سے مستغنی کر کے دین کی طرف لگا دیا۔ انہوں نے اپنی کتاب طفیل الحق میں خود تحریر کیا ہے کہ میں علم کلام میں چھ واسطہ سے شیخ السنۃ ابو الحسن اشعری کا اور علم حدیث و فقہ میں نو واسطہ سے امام شافعیؒ کا شاگرد ہوں۔

خداوند کریم نے ان کو تحریر بھی عطا فرمائی تھی اور تقریر بھی۔ تقریر کا حال یہ تھا کہ اس سے مستفید ہونے کے لئے سینکڑوں کوس سے بڑے بڑے مسلم فاضل

سفر کر کے آیا کرتے تھے اور بیسیوں کے عقائد ایک ایک درس میں درست ہوتے تھے۔ ہزار ہا اشخاص نے ان کے ساتھ مباحثہ کرنے کا بیڑا اٹھایا لیکن آخر یہ ہوا کہ انہیں شاگرد ہی بنا پڑا۔ اہل السنّت والجماعت کے اصول و عقائد کو دلائل عقلیہ و براہین صادقہ سے ایسا صحیح و محکم ثابت کر دیا کہ ہزاروں کرامیہ و غیرہ اپنے اپنے اعتقادات کو چھوڑ کر اہل السنّت کے سواد اعظم میں شامل ہو گئے۔ رہی تحریر تو اس کا بے بدل و بے نظیر ہونا آج تک مسلم ہے۔ تحریر میں جو ترتیب دلائل اور طریق استدلال انہوں نے اختیار کیا ہے علماء کو اس کی بابت اقرار ہے کہ وہ خود ان کی اختراع تھا۔ بیشک وہ طریق ایسا زود فہم اور عمدہ ہے کہ آج تک اس سے بہتر اور کوئی طریق نہیں پایا جاتا۔

علم کلام میں ان کی تصنیفات یہ ہیں۔ المطالب العالیہ، نہایت العقول، کتاب الاربعین، المحصل، کتاب البیان والبرہان علی اہل الزلیغ والطغیان، کتاب المباحث العمادیہ فی المطالب المعادیہ، کتاب تہذیب الدلائل و عیون المسائل، ارشاد النظر الی الطائف الاسرار، کتاب اجوبۃ المسائل التجاہیہ اور تحصیل الحق وغیرہ۔ اصول فقہ میں یہ کتابیں المحصول والمعالم، حکمت میں الملخص، شرح اشارات ابن سینا اور شرح عیون الحکمت وغیرہ۔ طلسمات میں سر مکنون اور شرح اسماء الحسنی۔ نحو میں شرح مفصل زمخشری، فقہ میں شرع وجیز غزالی اور طب میں شرح کلیات قانون۔ علیٰ ہذا بہت سے علوم میں آپ کی تصنیفات ہیں اور ہر ایک کتاب لاجواب و فائدہ رساں ہے۔ خود ان کی زندگی میں ان کی تصنیفات کی قدر و عزت اس درجہ کو پہنچ گئی تھی کہ متقدمین کی کتابوں کو چھوڑ کر ان کی کتابوں کو سلسلہ تعلیم میں داخل کر لیا گیا۔ غرض اپنے زمانہ کے فرید و وحید شخص تھے اور علم کلام و معقولات میں کوئی شخص ان کی نظیر نہ تھا۔

معقولات کا لازمہ بسا اوقات بے دینی اور مذہب کی جانب سے بے اعتقادگی و لاپرواہی ہوتی ہے لیکن اس فاضل نے ثابت کر دیا کہ شریعت محمدیہ کی صداقت کو کوئی

فلسفہ رد نہیں کر سکتا انہوں نے واضح کر دیا کہ محمد عزیزی نبی الامی ﷺ نے عرب کی ریتلی اور پتھریلی زمین کے رہنے والے وحشی بدوں کو جس کتاب و حکمت کا سبق پڑھایا ہے اس پر کسی معقولی علم کی کوئی قدیم یا جدید برہان غالب نہیں آسکتی۔ بلکہ قرآن مجید میں روحانیت اور معقولات کے دو دریائے ذخار ناپیدا کنار پہلو بہ پہلو جاری ہیں اور اس کا ایک ایک لفظ ایک ایک موج گہر ریز اور ابر گہر بار ہے۔ جو کچھ میں نے لکھا ہے ان کی تصدیق ان کی تفسیر سے جو تفسیر کبیر کے نام سے مشہور ہے بخوبی ہو سکتی ہے لیکن افسوس ہے کہ ہمارے زمانہ کے برائے نام علماء اس کا پڑھنا تک پسند نہیں کرتے۔

امام فخر الدین رازیؒ ان چند آئمہ میں سے ایک ہیں جنہوں نے اسرار شریعت اور مصالح کتاب و سنت کے اظہار میں سرگرمی سے حصہ لیا ہے۔ میرے خیال میں متقدمین میں امام غزالیؒ، فخر الدین رازیؒ، فقال مروزیؒ اور متاخرین میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ اپنی ان مساعی جمیلہ کی وجہ سے خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ یہ لوگ تھے جنہوں نے تمدن اور تدین کے باہمی تعلقات پر نظر ڈالی اور ثابت کر دکھایا کہ اسلام کی تعلیم اعلیٰ ترین سلطنت کو اصول حکومت کے بتلانے اور بڑے سے بڑے زاہد کو انقطاع الی اللہ کی راہ دکھلانے میں پوری طاقت رکھتی ہے۔ ہمارے اس زمانہ میں (جبکہ نئی روشنی یا فلسفہ جدید بڑے زور سے ظہور پذیر ہے اور ہمارے ملک کے تعلیم یافتہ لوگ اصول دین اور اسرار شریعت سے ناواقفیت کی وجہ سے اس روشنی میں چندھیارے ہیں) ایسے علماء کی اشد ضرورت ہے۔ خداوند کریم اسے پورا کرے۔

امام رازیؒ کبھی کبھی شعر بھی کہا کرتے تھے۔ چنانچہ قطعہ ذیل ان کی تصنیف ہے۔

نہانت اقدام العقول عقال      واكثر سعی العالمین ضلال

ترجمہ :- آخر کار عقل کو پابند ہونا پڑتا ہے اور بڑی بڑی کوششیں تاریکی کے گڑھے میں چلی جاتی ہیں۔

واروا حنافی فحشة من جسومنا      و حاصل دنیا نا اذی و وبال

ترجمہ :- ہماری روح ہمارے جسم کے اندر وحشت میں ہے اور حاصل دنیا ازیت ہے یا وبال ہے۔  
ولم نستقد من بحثنا طول عمرنا سوی ان جمعنا فیہ قیل و قالوا  
ترجمہ :- عمر بھر کے بحث مباحثہ کے بعد اگر کچھ حاصل ہوا تو صرف یہ کہ قیل و قال جمع  
کر لیا۔

و کم قد راینا من رجال ودولة فبادوا جميعاً مسرعین وزالوا  
ترجمہ :- ہم نے بہت سے شخص اور بہت سی حکومتیں دیکھی ہیں جو تیز رفتاری کیساتھ  
آگے بڑھتی اور زوال پذیر ہوتی رہیں۔

و کم من جبال قد علت شرفاتها رجال فزالوا والجبال جبال  
ترجمہ :- ہم نے بہت سے لوگوں کو پہاڑوں کی بدترین چوٹی پر چڑھتے اور زوال پذیر  
ہوتے دیکھا ہے مگر وہ پہاڑوں کے توں باقی ہیں۔

اس فاضل کو عربی اور فارسی میں کامل دستگاہ تھی اور دونوں زبانوں میں وعظ  
کیا کرتے تھے۔ وعظ میں خود بھی رویا کرتے اور حاضرین کو بھی رلا دیتے۔ ان کا انتقال  
عید الفطر کے دن ۶۰۶ھ کو ہر اہل میں ہوا اور دامن کوہ میں مدفون ہوئے۔ حسین واسطی  
کہتے ہیں کہ ایک دن امام فخر الدین رازی ممبر پر کھڑے یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

المرء مادام حیا یستان بہ ویعظم الذر عرفیہ حین یقضی  
ترجمہ :- جب تک آدمی زندہ رہتا ہے حقیر سمجھا جاتا ہے لیکن مرنے کے بعد اس کی موت  
کو عظیم مصیبت مانا جاتا ہے۔ شیخ سعدی نے بھی ایسا ہی ایک شعر کہا ہے۔  
کس اندر زندگانی قیمت دوست نداند کس چنیں قیمت بداند



## امام محمد صاحب قاموس

محمد بن یعقوب نام اور مجد الدین لقب۔ دسویں پشت میں سلسلہ نسب شیخ الاسلام ابو اسحاق گاذرونی سے جا ملتا ہے۔ شافعی المذہب، شیرازی الفیر و زآبادی مسکن، قرشی الیومی البکری نسب ہے۔ ہمارے ربیع الاول ۲۹۷ھ کو قصبہ گاذرون میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔ سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔ آٹھ سال کی عمر میں شیراز آئے اور ادب و لغت اپنے والد اور شیخ عبداللہ بن محمود وغیرہ علمائے شیراز سے پڑھتے رہے۔ خوشخطی سیکھی اور تمام مصروفیت و توجہ کیساتھ لغت پڑی۔ فقہ تو شیراز میں ہی پڑھ لی تھی اور علم حدیث کی تلاش میں عراق و واسطہ و بغداد و دمشق کے سفر کئے۔ عبداللہ بن بجباش قاضی بغداد مدرس نظامیہ اور حافظ ابن القیم الجوزی سے سماعت و روایت کی اور ایک مدت تک بغداد میں خود بھی درس دیتے رہے۔ امام صفدی بہاء بن عقیل جمال الاستوی و ابن ہشام وغیرہ مشہور فاضلوں نے ان کی شاگردی کا شرف حاصل کیا۔

بغداد سے قاہرہ گئے اور تقی سبکی فرزند تاج الدین و قاضی عزیز الدین وغیرہ سے استفادہ کیا اور تحصیل علم کے خیال سے اکثر مشرقی اور شامی ممالک کی گشت و سیاحت بھی کی۔ ہندوستان میں بھی آئے۔ قاموس میں دہلی اور قنوج کا بھی ذکر کیا ہے ماہ رمضان ۵۶۷ھ کو زبید گئے۔ ملک اشرف اسمعیل نے ان کا درجہ تعظیم و اکرام کیا اور ہزار اشرفی زادراہ اور ہزار اشرفی بطور پیشکش دی۔ مجد الدین یہاں ٹھہر گئے اور علوم پھیلانے لگے۔ ممالک محروسہ یمن کی قضاء ان کے سپرد کی گئی۔ ہر طرف سے طالبان



علوم آتے اور مستفید ہوتے تھے۔ سلطان بھی شاگرد ہو گیا اور انکے علم و کمال کو دیکھ کر اپنی دختر زائد الجمال کا نکاح ان سے کر دیا۔ اس تعلق سے ان کی عزت و وقعت بہت بڑھ گئی۔ ملک اشرف اور اس کے فرزند ملک ناصر کے عہد حکومت میں بیس سال زبید میں پورے کئے اور بارہا مکہ معظمہ و مدینہ منورہ اور طائف میں آکر قیام کیا۔ اپنے آپ کو مکی کہلانے سے خوش ہوا کرتے اور اہل حرم اللہ تعالیٰ لکھا کرتے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی حرمت و عزت عطا فرمائی تھی کہ جہاں جاتے وہاں کا حاکم بہ تعظیم و تکریم پیش آتا۔ یہ ملک منصور والی تبریز، سلطان بایزید خاں والی روم، ابن اور لیس شاہ بغداد، پاشائے مصر اور امیر تیمور گورگان سے ملے اور سب نے قدر شناسی و عزت افزائی کی۔ سلطان اور امیر نے ایک ایک ملاقات کا ایک ایک لاکھ روپیہ دیا۔ کتاب کے جمع کرنے کا اتنا شوق تھا کہ وہ خود لکھتے ہیں کہ میں نے پچاس ہزار مشقال زر کی کتابیں خرید کی ہیں۔ سفر کو جاتے تو کتب خانہ اونٹوں پر ساتھ چلتا۔ جب منزل پہ پہنچتے تو مطالعہ شروع کر دیتے۔ اتحاف البلاد میں ان کی بیالیس مصنفہ کتابوں کے نام درج ہیں جن کے علاوہ اور بھی بہت سی ہیں۔ سفر السعادت انہی کی تصنیف ہے۔ یہ نہایت مختصر اور نہایت صحیح کتاب ہے۔ جس میں عبادت و عادات نبوی ﷺ درج ہیں۔ شیخ عبدالحق دہلوی نے اس کتاب کی مبسوط شرح لکھی ہے۔

تقی کرمانی کہتے ہیں مجد الدین اپنے زمانہ میں فارسی و عربی کی نظم و نثر میں عدیم النظیر تھے۔ دس سال تک مکہ معظمہ میں رہے۔ قاموس کو چند اجلا میں لکھا اور پھر میرے والد کی فرمائش پر ایک جلد میں اس کا اختصار کیا۔ اس مختصر میں بھی فوائد عظیمہ اور جوہری پر اکثر اعتراضات ہیں۔ سیوطی نے بغیۃ الوعاة فی ترجمہ اللغویین والخاصۃ میں ان کے ذکر میں لکھا ہے کہ بلاد روم میں ان سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اس عبارت کے معنی دریافت کئے گئے۔ الصق انفک بالجیوب و خذ المسطر

بشنا ترك واجعل جمجتك الى قيهلى حتى الا انقى نغيته  
الا اود عتها جمانه ججلاتك۔ انہوں نے فوراً کہا کہ اس کے معنی یہ ہیں  
الزق عصر تک بالصلة وخذ المزبر باشا جعك واجعل خذ و  
رتيك الى الثعيانى حتى لا ابنس بنسبة الا او عيتها جة نيا  
طک۔ حاضرین جلسہ اس جواب کو جو سوال سے بھی مشکل ہے سن کر حیران رہ گئے۔  
خرزجی تاریخ یمن میں لکھتے ہیں کہ صاحب قاموس کا جاہ و منصب ہمیشہ ترقی  
پذیر رہا۔ والیان ملک اور قاضیان امصار اس کے دست نگر و شفاعت خواہ رہا کرتے تھے۔  
ایک دفعہ سلطان کو خط لکھا اور زبید سے مکہ معظمہ جانیکی درخواست کی۔ خط کا ترجمہ یہ  
ہے: ”حضور پر غلام کی کمزوری و لاغری اور پیرانہ سالی بخوبی واضح ہے۔ ہڈیاں بوسیدہ اور  
سر سفید ہو چکا ہے۔ اور میری مثال ٹھیک اس مسافر سے ہے جو سفر کیلئے جوتا پہن کر  
کھڑا ہو گیا ہے۔ بناء گر چلی ہے اور جمعیت اعضاء نے پراگندگی اختیار کر لی ہے۔ میں  
مشت استخوان ہوں یا زمین پر بیٹھ جانوالی بنیان۔ اب تو وہ حالت ہو گئی ہے جو سر سبز  
زراعت کی کٹ کر بھوسہ بن جانے سے ہو جاتی ہے۔ حضور نے سیدنا نبی ﷺ کا ارشاد  
جو صحیح بخاری میں ہے سنا ہو گا کہ جب خدا نے کسی کو ساٹھ سال کی عمر دی تو اس کے  
لئے کوئی عذر باقی نہیں رکھا۔ پس جو شخص ستر سے گذر کر اسی تک پہنچا ہو اس کا تو حال  
کیا ہے۔ میرے نزدیک کسی مومن کیلئے یہ شایاں نہیں کہ اس پر چار سال گذر جائیں  
اور بیت اللہ کا شوق اور زیارۃ سید المرسلین کا ذوق اسے بیتاب کئے نہ دیتا ہو۔ حالانکہ غلام کو  
چھ سال ہو چکے ہیں کہ اس مبارک راہ پر گام فرسا نہیں ہوا۔ اب تو شوق نے بیتاب کر  
دیا ہے اور بڑی سے بڑی آرزو یہ ہے کہ ایک دفعہ پھر ان مشاہد کو دیکھ لوں اور وہاں کے  
معابد سے عہد باندھ لوں۔ میں اپنی درخواست کو حضور کے رحم پر چھوڑتا ہوں اور امید  
کرتا ہوں کہ اسی سال مجھے سفر حج کی اجازت دی جائے۔ آجکل موسم اچھا اور ہواخنک

ہے پھر گرمی زور پکڑ جائیگی اور پیاس مسافروں کو ستائے گی۔ حضور کو معلوم ہو گا کہ ہمیشہ سے شاہان ممالک کا یہ دستور چلا آیا ہے کہ سال بسال عرض سلام کیلئے اپنا قاصد حضرت سید المرسلین ﷺ کی بارگاہ میں بھیجا کرتے ہیں۔ اس لئے یہ نہایت الطاف خسروانہ ہو گا کہ امسال مجھے حضور اپنی جانب سے ہی قاصد بنا کر بھیج دیں گے۔ بخدا اس کے سوانہ کوئی مطلب ہے نہ مدعا۔“ پھر یہ قطعہ لکھا۔

شوقی الی الکعبۃ العزاقدا ازدا دا فاستحمل القلص الوفادۃ الزادا

واستاذن الملک المنعام زید علی و استودع اللہ اصحابا و اولادا

سلطان نے یہ پڑھ کر اپنے قلم سے اسی کاغذ پر لکھ دیا: ”اس بارے میں زبان کو بولنے اور قلم کو لکھنے کا یارا نہیں۔ یمن اندھا تھا کہ پینا ہو گیا اور اب کیونکر ہو سکتا ہے کہ وہ سابقہ حالت کو قبول کرے۔ تم بھی جانتے ہو کہ خدا نے تمہارے ہاتھ پر کس کس علم مردہ کو زندہ کیا ہے۔ مجد الدین مجھے خدائے پاک کی قسم ہے کہ دنیا اور نعیم کی جدائی آسان ہے اور تمہاری جدائی دشوار۔“

ناسی لکھتا ہے کہ مجد الدین کے شعر نہایت عمدہ اور نثر اعلیٰ ہے۔ موقعہ بموقعہ شعر و حکایات بشمار بیان کر سکتا تھا۔ خوش قلم تھا اور بہت جلد لکھا کرتا۔ قوی الحافظ تھا۔ مجد الدین کا اپنا قول ہے کہ ہر روز دو سو سطریں حفظ کر کے سویا کرتا ہوں اس سے پہلے نہیں سوتا۔

صاحب قاموس نے اپنے لئے ایک محل منیٰ اور ایک مدینہ منورہ میں۔ ایک باغ و محل طائف میں اور ایک محل جبل صفا پر مکہ معظمہ میں بنا رکھا تھا۔ اہل و عیال مکہ میں رہتے۔ محل کا ایک حصہ بطور مدرسہ استعمال ہوتا تھا جس میں چند مدرسین مقرر تھے اور طلبہ کو مفت تعلیم دی جاتی تھی۔ مجد الدین ان یک فنی و ہر فنی علماء میں سے ایک ہے جو معاصرین میں بھی یگانہ کہلایا اور مستقبل کو اپنی نظیر سے یگانہ رکھا۔ ۲۰ شوال ۸۱۷ھ

کو زبید (دار الحکومت یمن) میں وفات پائی۔ نوے سال سے زیادہ عمر پائی اور آخر تک ہوش و حواس قائم اور جملہ اعضاء مضبوط و سالم رہے۔



## ملا محمد الفناری

عہد بایزید یلدرم سلطان روم کے مشہور و سربر آوردہ علماء میں سے ہیں۔ عالم باعمل اور صاحب فضائل و کمالات تھے۔ ۱۵۷۰ھ میں پیدا ہوئے۔ وطن میں جمال الدین محمد اقسرانی اور پھر علامہ علاء الدین اسود شارح مغنی و وقایہ سے کسب علوم کیا اور پھر مصر میں شیخ اکمل الدین کی شاگردی اختیار کی۔ پھر روم کو لوٹ گئے۔ یہاں ان کو قاضی بروسا بنایا گیا۔ والی کو ان سے کمال محبت تھی۔ تیس سال تک قاضی رہے۔ ان کی شہرت و فضیلت کل اسلامی ممالک میں مسلمہ تھی۔ فضیلت کیساتھ اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیوی جاہ و وجاہت بھی عطا فرمائی تھی۔ چنانچہ وفات کے بعد ان کے خزانہ میں ڈیڑھ لاکھ اشرفی نقد پائی گئی تھی۔ آخر میں بارادہ حج قاہرہ پہنچے۔ بڑے بڑے فضلاء ذکر و بحث علمی کیلئے آئے اور سب ان کی فضیلت کا اقرار کر کے اٹھے۔ پہلا حج کر کے پھر قاہرہ واپس گئے اور وہاں سے بیت المقدس کی زیارت کر کے دوسرا حج کیا۔ پھر ایک تیسرا حج کیا جو اس شکرانہ میں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے دوبارہ آنکھیں بخشیں کیونکہ مرض رمہ میں ان کی بینائی جاتی رہی تھی۔

ان کی تصنیفات میں سے ایک کتاب فصول البدایع فی اصول الشرائع ہے جس میں منار و بزودی، محصول رازی اور مختصر ابن حاجب کو جمع کر دیا ہے۔ ایک الحمد شریف کی تفسیر اور ایک رسالہ نمودج العلوم نام کا ہے۔ اس میں ایک سو فن کے مسائل درج کئے ہیں۔ ابن حجر کہتے ہیں کہ مجھے سند حدیث ان سے حاصل ہے۔ نمودج العلوم کی نسبت ان کا پوتا کہتا تھا کہ میرے والد کی تصنیف ہے۔ اس کے سوا

میں نے ایک قطعہ منظومہ ملا فناری کا خود قلمی دیکھا ہے جس میں اکثر فنون بیان کئے ہیں۔ علم کا نام بطور چیتان لیا گیا ہے بڑے بڑے فاضل اس قطعہ میں چکراتے ہیں۔ اس کی شرح ان کے فرزند محمد شاہ نے کی ہے اور اپنی تصنیف کے اشعار بھی جو ویسے مشکل ہیں شامل شرح کر دیئے ہیں۔ اس طرح اور بہت سے رسالے اور اکثر کتب کے حواشی انہوں نے لکھے تھے مگر درس و قضا کے اشغال نے ان مسودات کو صاف کرنے کی بھی مہلت نہ دی۔ سید شریف کی شرح موافقت پر بھی تعلیقات لکھے اور اکثر جگہ شارح پر اعتراضات کئے تھے۔

قضائے بروسا کے علاوہ مملکت عثمانیہ کے مفتی بھی یہی ملا فناری تھے۔ لوگوں کو ان کے ساتھ تعلق قلبی کا یہ حال تھا کہ جمعہ کے دن جامع مسجد سے لیکر ان کے گھر تک آدمیوں کا ایک تختہ ہوتا تھا جو زیارت کیلئے کھڑے ہو کرتے تھے۔ جاہ و حشمت کا یہ حال تھا کہ سینکڑوں لونڈی غلام کے مالک تھے اور ہر ایک غلام امیرانہ زندگی بسر کیا کرتا تھا۔ چالیس لونڈیاں تو ایسی تھیں جو سونے کا تاج پہنا کرتیں۔ اس حشمت و جاہ پر ملا صاحب کا اپنا لباس سادہ اور ادنیٰ قیمت کا ہوا کرتا تھا۔ لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی۔ کہا، میں اپنی خوراک و لباس اپنے ہاتھ کی محنت سے مہیا کرتا ہوں۔

ایک مقدمہ میں سلطان بایزید خاں نے ان کے سامنے شہادت دی مگر انہوں نے اس کی شہادت کو اس لئے قبول نہ کیا کہ سلطان پابند جماعت نہیں۔ مگر چہ ملا صاحب نے اس سے معیار شہادت کو تو سخت کر دیا مگر سلطان کو ایسی غیرت آئی کہ پابند جماعت ہو گیا۔ کسی بات پر سلطان اور ملا صاحب میں بد مزگی ہو گئی۔ یہ قرمان چلے گئے۔ وہاں حاکم نے ہزار درہم روزانہ ان کے اور پانچ سو درہم روزانہ ان کے طلباء کے لئے مقرر کر دیئے۔ اسی جگہ ملا یعقوب اصغر نے ان سے تلمذ اختیار کیا جس پر ہمیشہ ملا فناری فخر کرتے رہے۔ سلطان ان کے چلے جانے کے بعد نادام ہو اور ان کو حاکم قرمان

کی معرفت بلا بھیجا۔ فناری چلے گئے اور سلطان نے ان کو سابقہ عہدہ پر بحال کر دیا۔ ملا فناری شیخ حاجی بہرام کے مرید تھے اور عموماً صالحین سے محبت رکھتے تھے۔ صاحب شقائق النعمانیہ نے ان کے دو اشعار اپنی تاریخ میں درج کئے ہیں جو انہوں نے شیخ عبداللطیف قدسی خلیفہ شیخ زین الدین النعمانی کی مدح میں لکھے تھے اور جو جواب انہوں نے دیا تھا۔ میں نے ان اشعار کو چھوڑ دیا ہے۔

کہتے ہیں کہ بعوض پاشا وزیر سلطان کو ان سے کچھ بغض تھا۔ جب ملا فناری کی بینائی جاتی رہی تو بعوض پاشا نے کہا، امید ہے کہ ایک روز اس اندھے بوڑھے کی نماز بھی میں پڑھوں گا۔ فناری نے سن کر کہا۔ وہ جاہل ہے۔ نماز جنازہ پڑھنا نہیں جانتا مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ مجھے شفا دیگا اور پاشا کو اندھا کر کے اس کی نماز پڑھنے کا بھی مجھے موقع عطا فرمائے گا۔ کچھ عرصہ کے بعد خدا نے ملا کو بصیر کر دیا اور پاشا موصوف میل در چشم کئے جانیکی وجہ سے پہلے اندھا ہوا اور پھر مر گیا۔ فناری نے اس کی نماز پڑھائی۔ مورخ نے ان کے نابینا ہونیکی ایک روایت بھی لکھی ہے کہ انہوں نے سن رکھا تھا کہ عالم باعمل کی چشم کو خاک نہیں کھاتی۔ انہوں نے تحقیق روایت کیلئے اپنے استاد مولانا علاء الدین اسود کی قبر کو جا کھولا۔ دیکھا تو اس طرح جسم پڑا ہوا تھا۔ جب قبر بند کرنے لگے تو ایک آواز آئی هل صدقت اعمی اللہ بصرک یہ اندھے ہو گئے۔

کہتے ہیں کہ ملا فناری اور ملا احمدی ناظم تاریخ اسکندر اور حاجی پاشا مصنف کتاب الشفاء ہمد رس تھے اور شیخ اکمل الدین کے پاس پڑھا کرتے تھے۔ ایک دن ایک ولی اللہ کو ملنے گئے۔ انہوں نے احمدی کی نسبت فرمایا کہ یہ تو شعر و سخن میں عمر ضائع کریگا اور حاجی پاشا طب میں غلطاں و پیچاں رہے گا۔ فناری کو فرمایا کہ یہ دین و دنیا اور علم و تقویٰ کا جامع ہو گا۔ جلال الدین سیوطی ان کے شاگرد ہیں اور ابن حجر ان کو اکثر علوم کا عالم

تسلیم کرتے ہیں۔ ماہ رجب ۸۳۴ھ میں وفات پائی۔





## امام احمد بن اسمعیل کورانیؒ

سلطان مراد خاں والئیے روم کے عہد میں نہایت ممتاز فاضلوں میں سے تھے۔ شیخ عارف، عالم عامل، فاضل کامل اور ولی اللہ ہونا ان کا مسلم تھا۔ اصول فقہ حنفیہ اپنے ہی وطن میں پڑھ کر قاہرہ گئے اور اسی جگہ فقہ کی تکمیل کر کے قرآن مجید کو بہ وہ قرأت حفظ و اتقان کیساتھ پڑھا۔ نیز حدیث و تفسیر میں کمال حاصل کر کے علماء عصر سے سند ات حاصل کیں۔ تکمیل حدیث کی سند انہوں نے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ سے لی تھی۔ تکمیل کے بعد قاہرہ میں درس جاری فرمایا اور جو علماء ان کے درس میں آئے انہوں نے ان کی فضیلت کا اقرار کیا۔ انہی ایام میں مولے یکان حجاز کو جاتے ہوئے قاہرہ آئے اور ان کو بلا دروم تک ساتھ لے گئے۔ جب مولیٰ یکان سلطان مراد سے ملے تو سلطان نے پوچھا کہ آپ ہمارے لئے کیا ہدیہ لائے۔ فرمایا ایک عالم جو مفسر و محدث ہے۔ سلطان نے پوچھا کہاں ہے۔ فرمایا، باہر۔ اس وقت احمد بن اسمعیل طلب ہوئے۔ سلطان ایک گھنٹہ تک ان کے ساتھ بات چیت کرتا رہا جب ان کا پایہ فضیلت معلوم ہوا تو ان کو شہر بروسا کے مدرسہ مراد غازی کا پرنسپل مقرر کیا اور پھر سلطان بایزید کے مدرسہ میں تبدیل کر دیا۔ سلطان کا فرزند محمد شہر کا حاکم تھا اور مطلق نہ پڑھتا تھا۔ سلطان نے چند استاد پے بہ پے مقرر کئے لیکن شہزادہ نے کسی سے ایک سبق تک نہ پڑھا۔ تحصیل علم تو درکنار قرآن مجید معرا سے بھی معرا رہا۔

سلطان نے چاہا کہ کوئی بارعب فاضل ملے تو اسے شہزادہ کا استاد بنائے۔

سلطان کے سامنے احمد بن اسمعیل کا ذکر ہوا۔ سلطان نے ان کو بلایا اور اپنے ہاتھ سے چھڑی دیکر تعلیم شاہزادہ پر مامور فرمایا۔ مولانا چھڑی کو ہاتھ میں لئے ہوئے شاہزادہ کے پاس گئے۔ اس سے کہا، مجھے سلطان نے تمہاری تعلیم کیلئے مقرر کیا ہے اور یہ چھڑی دی ہے کہ اگر تم میرے احکام کی تعمیل نہ کرو تو میں تم کو سزا دوں۔ شاہزادہ یہ سن کر کھل کھلا کر ہنس پڑا۔ ملا کورانی نے شاہزادہ کو پکڑ کر چھڑی سے خوب ہی اڑایا۔ شاہزادہ کے دل میں ان کا رعب جم گیا اور تھوڑے عرصہ میں قرآن ختم کر لیا۔ سلطان مراد نے ان کو انعامات سے مالا مال کر دیا۔

جب سلطان محمد خاں سریر آرائے سلطنت ہوئے تو ان کو وزارت پیش کی گئی مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ کہا، حضور کے اتنے خادم ہیں جو درجہ بدرجہ ترقی کی آرزو رکھتے ہیں اور سب کی آنکھ وزارت پر لگی رہتی ہے۔ اگر اس سلسلہ میں سے کوئی بھی نہ ہوا اور ایک ایسا شخص ہو گا جو ان میں سے نہیں تو سب کی دل شکنی ہو جائیگی۔ سلطان نے اس جواب کو پسند کیا اور ان کو قاضی عسکر کر دیا۔ انہوں نے قاضی ہو کر کاروبار قضا اپنے اقارب کے سپرد کر دیئے۔ سلطان کو یہ حرکت پسند نہ آئی مگر ازراہ شرم و ادب کچھ نہ کہا۔ وزیر سے مشورہ کیا۔ اس نے کہا آپ ان کے سامنے اوقات بروسا کی خرابی کا ذکر کیجئے، دیکھیں وہ کیا جواب دیتے ہیں۔ سلطان نے ایسا ہی کیا۔ کورانی بولے کہ اگر مجھے مامور کر دیا جائے تو انتظام ہو سکتا ہے۔ سلطان نے کہا بیشک وہاں مدت سے آپ کی ضرورت ہے۔ اس پر ان کو قاضی بروسا کر دیا گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد ان کے پاس خادم سلطان کا خط لیکر آیا۔ اس میں کئی خلاف شرع باتیں تھیں کورانی نے خط چاک کر ڈالا اور خادم کو خوب مارا سلطان اس حرکت سے سخت ناراض ہو اور ان کو معزول کر دیا۔ یہ بھی خفا ہو گئے اور مصر چلے گئے۔ وہاں ملک قاتیبائی حکمران تھا۔ اس نے ان کا نہایت ادب کیا اور کمال عزت و عظمت کیساتھ اپنے پاس ٹھہرایا۔

کچھ عرصہ کے بعد سلطان محمد خان اپنی حرکت سے پشیمان ہو اور اس نے ملک قاتیبائی کے نام فرمان لکھا کہ مولیٰ کورانی کو یہاں بھیجو۔ شاہ نے یہ فرمان کورانی کو سنایا اور یہ بھی التماس کی کہ آپ یہاں ہی تشریف رکھیں۔ میں سلطان سے بڑھ کر حضور کی خدمت کردنگا۔ انہوں نے کہا یہ سچ ہے مگر اب مجھے ہی جانا چاہیے کیونکہ مجھے سلطان کے ساتھ اور سلطان کو میرے ساتھ حد درجہ محبت ہے جو باپ بیٹے ہی میں پائی جاتی ہے۔ سلطان جانتا ہے کہ میرا قلبی رجحان اور طبعی میلان بجانب سلطان ہے۔ پس اگر میں نہ گیا تو سلطان خواہ مخواہ یہ سمجھے گا کہ تم نے مجھے روک لیا ہے۔ اس سے تمہارے تعلقات بگڑ جائیں گے۔ یہ چند روزہ بد مزگی جو طرفین میں ہو گئی تھی یہ صرف اتفاقی امر تھا۔ شاہ مصر نے اس تقریر کو پسند کیا اور نہایت تعظیم و تکریم کیساتھ رخصت کر دیا اور سلطان کیلئے بھی قیمتی تحف و ہدایا روانہ کئے۔

سلطان محمد خان نے قسطنطنیہ میں ان کی تشریف آوری کے بعد ان کو پھر قاضی بروسا کر دیا اور پھر منصب فتویٰ پر ممتاز بنایا۔ اس وقت ان کی تنخواہ بیس ہزار درہم ماہوار تھی۔ پچاس ہزار سالانہ متفرقات کو ملتے تھے۔ تحف و ہدایا مزید برآں رہے۔ آخر عمر تک نہایت عیش و آرام کے ساتھ زیر حمایت سلطانی بسر کرتے رہے۔ انہی ایام میں قرآن مجید کی تفسیر لکھی جس کا نام غایۃ الامانی فی تفسیر سبع المثانی رکھا۔ اس تفسیر میں اکثر جگہ زحشری و بیضاوی پر اعتراضات وارد کئے ہیں۔ انہی ایام میں صحیح بخاری کی شرح لکھی جس کا نام کوثر الجاری علی ریاض البخاری رکھا۔ اس میں اکثر جگہ کرمانی اور ابن حجر پر اعتراضات درج کئے۔ شرح مجہری پر نہایت لطیف حواشی لکھے۔ حدیث و تفسیر اور علوم قرآن کا درس جاری کیا اور سینکڑوں طلبہ سند فضیلت لیکر ان کے مکتب سے نکلے۔ ان کے تمام اوقات منقسم تھے اور کوئی وقت ایسا نہ تھا جو درس یا فتویٰ یا تصنیف یا عبادت سے خالی ہو۔ ان کے ایک شاگرد کا بیان ہے کہ ایک شب ان کے کمرہ

میں سویا۔ عشاء پڑھ کر انہوں نے اول سے قرآن مجید پڑھنا شروع کیا۔ بیچ میں میری آنکھ کھلی دیکھا کہ پڑھ رہے ہیں۔ پھر سو گیا۔ پھر آنکھ کھل تو دیکھا کہ سورہ ملک پر پہنچ گئے ہیں۔ غرض پو پھٹنے سے پہلے قرآن مجید ختم کر دیا۔ میں نے خادم سے پوچھا۔ وہ بولا کہ یہ تو حضرت کی عادت مستمرہ ہے۔

ملا کورانی دراز قامت مہیب شخص تھے۔ ڈاڑھی گھنی اور لمبی تھی۔ جسے رنگ کیا کرتے تھے۔ راست گوئی میں نہایت دلیر تھے۔ اور وزیر کو نام لیکر بلایا کرتے تھے۔ جب سلطان سے ملنے آتے تو صرف سلام مسنون اور مصافحہ کیا کرتے۔ نہ جھکتے نہ ہاتھ چومتے اور نہ عید کے دن ملنے جاتے۔ ایک دن سلطان بایزید خاں کو ملنے گئے۔ خادم نے آکر کہا، سلطان سلام کہتے ہیں اور التماس کرتے ہیں کہ کل تشریف لائیے۔ اگلے روز عید تھی۔ کہا، میں نہیں آؤنگا۔ خادم نے پھر آکر کہا کہ چلئے بلاتے ہیں۔ کہا، بارش کیوجہ سے کیچڑ ہو رہا ہے۔ پیدل گیا تو جرابیں خراب ہو گئی۔ خادم نے کہا، سلطان نے حضور کو اجازت دی ہے کہ دیوان خانہ تک سواری پر چلیں۔ جہاں سلطان سواری سے اترتے ہیں وہاں اتریں۔

یہ ہمیشہ سلطان کو نصیحت کیا کرتے اور کہا کرتے کہ اگر تو اپنے فرائض کو ادا نہیں کرتا تو کھانا اور پہننا تیرا سب کچھ حرام ہے۔ ایک روز ان کو سلطان کیساتھ کھانا کھانے کا اتفاق ہوا۔ سلطان نے کہا۔ مولانا آج تو آپ نے بھی حرام ہی کھایا۔ کہا، میرے طرف کا کھانا حلال اور آپ کی طرف کا حرام ہے۔ سلطان نے قاب پھر ادیا۔ اب کورانی ادھر سے کھانے لگے جدھر سے سلطان کھا رہا تھا سلطان نے کہا کہ اب تو آپ نے بھی جانب حرام سے کھالیا۔ کہا نہیں۔ اب حرام ادھر سے ادھر منتقل ہو گیا تھا اسی لئے تم کو برتن پھیر دینے کی سوجھی۔ سلطان خاموش ہو گیا۔ ایک دن لوگوں نے کہا کہ شیخ ابن الوفا ملا خسرو کو ملنے چلے جاتے ہیں اور آپ کی ملاقات کو کبھی نہیں آتے۔ فرمایا خسرو عالم

با عمل ہے اس کی زیارت ضروری ہے میں اگرچہ عالم ہوں مگر میں سلاطین سے ملتا جلتا ہوں اس لئے میرے پاس آنا ضروری نہیں۔

ان کی طبیعت کا عجیب خاصہ یہ تھا کہ حسد ذرا نہ کرتے اگر معاصرین میں سے کسی کو عہدہ منصب میں ان پر فوقیت دیجاتی اور کوئی شخص اس بارے میں ان سے کہتا تو فرمادیتے کہ انسان اپنے عیوب کو خود نہیں دیکھتا۔ اگر اسے مجھ پر فضیلت نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ اسے یہ منصب نہ دیتا۔ ایک روز انہوں نے سلطان محمد خاں کے پاس شکایت کے ضمن میں یہ حکایت سنائی کہ امیر تیمور نے کسی نہایت ضروری کام پر ایک قاصد روانہ کیا اور اسے اجازت دی گئی کہ جہاں گھوڑا بد لہنا چاہے وہاں خواہ کسی کا گھوڑا بجائے حمائلے۔ خواہ وہ شہزادہ ہی کیوں نہ ہو۔ قاصد سفر کو روانہ ہوا۔ اسے راہ میں ملا سعد الدین تفتازانی کا کیمپ ملا۔ وہ خیمہ کے اندر اترے ہوئے تھے اور ان کی سواری کے متعدد گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ قاصد نے ایک گھوڑا وہاں سے لیا اور چلنے کو تھا کہ تفتازانی کو خبر ہو گئی۔ انہوں نے خدام سے کہہ دیا کہ اسے پکڑ لو۔ نوکروں نے حسب الحکم پکڑ کر خوب زد و کوب کیا۔ قاصد مار پیٹ کھا کر امیر تیمور کے پاس واپس چلا گیا۔ امیر کو سخت غصہ آیا مگر تھوڑی دیر کے بعد کہا: ”اگر میرا فرزند شاہ رخ مرزا بھی ایسی حرکت کرتا تو میں اسے قتل کر دیتا لیکن ایسے شخص کو میں کیونکر قتل کر سکتا ہوں کہ جس شہریا ملک کو میں نے تلوار سے فتح کیا، وہاں اس کی تصنیف پہلے سے داخل و رائج تھی۔“ یہ سن کر کرمانی نے کہا کہ میری تصنیفات مکہ معظمہ تک پہنچ چکی ہیں۔ حالانکہ سلطان کی سیف وہاں نہیں پہنچی۔ سلطان نے کہا سچ ہے۔ تفتازانی کی تصانیف کو لوگ خود لکھ لکھ کر لیجایا کرتے تھے اور آپ نے خود اپنی تصنیف کو لکھا اور مکہ معظمہ بھیج دیا۔ کورانی ہنس پڑے اور اس جواب کو خوب ہی پسند کیا۔ ۸۹۳ھ کو قسطنطنیہ میں وفات پائی رحمتہ اللہ تعالیٰ۔

وفات کا قصہ بھی عجیب ہے۔ فصل بہار کی ابتدا میں انہوں نے قسطنطنیہ سے

باہر اپنا خیمہ لگوا لیا اور تمام فصل ربیع اسی میں رہے۔ پھر ایک باغ خرید اور خریف کا موسم وہیں پورا کیا۔ اور اراکین دربار اور وزراء ہر ہفتہ ان کی زیارت کو جایا کرتے۔ ایک روز صبح کی نماز پڑھ کر کہا کہ شہر کے فلاں محل میں چلو۔ اشراق کے وقت اس میں چلے گئے اور قبلہ رخ پہلوئے راست پر لیٹ گئے اور تمام قاریان شہر کو جمع کر لیا۔ کہا، تم لوگوں پر میرے کچھ حقوق ہیں اور آج ان کے ادا کرنے کا دن ہے میں چاہتا ہوں کہ نماز عصر تک مجھے قرآن مجید سناتے رہو۔ قاریوں نے قرآن مجید شروع کر دیا۔ شہر میں یہ خبر مشتہر ہو گئی۔ داؤد پاشا وزیر اعظم کو ان سے کمال محبت تھی۔ وہ یہ حالت دیکھ کر رونے لگا۔ فرمایا داؤد کیوں روتا ہے۔ کہا، حضرت بہت ہی کمزور اور ضعیف ہوئے جاتے ہیں۔ اس لئے بے اختیار رونا آتا ہے۔ فرمایا، تجھے اپنی حالت پر رونا چاہیے مجھے تو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں سلامت رکھا اور انشاء اللہ اب سلامت ہی اٹھائیگا۔ بایزید (سلطان بایزید خاں) کو میرا سلام کہہ دینا وہ خود میرے جنازے پر آئے اور تدفین سے پہلے میرا قرض ادا کر دے۔ انہی باتوں میں وقت ظہر ہو گیا۔ نماز ظہر اشارہ سے پڑھی اور وقت عصر کا اضطرابی کے ساتھ سوال کرنے لگے۔ موذن نے نماز عصر کی اذان کہنی شروع کی اور انہوں نے پہلی دفعہ اللہ اکبر سنا تو کلمہ طیب پڑھا اور روح کلمہ کیساتھ ہی پرواز کر گئی۔ سلطان نے ان کا تمام قرض قرضوں کو بلا دریافت تمسک و شہادت ادا کر دیا جو ایک لاکھ اسی ہزار ہو اور پھر خود نماز جنازہ کیلئے حاضر ہوا۔ ان کے جنازہ پر جس کثرت کیساتھ زن و مرد و اطفال تھے اور جس شدت سے عام و خاص پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے وہ ایک خاص واقعہ تھا ہر شخص یہ سمجھ رہا تھا کہ آج پدر حقیقی سر پر سے اٹھ گیا ہے۔

رحمتہ اللہ علیہ۔



## ملا مصلح الدین بروسوی المعروف نخواجہ زادہ

خواجہ زادہ کے والد یوسف بن صالح تاجر تھے اور تجارت کی وجہ سے نہایت مالدار ہو گئے۔ خواجہ زادہ کے چند بھائی تھے جو سب تجارت پیشہ تھے۔ خواجہ کامیلان طبع تحصیل علوم کی طرف تھا۔ باپ ہر چند ان کو تجارت کی طرف توجہ دلاتا اور ملا بننے سے روکتا تھا مگر ان کو تجارت کی طرف ذرا میلان نہ تھا۔ باپ نے خفا ہو کر ان کا ایک درہم روزانہ مقرر کر دیا تھا اور ان کے مقابلہ میں ان کے بھائی نہایت عیش و آرام اور خدم و حشم سے رہا کرتے۔ ایک دن ان کا والد شیخ شمس الدین سے جو عارف باللہ تھے ملنے گیا۔ اولاد بھی ساتھ تھی۔ انہوں نے خواجہ زادہ کی طرف جو میلے اور پھٹے ہوئے کپڑے پہنے تھے، اشارہ کر کے پوچھا یہ کون ہے۔ کہا، یہ بھی فرزند ہے۔ پوچھا، یہ اس حالت میں کیوں ہے۔ کہا، اس نے میرے طریق کو چھوڑ دیا ہے اس لئے میں نے نظر سے گرا رکھا ہے۔ شیخ نے تاجر کو سمجھایا مگر ان کی نصیحت بھی کارگر نہ ہوئی۔ وہ اٹھ کر چلا گیا تو شیخ نے خواجہ زادہ کو قریب بلایا۔ تسلی دی اور فرمایا کہ اصل راہ یہی ہے جس پر چل رہا ہے۔ اطمینان رکھ خدا تجھے اس رتبہ پر پہنچائیگا کہ تیرے بھائی تیری خدمت کریں گے۔ طالب علمی میں ان کی یہ حالت تھی کہ کتاب نہ خرید سکتے تھے۔ ردی کاغذوں پر اپنا سبق کسی ہم جماعت کی کتاب سے نقل کر کے لکھ لیتے۔ اسی تنگی و ترشی کیساتھ انہوں نے معتدبہ علم حاصل کر لیا۔ پھر ابن قاضی بابلوغ کی خدمت میں اصول و معانی و بیان کی تکمیل کی۔ پھر مدرسہ سلطانیہ بروسا میں حضر بک سے استفادہ کیا

اور اکثر علوم کو بہ تکمیل پہنچایا۔ استادان سے محبت کرنے لگا اور ان کو عقل سلیم سے مخاطب کرنے لگا۔ ایک روز ملا حضر بک نے ان کی سلطان مراد کے پاس سفارش کی۔ سلطان سفر کو تیار تھا۔ سردست ان کو قصبہ کسنل کا قاضی مقرر کر دیا اور سفر سے واپس ہو کر مدرسہ اسدیہ کا انتظام ان کے سپرد کیا گیا۔ اس وقت ان کی تنخواہ بیس درہم روزانہ تھی۔ یہاں چھ برس رہے اور تنگدستی سے گذران کرتے تھے۔ اسی جگہ انہوں نے شرح مواقف کو حفظ کر لیا تھا۔ جب سلطان محمد خاں تخت نشین ہوا اور علماء نے دیکھا کہ تحصیل علم کی جانب سلطان کی توجہ ہے تو دور دور سے چل کر سلطان کے پاس پہنچے۔ خواجہ زادہ نے بھی قسطنطنیہ کا ارادہ کیا مگر بوجہ تنگدستی سامان سفر کا انتظام نہ کر سکے۔ ان کے پاس ایک ترکی خادم تھا۔ وہ کہیں سے آٹھ سو درہم قرض لے آیا۔ انہوں نے دو گھوڑے خریدے ایک اپنے لئے ایک خادم کیلئے اور قسطنطنیہ پہنچے۔

محمد پاشا وزیر سے ملے۔ اس نے کہا، تم خوب آئے۔ میں سلطان سے تمہارا ذکر کر چکا ہوں۔ میں چلتا ہوں تم بھی آ جاؤ۔ اس وقت سلطان کے سامنے بحث ہو رہی ہے۔ یہ گئے اور سلام کر کے بیٹھ گئے۔ سلطان نے وزیر سے دریافت کیا، یہ کون ہے۔ کہا خواجہ زادہ۔ سلطان باخلاق پیش آیا۔ خواجہ زادہ نے دیکھا کہ سید علی اور ملازیرک بحث کر رہے ہیں۔ یہ سید علی کی جانب ہو گئے۔ سید علی تو اٹھ کر چلے گئے۔ پھر بحث انہی کے درمیان رہ گئی۔ حتیٰ کہ ملازیرک کو انہوں نے خاموش ہونے پر مجبور کر دیا اور سلطان نے بھی ان کو کہہ دیا کہ تمہاری گفتگو کچھ نہیں۔ ازاں بعد سلطان نے ملازیرک و سید علی کو تو انعامات عطا فرمائے اور ان کی نسبت کچھ حکم نہ دیا۔ یہ نہایت رنج میں بھرے ہوئے واپس آئے۔ خادم لڑ پڑا۔ کہا میاں صاحب اگر آپ کو علم ہوتا تو سلطان آپکی بھی عزت کرتا۔ نو کرنے اس روز کچھ کام نہ کیا۔ پڑ کر سو رہا۔ انہوں نے گھوڑے کی خبر بھی خود لی اور پھر مغموم و حزین ہو کر ایک درخت کے نیچے جا بیٹھے۔



اتنے میں افسر سلطانی خواجہ زادہ کا خیمہ دریافت کرتے ہوئے کمپ میں نظر آئے۔ ان افسروں کا خیال تھا کہ دیگر عمائد کی طرح وہ بھی کسی خیمہ میں ہونگے۔ لیکن ایک شخص نے انہیں بتلایا کہ وہ شخص جو زیر سایہ درخت بیٹھا ہے خواجہ زادہ وہی ہے۔ وہ آئے ان کو سلام کیا۔ پوچھا خواجہ زادہ آپ ہی ہیں۔ کہا ہاں۔ وہ بولے کیا سچ! بولے ہاں۔ کہا مدرسہ اسدیہ کے معلم آپ ہی ہیں۔ کہا ہاں پوچھا کیا ملازیرک کو آپ نے ساکت کیا ہے؟ کہا ہاں۔ پھر تو وہ آگے آئے اور ان کے ہاتھ پر بوسہ دیکر کہا سلطان نے آپ کو اپنا استاد مقرر فرمایا ہے۔

خواجہ زادہ فرماتے ہیں پہلے تو میں سمجھا کہ یہ تمسخر کرتے ہیں لیکن اسی وقت میرے لئے خیمہ لگایا گیا۔ سواری کیلئے گھوڑے، خدمت کیلئے خادم۔ لباس کے لئے قیمتی پوشاکیں موجود کی گئیں۔ سائیس گھوڑا تیار کر کے لایا کہ حضور کو سلطان المعظم کی خدمت میں چلنا چاہئے۔

خواجہ زادہ فرماتے ہیں کہ ترک غلام اب تک سو رہا تھا۔ میں نے اس کو جا کر بلایا۔ کہا اٹھ اور دیکھ کہ میری کیا شان ہے۔ خادم نے آنکھیں تو نہ کھولیں مگر جواب میں کہا مجھے سونے دیجئے۔ میں آپ کی شان دیکھ چکا ہوں۔ میں نے اسے اٹھنے پر مجبور کیا۔ وہ دیکھ کر ہکا بکا ہو گیا۔ کہا کیا بات ہے۔ میں نے کہا کہ میں خاص معلم سلطانی ہو گیا۔ خادم نے میرے ہاتھ پر بوسہ دیا اور تقصیر خدمت کی معافی کا خواستگار ہوا۔ خواجہ کے پاس علاوہ دیگر سامان کے دس ہزار درہم نقد بھی خزانہ سلطانی سے آچکے تھے۔ انہوں نے سب سے پہلے خادم کا قرض اتارا۔ پھر سلطان کی خدمت میں گئے۔ سلطان نے ان سے زنجانی پڑھی اور انہوں نے اس کی ایک شرح بھی لکھی۔ ان کے تقرب کا یہ حال ہو گیا کہ وزیر بھی اس پر حسد کرنے لگا۔

ایک روز اس نے سلطان سے کہا کہ خواجہ زادہ قاضی عسکر ہونا چاہتے ہیں۔

سلطان نے کہا وہ ہمارے پاس سے کیوں دور جانا پسند کرتے ہیں۔ وزیر اعظم نے کہا معلوم نہیں مگر ان کا منشا یہ ضرور ہے۔ ادھر ان سے کہا کہ سلطان نے آپ کو قاضی عسکر مقرر فرمایا ہے۔ انہوں نے کہا میں پسند نہیں کرتا۔ کہا سلطان حکم دے چکے ہیں۔ ان کو کام سنبھالنا پڑا۔

اس وقت ان کا والد زندہ تھا جب اس نے سنا کہ خواجہ زادہ قاضی عسکر ہو گئے ہیں۔ اول تو اسے اعتبار نہ آیا اور جب صحت خبر یقینی ہو گئی تو برسوں سے اور نہ اقبال مند فرزند کو دیکھنے کے لئے آیا۔ ان کو خبر ہوئی تو استقبال کیلئے نکلے۔ شہر کے جملہ عمائد اور علماء و افسر بھی ساتھ تھے۔ جب تاجر کی نظر ان پر پڑی تو پوچھا کہ یہ سامنے کیسا انبوه ہے۔ لوگوں نے بتلایا کہ آپ کا فرزند آپ کے استقبال کو آیا ہے۔ کہا وہ اس منصب تک پہنچ گیا۔ بولے ہاں۔ غرض جب وہ قریب پہنچے تو خواجہ زادہ گھوڑے سے اترے اور ادھر ان کے والد بھی۔ دونوں بغلگیر ہوئے۔ باپ نے عذرو تاسف کیا کہ میں نے تمہاری کچھ تربیت نہ کی۔ وہ بولے، نہیں اگر آپ مجھے زر و مال عطاء فرماتے رہتے تو میں اس منصب تک نہ پہنچتا۔ انہوں نے اپنے والد کو سلطان کے سامنے پیش کیا اور سلطان نے اسے شرف دست بوسی عطاء فرمایا۔ پھر خواجہ زادہ نے ایک بڑی دعوت دی جس میں جملہ اکابر و علماء کو مدعو کیا۔ اس دعوت میں اس قدر اکابر آئے کہ ان کے بھائیوں کو کمرہ میں نشست کیلئے جگہ نہ ملی۔ وہ خدام کی جگہ کھڑے ہو گئے۔ خواجہ زادہ نے یہ دیکھ کر کہا کہ عارف باللہ شیخ شمس الدین کی دعا پوری ہو گئی۔

بعد ازیں سلطان نے ان کو مدرسہ سلطانیہ بروسہ کا اہتمام سپرد کیا۔ ان کو استاد سلطان ہونے کا ناز تھا، نہ قاضی عسکر ہونے کا غرور۔ مگر اس مدرسہ کے مہتمم ہونے کا ضرور فخر کیا کرتے تھے۔ (اس سے اس مدرسہ کی وقعت کا اندازہ کرنا چاہیے۔) اس وقت ان کو ۵۰ روپیہ روزانہ ملتے تھے اور عمر صرف ۳۳ سال کی تھی۔ یہ قاضی

اور نہ اور پھر قاضی قسطنطنیہ مقرر کئے گئے۔ ملا عذاری کا قول ہے کہ ان کا منصب قضا پر مامور ہوتے رہنا مصیبت پر مصیبت تھی اگر وہ ان جھگڑوں میں نہ پڑتے تو ان کے علم و فضل کے نتائج (تصنیفات) کو دیکھ کر بڑے بڑے علماء دنگ رہ جاتے۔

قسطنطنیہ میں محمد پاشا وزیر ہو چکا تھا جو سید علی کا شاگرد تھا اور اسی لئے خواجہ زادہ سے خوش نہ تھا۔ اس نے سلطان سے کہہ دیا کہ خواجہ زادہ یہاں کی آب و ہوا کو پسند نہیں کرتے۔ آب و ہوا زنبق کی تعریف کرتے ہیں۔ سلطان نے کہا، بہتر وہاں کی قضاء اور مدرسہ کا اہتمام ان کے سپرد کیا جاوے۔ یہ تعمیل حکم از ببق آگئے۔ چند روز بعد پھر مستعفی ہو گئے اور عذر کیا کہ اشغال علمیہ میں بہت حرج واقع ہوتا ہے۔ مستعفی ہو کر ایک روز محمد پاشا وزیر اعظم کو ملنے گئے۔ شہر میں جس قدر علماء اور سلطانی مدارس کے مہتمم تھے سب پا پیادہ تھے اور یہ خچر پر سوار۔ وزیر ٹھاٹھ دیکھ کر حیران ہو گیا۔ مسند چھوڑ کر سامنے بیٹھ گیا۔ یہ صدر میں بیٹھے۔ جملہ علماء از راہ ادب کھڑے رہے کیونکہ سب ان کے شاگرد تھے۔ جب یہ واپس چلے گئے تو وزیر نے کہا کہ میں ان کی عزت کیا کم کر سکتا ہوں جو منصب کے ساتھ نہیں بلکہ ان کے علم سے تعلق رکھتی ہے۔

سلطان بایزید خاں نے ان کو مل کر سلطانیہ بروسا کا مہتمم مقرر کر دیا تھا۔ اس وقت ان کو سو روپیہ روزانہ ملتے تھے۔ یہاں ان کے دست راست کو کچھ آسیب ہو گیا۔ اس لئے دست چپ سے لکھا کرتے۔ پھر مفتی بروسا مقرر کئے گئے۔ عادت یہ تھی کہ جب تک کتابیں نہ دیکھ لیتے، فتویٰ نہ لکھتے۔ اگر ایک مسئلہ میں دو دفعہ بھی لکھنا پڑتا تو دونوں دفعہ کتابیں دیکھتے۔ کہا کرتے اگر میں سستی کرنے لگوں تو عادت تحقیق نہ رہے۔ کہا کرتے جب جواب مسئلہ مجھے کتب میں نہیں ملتا تو رائے سے جواب لکھ دیتا ہوں۔ یا اگر مسئلہ کی چند صورتیں ہوتی ہیں تو ان سے ایک کو ترجیح دیدیتا ہوں اور پھر کبھی نہ کبھی لکھا ہوا بجاتا ہے کہ یہی اصح ہے یا اسی پر فتویٰ ہے۔ کہا کرتے کہ اس فہم سلیم کی وجہ سے

مجھے اپنے معاصرین پر امتیاز ہے۔

ملا جلال الدین دورنی نے ان کی کتاب التہافہ کو دیکھ کر کہا تھا کہ میں بھی اس بارے میں کبھی لکھنا چاہتا تھا لیکن اس کے مقابلہ میں ضرور مجھے ہنسی میں اڑایا جاتا۔ غرائب اتفاق میں سے یہ ہے کہ انہوں نے حکم سلطانی شرح الموقف پر حاشیہ لکھنا شروع کیا۔ مباحث الوجود کے اثناء میں ان کا انتقال ہو گیا تو ملا بہاء الدین ان کے شاگرد اس مسودہ کو صاف کرنے لگے۔ ان کا بھی اختتام مسودہ کے بعد انتقال ہو گیا۔ جس لفظ پر تمام مسودہ ختم ہوتا تھا وہ لایتم المطلوب تھا۔ خواجہ زادہ کہا کرتے تھے کہ مباحث علمیہ میں میرے جیسا ڈر پوک اور کوئی نہیں۔ پوچھا گیا یہ کس طرح۔ کہا جب تک مطالعہ نہ کیا ہو تو میرے جیسا کوئی ڈر پورک نہیں اور جب مطالعہ کر لو تو میرے جیسا کوئی نڈر نہیں۔ ۱۸۹۳ھ میں وفات پائی۔ روسیہ میں دفن ہوئے۔ ان کے دو فرزند تھے۔ ایک تکمیل علم کے بعد قاضی کستل ہو گئے تھے۔ پھر ملازمت چھوڑ کر راغب تصوف ہو گئے۔ دوسرا عنفوان شباب میں ہی اپنی بہت قابلیتوں کو لئے ہوئے خاک میں جا چھپا۔

ان کے حال سے قارئین کو یہ نتیجہ نکالنا چاہیے کہ تجارت منافی علم ہے نہ کہ علم منافی تجارت۔ گزشتہ زمانہ کی بحث چھوڑ کر حال ہی کو دیکھئے کہ بغیر علم کے تجارت ہو ہی نہیں سکتی۔ آج کل تجارت میں جس قدر عزت و اقتدار ہے وہ محض علم ہی کی بدولت ہے کیونکہ بڑی سے بڑی سلطنت کی عزت و اقتدار کا اندازہ اس کی رعایا کی تجارت کی وسعت پر کیا جاتا ہے اور جس قدر زیادہ کسی ملک کی تجارت ہے اس قدر وہ تہذیب و شائستگی اور تمدن و تمول میں بالاتر ہے۔



مشائخ واصفیا



## حضرت ابو سلیمان داؤد بن نصیر الطائیؓ

پہلے علم پڑھا۔ درس فقہ کیا پھر عزلت و انفراد اور خلوت و عبادت پر لزوم کر لیا۔ ابتداء میں امام ابو حنیفہؒ کے پاس آیا جایا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ علم کلام میں کامل ہو گئے۔ ایک دن کسی شخص کی طرف کنکری اٹھا کر ماری۔ کہا ابو سلیمان! پہلے تو تم زبان درازی کیا کرتے تھے اب دست درازی بھی کرنے لگے۔ اس سے ایک سال بعد امام ہمام کی خدمت میں آتے جاتے رہے مگر نہ کسی سے کچھ پوچھتے اور نہ کسی کو جواب دیتے۔ جب سمجھ لیا کہ تکمیل علم ہو چکی اس وقت اپنی کتابیں دریائے فرات میں غرق کر دیں اور خود عبادت کیلئے مستعد ہو گئے۔ ان کے پاس تین سو درہم تھے ان ہی پر ۲۰ سال تک گذران کرتے رہے۔ کہتے ہیں ماں کے ورثہ میں ایک گھر ملا تھا اس کا جب ایک کمرہ گر جاتا دوسرے میں جا رہتے مگر تعمیر اسے کبھی بھی نہ کرایا۔

محمد بن قحطبہ کوفہ میں آیا۔ کہا، مجھے ایک اتالیق کی ضرورت ہے جو میرے بیٹے کو ادب سکھلائے، قرآن پڑھائے اور سنت نبوی بتلائے اور فقہ و نحو و ادب سے واقف بنائے۔ لوگوں نے کہا یہ سب اوصاف داؤد طائی میں جمع ہیں۔ اس نے دس ہزار درہم داؤد کے پاس بھیجے کہ یہ قبول فرماویں اور ان سے اپنی حالت درست بنانویں۔ انہوں نے سب واپس کر دیئے۔ اس کے بعد دو تھیلیاں دو غلاموں کو دیکر ان سے کہہ دیا کہ اگر داؤد نے انہیں رکھ لیا تو تم آزاد ہو۔ داؤد نے پھر بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ غلاموں نے عرض کی کہ ہم آپ کی مہربانی سے آزاد ہو جاویں گے قبول فرما لیجئے۔ کہا انکار کر دینے

سے خود دوزخ سے آزاد ہو جاؤنگا۔ اور جا کر کہدو کہ مجھے ازکانہ لینا ہی میرے حق میں بہتر تھا۔

کہتے ہیں کہ انہوں نے چالیس برس تک برابر روزہ رکھا اور گھر والوں کو بھی خبر نہ ہوئی۔ کارخانہ کو جاتے ہوئے دوپہر کا کھانا ساتھ لیجاتے اور راہ میں کسی کو دیجاتے۔ شام کو گھر روٹی کھالیتے۔ گھر والوں کو خبر نہ ہوتی کہ یہ روزہ سے تھے۔ ایک دن کسی نے کہا آپ داڑھی میں کنگھی نہیں کرتے فرمایا فرصت نہیں۔ ابو ربیع اعرج کہتے ہیں میں ایک دن ان کو ملنے گیا۔ مجھے سخت پیاس لگی۔ منکے میں دیکھا گرم پانی تھا میں نے کہا کاش! آپ پانی کیلئے اور مٹکا جدا رکھ چھوڑتے۔ فرمایا جب یہ عادت ہو جائے کہ پانی ٹھنڈا ہی پینا ہے اور کھانا عمدہ ہی کھانا ہے اور لباس نرم ہی پہننا ہے تب آخرت کیلئے تم نے کیا باقی چھوڑا؟ میں نے کہا، مجھے وصیت فرمائیے۔ فرمایا دنیا سے روزہ رکھ لے جسے موت ہی کھولے اور عام لوگوں سے اس طرح بھاگ جس طرح درندہ سے بھاگا جاتا ہے۔ اور اہل تقویٰ کی مصاحبت اختیار کر تو اس کو دیکھ لیگا کہ وہ کتنے کم خرچ ہوتے ہیں اور بھائی کی کیسی اچھی مدد کیا کرتے ہیں۔ نیز جماعت کو کبھی ترک نہ کر بس عمل کیلئے یہی کافی ہے۔

ایک دفعہ ہارون رشید کوفہ میں آیا سب قاریوں کی ایک فرست تیار کرائی اور ہر ایک کو دو ہزار درہم دینے کا حکم دیا۔ داؤد طائی کا نام بھی فرست میں تھا۔ جب نام پکارے گئے تو داؤد موجود نہ تھے۔ کہا گیا کہ ان کو خبر نہیں ہوئی۔ ہارون رشید نے کہا کہ گھر پر پہنچا دو۔

حماد بن ابی حنیفہ اور ابن سماک بولے ہم لیجاتے ہیں راستہ میں آکر ابن سماک نے کہا مناسب یہ ہے کہ ہم اس روپیہ کو جا کر ان کے پاس ڈھیر لگا دیں کیونکہ جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو، روپیہ دیکھ کر اس کی آنکھیں کھل جاتی ہیں جب دونوں ان کے پاس



پہنچے تو روپیہ سامنے رکھ دیا گیا۔ داؤد طائی بولے کہ یہ کھیل تو بچوں کیساتھ کیا کرتے ہیں۔ پھر لینے سے انکار کر دیا۔

ان کے پاس ایک لونڈی تھی جو خدمت کیا کرتی۔ ایک دن بولی اگر آپ فرمائیں تو تھوڑا سا گوشت پکا دوں۔ فرمایا ہاں۔ میرا دل بھی چاہتا ہے۔ اس نے گوشت خوب سنوار کر پکایا۔ جب سامنے لا کر رکھا تو پوچھا فلاں تیموں کا کیا حال ہے۔ کہا بدستور۔ بولے لیجاؤ! یہ گوشت بھی انہیں کھلاؤ۔ لونڈی نے کہا اتنا عرصہ ہو گیا آپ نے سالن نہیں کھایا، آپ کھالیں۔ فرمایا، تیموں کا کھایا عرش پر پہنچے گا اور میرا کھایا ہوا خاک ہو جائیگا۔ ایک دفعہ لونڈی نے روٹی آگے لار کھی۔ نہ کھائی۔ کہا کیا بھوک نہیں۔ فرمایا روٹی کھانے اور پانی پینے میں پچاس آتیوں کا وقت صرف ہوتا ہے۔

مخرب بن وثار کہتے ہیں کہ اگر داؤد طائی امم گذشتہ میں ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان کا قصہ ہم کو ضرور سنواتا۔ ان کا انتقال ۱۶۵ھ یا ۱۶۶ھ میں ہوا۔ ان کے حالات سے یہ اخذ کرنا چاہیے کہ پچھلے زمانہ میں جو صوفیا کرام گذرے ہیں وہ اپنے لئے ذریعہ معاش خود حاصل کرتے تھے اور باوجود ایسی تنگ گذران کے بھی تیموں رانڈوں کی اعانت کرنا فرض سمجھتے تھے۔ نہ یہ کہ صوفی بن کر اپنا بوجھ قوم کے سر پر ڈال دیتے اور نکھٹوں بن جاتے تھے۔ وہ کسب کو فرض سمجھتے اور عبادت کو نفل۔



## حضرت بشر حافیؓ

ان کی کنیت ابو بصر اور نام بشر بن حرث ہے۔ چھٹی پشت میں عبد اللہ عبور سے جاتے ہیں۔ عبد اللہ عبور امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر مسلمان ہوا تھا۔ بشر حافی کبار صالحین میں سے ہیں۔ ترسام ضلع مرو میں پیدا ہوئے اور بغداد میں آکر رہے۔ خاندانی امیر تھے اور چند پشت سے ان کے آباء و اجداد دیوان وزیر چلے آتے تھے۔ خود بھی ابتدائی حالت میں امیرانہ طرز زندگی بسر کرتے اور عیش و طرب میں رہتے تھے۔

ان کی توبہ کا سبب یہ ہوا کہ ایک دن ان کو راہ میں کاغذ کا پرزہ ملا جس پر آنے جانے والوں کے قدم پڑ رہے تھے۔ انہوں نے اٹھا کر دیکھا تو اللہ تبارک کا اسم پاک لکھا ہوا تھا۔ انہوں نے کاغذ کو صاف کیا بازار سے عطر خرید کر اسے معطر بنایا۔ پھر دیوار کی روزن میں احتیاط سے رکھ دیا۔ رات کو خواب دیکھا کہ کوئی کہہ رہا ہے بشر! تو نے ہمارے نام کو معطر کیا ہے۔ ہم دنیا و آخرت میں تیرے نام کو معطر کریں گے جب آنکھ کھلی تو گذشتہ اعمال کی ندامت و نفرت دل میں جوش زن تھی۔ فوراً تائب ہو گئے۔

حافی (برہنہ پا) لقب کی وجہ یہ ہے کہ ایک دفعہ جوتی کی نعل گر گئی۔ یہ لوہار کے پاس گئے۔ وہ گھبرا ہوا بیٹھا تھا۔ بولادیکھو یہ لوگ ہمیں کس قدر تکلیف دیتے ہیں۔ بشر نے سنتے ہی جوتا پھینک دیا اور عہد کیا کہ اب کبھی نہ پہنوں گا۔ کیونکہ مخلوق الہی میں سے ایک کو اس سے تکلیف پہنچی ہے۔ کہتے ہیں یہ ایک روز معافی بن عمران کو ملنے گئے۔ دستک دی۔ پوچھا کون۔ کہا بشر حافی۔ اندر سے ایک بھولی لڑکی بولی کاش! تم پانچ چھ آنہ

میں جو تا خرید لیتے تو حافی تو نہ کہلاتے۔ کسی نے بشر سے پوچھا کہ روٹی کے ساتھ کیا سالن کھایا کرتے ہو۔ فرمایا صحت و عافیت کو یاد کرتا ہوں۔ اور اسی کو سالن سمجھ لیتا ہوں۔

بشرؒ بسا اوقات یہ دعا کیا کرتے تھے اللھم ان شہر تنی لتفضحنی فی الاخرۃ فاسلبہ عنی اللی اگر دنیوی شہرت میرے لئے فضیحت آخرت کا سبب ہو تو میری شہرت کو معدوم فرما دے۔ ان کا مقولہ ہے: ”دنیا میں عالم کیلئے عقوبت یہ ہے کہ اس کی بصیرت کو رہو جائے“ فرمایا کرتے تھے: ”جو دنیا طلب کرتا ہے اسے ذلت و خواری کیلئے آمادہ ہو جانا چاہئے“ ایک بزرگ کہتے ہیں کہ بشرؒ نے اصحاب حدیث کو کہا کہ اس علم کی زکوٰۃ بھی ادا کرتے رہو۔ پوچھا زکوٰۃ کیا۔ فرمایا دو سو حدیثوں میں سے پانچ پر عمل کر لینا (جیسے دو سو درم سے پانچ درم خیرات کرنا ہے)۔ ان سے بڑے بڑے صالحین سری سقطیؒ وغیرہ نے روایت کی ہے۔ امام غزالیؒ نے اپنی اکثر کتابوں خصوصاً احیاء علوم الدین میں ان کے بہت سے اقوال درج کئے اور ان سے سند پکڑی ہے۔

۵۰ھ کو پیدا ہوئے اور چار شنبہ ۱۰ محرم ۲۲ھ کو بغداد میں انتقال فرمایا۔ ان کی تین ہمیشہ تھیں۔ مضغہ، منجہ۔ زبدہ۔ تینوں عابدہ۔ زاہدہ اور متورعہ تھیں۔ مضغہ جو سب سے بڑی تھی، بشرؒ کی زندگی میں فوت ہو گئی تھی۔ ان کو بہن کی وفات سے نہایت صدمہ پہنچا۔ اور نہایت سخت آہ و بکا کرتے رہے۔ لوگوں نے اس کا سبب پوچھا۔ فرمایا میں نے ایک کتاب میں پڑھا ہے کہ جب بندہ اپنے پروردگار کی خدمت میں قصور کرتا ہے تو اس کے انیس و جلیس کو اس سے جدا کر لیا جاتا ہے۔ دنیا میں میری انیس میری یہی بہن تھی۔

امام احمد بن حنبلؒ کے فرزند ارجمند عبداللہ کہتے ہیں کہ ایک بڑھیا والد

بزرگوار کے پاس آئی۔ کہا، جناب میں رات کو کبھی چراغ کی روشنی میں اور کبھی چاند کی چاندنی میں کاتا کرتی ہوں۔ کیا فروخت کے وقت مجھ کو بتلا دینا چاہیے کہ چاندنی میں کاتا ہوا کونسا ہے اور چراغ کی روشنی میں کاتا کونسا۔ فرمایا اگر تو دونوں میں کچھ تفاوت خیال کرتی ہے تو بتلا دیا کر۔ بڑھیا نے پھر یہ دریافت کیا کہ کیا بیمار کا کراہنا بھی شکایت میں داخل ہے۔ فرمایا، نہیں۔ بلکہ اللہ سے اشتکاء ہے۔ وہ چلی گئی تو والد بزرگوار نے فرمایا کہ ایسے سوال کرتے ہوئے میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ عبد اللہ تم اس کے پیچھے پیچھے جاؤ اور خبر لاؤ کہ یہ کون ہے میں اس کے پیچھے پیچھے چلا۔ وہ بشرؓ کے گھر میں داخل ہو گئی۔ میں نے سمجھا ان کی بہن ہے۔ واپس آکر والد بزرگوار سے ذکر کیا۔ فرمایا بخدا محال ہے کہ بشرؓ کی بہن کے سوا یہ اور کوئی ہو۔

عبد اللہ سے روایت ہے کہ مسخہ، بشر حافی کی دوسری بہن والد بزرگوار کے پاس آئی۔ کہا، ابو عبد اللہ میرا سرمایہ کل دو درہم ہیں۔ ان کی روئی خرید لیتی ہوں اور سوت کات کر نصف درہم نفع پر بیچ دیتی ہوں اور ہفتہ میں ایک درہم پر گزاران کرتی ہوں۔ میں رات کو کات رہی تھی کچھ لوگ مشعل لئے ہوئے میرے پاس سے گذرے میں نے اس کی روشنی میں دوائی سوت کات لیا۔ لیکن یہ خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ ضرور اس بارے میں مجھ پر مواخذہ فرمائے گا (کہ کیوں بلا اجازت دوسرے کی روشنی سے فائدہ اٹھایا) اب برائے خدا مجھے صورت نجات بتلائیے۔ خدا تعالیٰ تم کو بھی نجات نصیب کرے۔

امامؑ نے فرمایا کہ کل سرمایہ کو خیرات کر دے اور بالکل بے سرمایہ ہو جا تا کہ اللہ تعالیٰ اس سے بہتر تجھے عطا فرمائے۔ وہ چلی گئی تو میں نے والد بزرگوار سے عرض کیا کہ کاش آپ فرمادیتے کہ وہ اسی قدر سوت نکال دیتی۔ فرمایا لڑکے! جس درجے کا یہ سوال ہے اس کی کوئی تاویل نہ ہو سکتی تھی۔ لیکن تم یہ بتلاؤ کہ یہ کون تھی۔ میں نے کہا

مسخہ، بشر حائی کی بہن۔ فرمایا تب یہ ایسے سوال کرتی ہے۔ بشر حائی ”کہا کرتے تھے کہ میں نے ورع اپنی بہن سے سیکھا ہے جس کی کوشش ہمیشہ یہی ہوتی تھی کہ جو کھانا وہ کھائے اس میں کسی مخلوق کا احسان نہ ہو۔“

ان بزرگان دین کے حالات پر غور کرنے سے واضح ہو گا کہ ان کی بزرگی و عظمت سلوک و معرفت کے بزرگ تریں تین اسباب تھے۔ (۱) شعائر اللہ کی عظمت کرنا (۲) اپنی کمائی سے روٹی کھانا (۳) خلق خدا کو ضرر اور نقصان نہ پہنچانا۔ جب تک ان اوصاف کے حاصل کرنے کی ہمارے زمانہ کے مقدس صوفی اور بزرگوار علماء کوشش نہ فرماویں گے اور جب تک وہ ہمیشہ ایسی روٹی کی طلب میں رہیں گے جس میں ان کی محنت و خدمت کا حصہ شامل نہ ہو اس وقت تک وہ مسلم بزرگان دین کی راہ پر چلنے والے ثابت نہ ہوں گے۔ کاش افراد و اعیان قوم کو ورع کے صحیح معنی معلوم ہو جائیں اور اپنا لہو پسینہ ایک کر کے شکم پیری کرنا سیکھیں۔



## حضرت ابو عبد اللہ حرث بن اسد محاسبیؓ

مردان حقیقت میں سے ایک نامی بزرگ ہیں۔ خدا نے ان کو علوم ظاہری اور علوم باطنی کا جامع بنایا تھا۔ ورع کا یہ حال تھا کہ باپ ستر ہزار روپیہ چھوڑ کر مرے تو انہوں نے اس روپیہ کو لینے سے اس بنیاد پر انکار کر دیا کہ وہ قدریہ تھا۔ یعنی قدریہ کو مجوس امت جانتے تھے اور کہتے تھے کہ صحیح روایت میں نبی ﷺ سے ثابت ہو چکا ہے کہ مخالف مذہب کی حالت میں ورثہ نہیں مل سکتا۔ جس وقت انہوں نے اتنی بڑی رقم کثیر سے انکار کیا ہے اس وقت یہ کوڑی کوڑی کو محتاج تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب ان کے سامنے شبہ آمیز طعام رکھا جاتا اور یہ اسے کھانا چاہتے تو انگلیوں کو پسینہ آجاتا کرتا تھا۔ ایک دفعہ ان سے عقل کے معنی دریافت کئے گئے۔ فرمایا، عقل ایک نور خالص ہے جو تجارت سے زیادہ ہوتا اور علم و حلم سے قوت پاتا ہے۔ کہا کرتے تھے کہ تین باتیں گویا ہم لوگوں میں سے جاتی رہی ہیں۔ اول کشادہ روئی جس کیساتھ احتیاط بھی شامل ہو۔ (۲) خوش گفتاری جس کیساتھ صفت امانت بھی لگی ہوئی ہو (۳) برادرانہ برتاؤ جس کے ساتھ وفاداری بھی ہو۔

یہی پہلے شخص تھے جنہوں نے صوفی اور محدث ہو کر علم کلام میں مستقل تصنیف کی بناء ڈالی۔ امام احمد بن حنبلؓ تو ان کی اس حرکت سے اس قدر ناراض ہوئے کہ میل ملاپ ہی چھوڑ دیا۔ امام کا گمان تھا کہ جب فرقہ مبتدع کا رد کیا جاتا ہے تو مصنف کو پہلے ان کے دلائل و اعتراضات و شبہات کا بیان کر دینا اور پھر جواب لکھنا ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ جس عمدہ عبارت میں یہ مصنف مخالف کے شبہات و

اعتراضات کو لکھ سکا ہے ایسی عبارت میں مخالف نہ لکھ سکتا نہ بیان کر سکتا۔ اور ممکن ہے کہ کسی شخص کے دل میں وہ شبہ یا اعتراض پڑھتے ہی جانشین ہو جائے مگر اس کا جواب پسند نہ آئے تو ان صورتوں میں روکنا گویا خود اس کو رواج دینا ہے۔

کہا کرتے تھے امام رحمۃ اللہ علیہ کی یہ باریک بینی بھی بجائے خود صحیح ہے لیکن جواب نہ لکھنا اور رد نہ کرنا اس وقت تک ہی مفید ہوتا ہے جب معترض حامی ہو اور فتنہ کے پھیلانے کا ڈر نہ ہو لیکن جب عام لوگ گمراہ ہو چلیں اور علماء خاموش ہو رہیں تو اس وقت اگر بینم کہ نابینا و چاہ است + و گر خاموش بنشینم گناہ است کا مصداق ثابت ہو گا۔ اس بزرگوار نے جس طرح علم کلام میں تصنیفات لکھیں، اسی طرح علم سلوک کے متعلق بھی کچھ مفید کتابیں تحریر فرمائیں اور اس علم میں ایک روح تازہ ڈال دی۔

شرح بیان یہ ہے کہ صحابہ اور تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بعد ایک ایسا گروہ قائم ہو گیا تھا جنہوں نے تعمق و تشدد میں پڑ کر احتیاط اور کسر نفس کے وہ معنی قرار دے لئے تھے جو شرع کے مقصود سے بالاتر تھے۔ یہ لوگ حکیم کی دوا کا استعمال تو کرتے تھے مگر وزن دوا اور موسم کی رعایت وغیرہ کو فضول سمجھتے تھے۔ انہوں نے خیال کیا کہ انسان کیلئے نفس اور عادت اور رسم بڑے موانع ہیں۔ اس لئے ان کا قلع قمع کر دینا چاہئے۔ یہ قرار دیکر طعام لذیذ، لباس نرم اور جماع وغیرہ کو یکلخت چھوڑ دیا اور صرف اس قدر طعام پر کفایت کر لی جس سے سانس باقی رہے۔ حب جاہ و مال کے فراموش کیلئے سنسان جنگلوں اور غیر آباد پہاڑوں کی سیاحت و سکونت اختیار کر لی۔ جس کا نتیجہ ہمیشہ خوفناک اموات ہوتا تھا۔ غرض ایسی طبیعت بنالی کہ نہ ان کا دنیا کیساتھ لگاؤ رہا اور نہ دنیا کو ان سے کچھ رسم و راہ باقی رہی۔ قوت ادراک کو ریاضت کر کے ایسا بنا لیا کہ حدیث نفس کا دل میں گذر ہی نہ ہو سکے اور معانی اذکار کے سوا کوئی وہم تک نہ آسکے عبادت و معاملات میں فقہاء کے اختلاف و شبہات کو نظر انداز کر کے اپنے اوقات کو ایسا معمور

کر لیا تھا جس سے بڑھ کر تصور میں نہیں آسکتا۔ غرض یہ ایک عامیانه تصوف تھا جس میں ریاضت کا کوئی اندازہ مقرر نہ تھا اور اول و آخر راہ کی کچھ تمیز نہ تھی۔

حرف محاسبی نے سب سے پہلے اس طریقہ پر نگاہ ڈالی اور اس کی درستی کے متعلق چند قاعدے مرتب کئے۔ تاہم ایک مخلوط جیسی کیفیت رہی۔ ان کے بعد جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اس طریقہ کو اور بھی درست بنایا اور سلوک کی بناء لطائف خمسہ یعنی نفس، قلب، عقل، روح اور سر پر ڈالی گئی۔ جسم انسان کے اندر ہر ایک لطیفہ کیلئے مقام اور اس کی خاصیت اور طریقہ تہذیب مقرر کیا۔ چنانچہ نفس و قلب و عقل کی تہذیب کا نام اصطلاحاً طریقت رکھا اور روح و سر کی تہذیب کا نام معرفت قرار دیا۔ قوت القلوب کے مصنف جن کو صوفیہ میں وہی درجہ حاصل ہے جو فقہاء میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو، انہوں نے بھی حضرت جنید کے طریقہ کو ہی پسند کیا اور انہیں وجوہ سے حضرت جنید کا لقب سید الطائفہ ہو گیا۔

خواجہ عبدالخالق عجدوائی نے آٹھ اصطلاحیں اور قائم کر کے طریقت کی بنیاد کو ان پر قائم کیا جو یہ ہیں (۱) ہوش دردم (۲) نظر بر قدم (۳) سفر در وطن (۴) خلوت در انجمن (۵) یاد کرد (۶) بازگشت (۷) نگہداشت (۸) یادداشت۔ خواجہ نقشبندی احرار رحمۃ اللہ علیہ نے تین اصطلاحیں اور زیادہ فرمائیں: وقوف زمانی، وقوف قلبی، وقوف عددی۔ اب ان کی مختصر طور پر تعریف سنو۔

ہوش دردم کے معنی ہر دم کی ہوشیاری ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہر سانس پر یہ تجسس رکھنا کہ غافل ہوں یاذاکر۔

نظر بر قدم سے یہ مراد ہے کہ چلتے پھرتے ادھر ادھر نہ دیکھے بلکہ نظر کو پریشانی سے بچانے کیلئے قدم پر ہی جمائے رکھے۔

سفر در وطن سے مراد یہ ہے کہ بشری صفات خسیہ سے ملکوتی صفات فاضلہ کی



طرف نقل مکانی کرتا ہے۔

خلوت در انجمن سے یہ مراد ہے کہ جمیع حالات بشری میں رہ کر بھی اللہ تعالیٰ سے مشغول رہے۔ یاد کر دے مطلب یہ ہے کہ جس ذکر کی تعلیم مرشد نے دی ہو اس کا تکرار کرتا رہے۔ بازگشت سے مطلب یہ ہے کہ ذکر کے اندر مناجات کرے اور مناجات کے بعد ذکر اسی طرح مکرر کرتا ہے۔

نگاہ داشت خطرات نفس اور احادیث خاطر کے دور کر دینے سے مراد ہے۔ یاد داشت اس توجہ سے مراد ہے جو واجب الوجود کی حقیقت پر الفاظ اور تخیلات سے خالی ہو کر کی جاوے۔

وقوف زمانی ہوش در دم کے قریب قریب ہے۔ فرق یہ ہے کہ ہوش در دم مبتدی کیلئے مناسب تر ہے اور وقوف زمانی متوسط کیلئے۔

وقوف عددی کا تعلق یاد کر دے ہو سکتا ہے اور مطلب یہ ہے کہ شمار ذکر طاق پر رکھے نہ جفت پر۔

وقوف قلبی سے مراد توجہ کو اس دل کی طرف جو سینہ میں جانب چپ ہے، منعطف رکھنا ہے۔

مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے لطائف کو چھ قرار دیکر ہر ایک کے مقام اور رنگ کا تعین فرمایا اور انتساب و ارتباط کی نسبت کو قوی کر دیا۔ لطائف کی بحث وغیرہ کا بیان طویل ہے اور اس جگہ ہمارے مقصود سے بھی بعید ہے۔ اس قدر ذکر سے صرف یہ دکھلانا تھا کہ طریقہ سلوک جس پر صوفیہ چل رہے ہیں اور کتابیں لکھی جاتی ہیں اس کی بنیاد حرث محاسبی نے ڈالی تھی۔ زہد و سلوک میں ان کی متعدد کتابیں ہیں اور شیخ جنید رحمۃ اللہ علیہ کیساتھ اکثر جوان کی گفتگو ہوتی رہی وہ بعض کتب میں مفصل درج ہے۔ انہوں نے ۲۴۳ھ میں انتقال فرمایا۔ آخر میں ایسی عزلت گزینی

اختیار کر رکھی تھی کہ جنازہ کی نماز پر بھی صرف چار شخص ہی پہنچے۔ محاسبی لقب کی وجہ یہ ہے کہ اپنے نفس کا خود حساب کر لیا کرتے اور اپنے اعمال پر روزانہ نظر ڈال لیتے تھے۔



## امام الاولیاء سید عبدالقادر جیلانیؒ

عبدالقادر نام اور ابو صالح کنیت ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب منجانب والد بزرگوار امام حسنؒ تک اور منجانب والدہ مکرمہ حسینؒ تک منتہی ہوتا ہے نسب عالی اس طرح ہے۔ شیخ عبدالقادر بن سید موسیٰ بن سید عبداللہ بن یحییٰ الزاہد بن سید محمد بن سید داؤد بن سید موسیٰ بن سید عبداللہ بن سید موسیٰ الجون بن سید عبداللہ المحض بن حسن ثنیٰ بن امام حسن سبط الرسول علیہ السلام۔

امام حسنؒ: ولادت نصف رمضان ۳ھ انتقال ربیع الاول ۵۹ھ۔

امام حسن ثنیٰ شوہر فاطمہ دختر امام حسینؒ) وفات ۶۹ھ۔

عبداللہ محض: پہلے بزرگ ہیں جو جانبین (پدر و مادر) سے فاطمی ہیں اور شیخ بنو ہاشم کے لقب سے ملقب۔

موسیٰ الجون سانولے رنگ کیوجہ سے جون کہلائے۔ تاریخ میں نہایت نام آور ہیں الغرض حضرت کا سلسلہ نسب سلسلۃ الذهب ہے۔ بعض حساد نے حضرت کے حسنی ہونے کا انکار اس لئے کیا کہ حضور شیخ کے لقب سے مشہور تھے۔ ان کو معلوم نہیں کہ زبان عرب میں شیخ کسی ذات یا قبیلہ کیلئے مستعمل نہیں۔ بلکہ اسم شیخ تو فضائل ذاتی اور کمال اصلی اور حکومت ظاہری یا باطنی کے اظہار کیلئے استعمال کیا جاتا ہے۔ آپ کی ولادت گیلان میں ۴۰ھ یا ۴۱ھ ہوئی۔ آخر سنہ زیادہ صحیح ہے۔ ۹۱ سال کی عمر پائی اور ۵۶۲ھ کو ارتحال فرمایا۔ کسی شاعر کا قول ہے۔

سین کامل و عاشق تولد و فاقش داں کہ معشوق الہی  
گیلان سے آپ تحصیل علم کیلئے بغداد میں آئے۔ اس سفر کیلئے والدہ مکرمہ نے  
چند اشرفیاں ان کی صدوری میں سی دیں۔ آخری وصیت ان کی یہ تھی کہ بیٹا کبھی جھوٹ  
نہ بولنا۔ جس قافلہ کیساتھ آپ سفر کر رہے تھے اس پر رہزن پڑے۔ ایک ڈاکو نے ان  
سے پوچھا کہ لڑکے تیرے پاس بھی کچھ ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ اتنی اشرفیاں ہیں۔ وہ  
بولا کہاں۔ فرمایا یہ میری اندر کی صدوری میں ہیں۔ اس نے تلاشی لی اور اشرفیاں نکل  
آئیں۔ ڈاکو حیران رہ گیا۔ پوچھا، تو نے کیوں بتلایا۔ فرمایا میری والدہ نے کہا تھا کہ  
جھوٹ نہ بولنا۔ وہ آپ کو اپنے سردار کے پاس لے گیا۔ سردار پھر اس واقعہ کا اتنا اثر ہوا  
کہ اس نے قافلہ کا کل مال مغصوبہ واپس کر دیا اور خود تائب ہو گیا۔ یہ واقعہ آپ کی  
کرامات میں شمار ہوا۔

آپ نے نظامیہ میں تکمیل علوم کی اور ۱۳ علوم میں آپ کو دستگاہ کامل حاصل  
تھی۔ پھر خود اپنا درس جاری فرمایا۔ صبح و شام تفسیر اور حدیث اور مذہب و اخلاقیات اور  
اصول و نحو کا درس دیا کرتے تھے۔ ابتداً شافعی المذہب تھے۔ بعد ازاں امام احمد بن حنبل  
رحمۃ اللہ علیہ کے اصول پر جملہ مسائل کا استنباط قرآن مجید اور حدیث پاک سے فرمایا  
کرتے اور بس۔ درس کے بعد ریاضات و مجاہدات کا شوق غالب ہوا اور برسوں تک بابل  
کے کھنڈرات میں گمنامی کے ساتھ مصروف عبادت و ریاضات رہے۔ اس درجہ کی  
تکمیل کے بعد پھر بغداد میں تشریف لائے۔ درس علوم کیساتھ درس توحید کو بھی  
شامل فرمایا۔ دنیائے اسلام میں آپ کی شہرت و عظمت کا آوازہ پھیل گیا اور تھوڑے  
عرصہ میں آپ مرجع الخلاق ہو گئے۔

علماء عراق مسائل مشککہ میں آپ سے ہدایت حاصل کیا کرتے تھے۔ ایک  
فتویٰ پیش کیا گیا کہ ایک شخص نے طلاق بائن کی قسم کھالی کہ اگر وہ زمین پر تنہا ایسی

عبادت نہ کرے جسے اور نہ کر رہے ہوں تو اس کی بیوی کو طلاق ہوگی۔ کسی عالم کی سمجھ میں اس کا جواب نہ آیا۔ پیران پیر نے فرمایا۔ وہ مکہ معظمہ جائے اور مطاف کو خالی کر کر طواف کرے قسم پوری ہو جائیگی۔ سب نے اس جواب کو پسند کیا اور سب بحان من انعم علیہ زبان سے ادا کیا۔ (پاک ہے وہ ذات جس نے اس بندہ پر یہ انعام فرمایا)

فرمایا کرتے کہ بعض اوقات مجھ پر ایسے ایسے باطنی بار گراں آکر پڑے ہیں کہ اگر پہاڑ پر آگرتے تو وہ بھی ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ میں اس وقت اپنا پہلو خاک پر رکھ دیتا ہوں۔ اور یہ آیت مبارکہ پڑھا کرتا ہوں۔ ان مع العسر یسر ان مع السر یسر۔ اللہ تعالیٰ اس بوجھ کو دور فرما دیتا ہے فرمایا۔ ایام ریاضات کا ذکر ہے کہ ایک روز میں سر و پا برہنہ سر بھرا اگشت کر رہا تھا۔ کانٹے پاؤں چوم رہے تھے۔ آفتاب کی تمازت سر کی چھتری بنی ہوئی تھی۔ میں اپنی حالت میں محو تھا چلتے چلتے یہوش ہو کر گر پڑا۔ کچھ لوگ وہاں پہنچ گئے۔ انہوں نے مجھے مردہ سمجھا آبادی میں لائے۔ دفن کفن کی تیاری کر لی گئی۔ جب مجھے غسل کیلئے تختہ پر ڈالا گیا تو پانی پڑتے ہی مجھے ہوش آ گیا اور اٹھ بیٹھا اور سمجھا کہ لطف ربانی سے حیات تازہ عطا ہوئی ہے۔

آپ کے عہد میں ایک صالح نے دعویٰ کیا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کو پچھتم سر دیکھا ہے اسے حضور کے سامنے لایا گیا۔ حضور نے اسے جھڑکا اور توبہ کیلئے ارشاد فرمایا۔ وہ تائب ہو گیا لوگوں نے پوچھا کیا یہ کاذب ہے۔ فرمایا نہیں اس کی بصیرت پر تجلی ربانی ہوئی اور بصیرت کا انعکاس بصر پر ہوا اور اس نے سمجھا کہ یہ واقعہ رؤت بصری ہے۔ حالانکہ بصیرت اور شے ہے۔ اور بصر اور شے۔ بعد ازاں یہ آیت پڑھی مرج البحرین یلتقیان بینہما برزخ لا یبغیان اہل علم محظوظ ہوئے اور اہل دل نے حظ عظیم حاصل کیا۔

فرمایا، ایک بار میرے سامنے نور عظیم جلوہ ریز ہوا۔ وہ سارے آفاق پر چھایا ہوا تھا۔ آہستہ آہستہ یہ نور مجھ سے قریب تر ہوتا گیا۔ اور پھر آواز دی: ”اے عبدالقادر میں تیرا رب ہوں۔ اور میں جملہ محرمات تجھ پر حلال کرتا ہوں۔“ میں نے کہا: ”دور ہو، دور ہو لعین“ یہ کہتے ہی وہ نور تاریکی سے بدل گیا اور بڑی بو نکلی۔ پھر آواز آئی کہ عبدالقادر تو اپنے علم کی وجہ سے میرے داؤ پیچ سے بچ نکلا۔ ورنہ میں ستر نامور شخصوں کو گمراہ کر چکا ہوں۔ میں نے کہا۔ میں کون۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا احسان ہے۔ لوگوں نے پوچھا حضور کیونکر سمجھے کہ وہ شیطان ہے۔ فرمایا۔ اس کے یہ کہنے سے کہ محرمات کو تجھ پر حلال کرتا ہوں۔

فرمایا کرتے کہ فقیر صابر غنی شاکر سے بہتر ہے اور فقیر شاکر دونوں سے بہتر۔ فقیر صابر و شاکر سب سے افضل ہے۔

لوگوں نے پوچھا حسن خلق کسے کہتے ہیں۔ فرمایا مطالعہ حق اور استغفار نفس کے بعد تجھے خلق خدا کے جو روجہا کا احساس نہ ہو اسے حسن خلق کہتے ہیں۔

پوچھا کیا بقا کسے کہتے ہیں۔ فرمایا بقا کا تعلق لقا سے ہے اور لقا کی حالت کلح البصر او اقرب ہوتی ہے۔

فرمایا کرتے، ذا کر محبت ہے اور ذکر الہی پر دل لگانے والا محبوب۔ دنیا تیرے لئے حجاب ہے اور تیرا نفس اللہ کیلئے حجاب ہے۔

شیخ علی بن ہبیتسی کا قول ہے کہ شیخ عبدالقادر کا طریق تجرید توحید اور تفرید توحید کا ہے وہ عبودیت میں قائم الاحوال ہیں۔ اور یہ وقوف نہ کسی شے کیلئے ہے اور نہ کسی کی معاونت سے ہے۔ شیخ بقا بن بطور کا قول ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کا طریقہ اتحاد و قول و فعل کا طریقہ ہے اس طریقہ میں اخلاص و تسلیم کا معانقہ ضروری ہے۔ یہ طریق ہے کہ ہر ایک خطرہ اور واردات قلبی اور مشاہدات میں موافقت کتاب و

سنت لازمی ہے۔

اکثر اولیاء کا قول ہے کہ حضرت توحید و صفا اور حکمت و حال کا طریقہ ہے شریعت کی پابندی ظاہر و باطناً ضروری ہے قلب فارغ، نفس غائب اور رب حاضر کیساتھ معاملات کی ترقی ہوتی ہے۔

ابوالفتح ہرویؒ کہتے ہیں مجھے ایک شب حضرت کیلئے حجرہ خاص میں رہنے کا اتفاق ہوا۔ اول شب ہلکے ذکر میں مشغول ہو گئے اور ثلث شب تک ذکر کرتے رہے پھر نوافل کیلئے کھڑے ہو گئے اور تلاوت شروع کر دی۔ ثلث دوم اس طرح پوری کر دی۔ اس نماز میں سجدات بہت ہی لمبے لمبے ہوتے تھے۔ بعد ازاں قبلہ رخ بیٹھ گئے اور دعائے مانگنے لگے۔ دعائے ذلل و بیقراری کا نمونہ تھی۔ میں سمجھتا تھا کہ حضرت پر نور اتر رہا ہے جس سے میری نگاہ چکا چوندرہ جاتی۔

خاصان بارگاہ کو بایں الفاظ نصیحت فرمایا کرتے :

اتبعوا ولا تبتدعوا و اطیعوا ولا تخرقوا و تطہروا من الذنوب ولا تلطخوا  
اتباع کرنا سیکھو۔ بدعت کے کام مت نکالو۔ اطاعت کیا کرو۔ الگ راہ اختیار  
نہ کرو۔ گناہوں سے طہارت حاصل کرو۔

وعن باب مولا کم لا تتبرجوا و اصبروا ولا تجتزعوا و اثبتوا  
ان میں آلودہ نہ ہوا کرو۔ اپنے مالک کے آستانہ پر ڈٹے رہو۔ صبر رکھو۔ بے  
صبری سے پھوٹا ثابت قدم رہو۔

ولا تتفرقوا ولا تستیا سوا و اجتمعوا علی الذکر ولا تتفرقوا  
تفرقہ سے بچو۔ رحمت الہی سے مایوس نہ ہو۔ ذکر الہی کیلئے اکٹھے ہو جایا کرو اور

فرقہ نہ بنو۔

آپ کی تعلیم تھی : اپنی نفسانیت سے علیحدہ ہو جاؤ۔ اور دعویٰ ملکیت سے دست

بردار رہو۔ اور سب اشیاء کو مالک کے سپرد کرو۔ اور اپنے دل کے دروازہ پر دربان بن کر بیٹھ جاؤ۔ جسے اندر جانے کی اجازت ہے اسے اندر جانے دو۔ اور جسکے لئے اجازت نہیں اسے روکو۔ اور یاد رکھو کہ ہوا و خواہش کو قلب کے اندر نہ جانے دو۔ یہ تجھے ہلاک کر دیگا۔

فرمایا کرتے: اپنے احوال کی شکایت کسی دوسرے سے مت کرو۔ نہ دوست سے نہ قرابتی سے ایسا کرنا تو اللہ تعالیٰ کی شکایت کرنا ہے۔ ہاں کسی مخلوق پر اعتماد اور بھروسہ نہ رکھو اور کسی سے کچھ سوال بھی مت کرو۔ اور کسی کو دلکی حالت بھی مت بتا۔ یاد رکھو کہ رب کے سوا کوئی فاعل نہیں۔ اسی کے قبضہ میں شے کی مقدار ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ تجھے ضرر کیلئے گرفت کرے۔ تو اس کے سوا اور کوئی اس حال کا دور کرنے والا بھی نہیں۔ فرمایا کرتے۔ شاہان کے دربار میں لوگ جب جاسکتے ہیں کہ صاف و پاکیزہ ہوں پھر شاہنشاہ حقیقی کے دربار میں عصیان کی نجاستوں اور شرک کی آلودگیوں کے ساتھ کیونکر داخلہ مل سکتا ہے۔

فرمایا کرتے: اگر تیرے دل میں کسی شخص کی محبت یا بغض ہو تو اس کے اعمال کو کتاب و سنت کے سامنے لاؤ۔ اگر اس کو سوٹی پر اس کے پسندیدہ ہوں تو اس سے محبت کیا کرو۔ اور اگر مکروہ ثابت ہوں تو خود بھی اس سے کراہت رکھو۔ اگر ایسا نہ کرو گے تب تمہاری محبت یا بغض کی بنیاد ہوئے نفسانی ہوگی اور اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ ولا تتبع الہوی فیضلک عن سبیل اللہ ہوئے نفس (خواہش) کی پیروی نہ کرو تجھے اللہ کی راہ سے گمراہ کر دے گی۔

فرمایا کرتے: ابتلاء کا بطور عقوبت و عذاب ہونا اس طرح ثابت ہو جاتا ہے کہ صبر جاتا رہے اور خلقت کے سامنے وہ شخص آہ و زاری کیا کرے۔ اور ابتلاء کا بطور کفارہ گناہ ہونا اس طرح ثابت ہوتا ہے کہ صبر جمیل کے ساتھ اس کی برداشت ہو۔ نہ شکوہ



ہونہ شکایت نہ گریہ ہونہ زاری۔

طریق معاشرت: آپ کا طریق ماند و بود ظاہراً امیرانہ ہوا کرتا تھا۔ نہایت مکلف لباس زیب تن فرماتے جو پارچات خلیفہ وقت کیلئے تیار ہو کر آتے انہی کا استعمال خود بھی فرمایا کرتے۔

آپ کی عظمت: آپ کے عہد سے لیکر آج تک جس قدر اہل کمال اور اہل علم و فضل گزرے ہیں وہ سب کے سب آپ کی جلالت شان اور رفعت و دستگاہ کے معترف رہے ہیں۔ اہل حدیث، اہل فقہ، اہل کلام اور اہل تصوف سب نے آپ کا امام ہونا تسلیم کیا ہے۔ حتیٰ کہ پیران پیر کا لقب عالی آپ ہی کیلئے علم و معرفہ بن گیا ہے۔

شیخ سعدی شیرازی (المولود ۷۵۷ھ) نے بھی نظامیہ بغداد ہی میں تعلیم پائی تھی جہاں حضرت پیران پیر بھی متعلم و معلم رہے تھے۔ سعدی کی ولادت آپ کی وفات سے ۱۳-۱۴ سال بعد کی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس قریب ترین زمانہ میں بھی لوگوں میں حضرت کے اقوال و افعال مشہور و معروف تھے گلستان میں ہے۔ ”عبدالقادر جیلانی راویدند کہ سربہ سنگ زیر ہائے کعبہ نہادہ میگفت کہ اے خدائے اگر من لائق بخشاش خستیم مرادر روز قیامت ناپینا بردار تار روئے نیکاں شر مسار نہ باشم“۔

جو لوگ زیارت کعبہ (زادھا اللہ شرفا و تعظیما) سے مشرف ہو چکے ہیں۔ انہوں نے دیکھا ہوگا کہ صحن کعبہ میں پتھر کی کنکریاں بچھی ہوئی ہیں۔ مسجد نبویؐ میں کنکریوں کے پھانے کا دستور گل ولایتی سے بچنے کے لئے نکلا تھا اور نبی ﷺ نے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے اس فعل کا استحسان فرمایا تھا۔ عمر فاروقؓ کے عہد میں حرمین کی ہر دو مساجد عالیہ کے صحن میں بھی کنکریاں بچھائی گئیں۔ یہ جلد ٹھنڈی ہو جاتی ہیں اور دھوپ کا اثر ان سے جلد زائل ہو جاتا ہے۔ لوگ ان کنکریوں پر جانماز، مصلیٰ وغیرہ کا فرش کر کے نماز پڑھا کرتے تھے۔ حضرت پیران پیر کے اظہار افتقار و عبودیت پر نگاہ

کرو کہ ان کنکریوں پر کوئی کپڑا نہیں بچھایا۔ غور کرو ان الفاظ پر۔ ان سے کس قدر تذلل اور احتقار نفس اور کبریائی مسجود کا اظہار ہوتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے سعدی رحمتہ اللہ کے نزدیک حضرت کی صد ہا کرامات میں سے سب سے بڑی کرامت تھی۔ جسے انہوں نے اپنی بے نظیر تصنیف گلستاں کیلئے انتخاب فرمایا کہ حضرت کے مقام عبودیت کو کھلی روشنی میں دکھلادیا جائے۔ درحقیقت ہر ایک بزرگ کی بزرگی اور ہر ایک رفیع الذکر کی رفعت دستگاہ مقام ہی پر منحصر ہے: اللہم ارزقنا منہ نصیباً وافراً۔

حضرت کی تصانیف میں سے زیادہ مشہور غنیۃ الطالبین اور فتوح الغیب ہیں جس شخص نے فتوح الغیب کو غور اور تدبر سے نہیں پڑھا، وہ حضرت سے بالکل نا آشنا ہے۔ اس کتاب میں علم و حکمت اور اسرار و معرفت کے لطائف عالیہ درج ہیں اس کتاب سے انسان اسلام کا فرق تصرف یونانیہ و ایرانیہ و ہندیہ سے معلوم کر سکتا ہے۔ فتوح الغیب سے واضح ہے کہ حضرت نے اہل مجاہدہ و محاسبہ کو مندرجہ ذیل دس نصیحتیں فرمائیں تھیں۔ اور فرمایا کہ ان خصال کی پابندی سے منازل عالیہ تک رسائی ہو جاتی ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کے پاک نام کی قسم نہ کھاؤ۔ احتیاط رکھو کہ سہواً بھی تمہاری زبان سے حلف باللہ کا لفظ نہ نکلے۔ اس خصلت کا نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے انوار کا ایک دروازہ اس کے قلب پر کھول دیا جاتا ہے رفعت پایہ حاصل ہوتی ہے اور عزم و ارادہ میں قوت و استحکام آ جاتا ہے۔

۲۔ جھوٹ سے بچو۔ ہنسی مذاق میں بھی جھوٹ کا استعمال نہ کرو۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شرح صدر فرمائے گا اور علم صافی عطا کریگا۔

۳۔ ایفائے وعدہ کرو۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ سخا و حیا کے مراتب تم پر آشکارا ہو جائیں گے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کیلئے لعنت کا لفظ استعمال نہ کرو۔ ابرار و صادقین کے اخلاق کا یہی

نمونہ ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی حفظ آبرو فرماتا ہے اور گزند خلق سے اسے مامون کر دیتا ہے۔

۵۔ کسی کے لئے بددعا نہ کرو۔ جو رو ستم کے برداشت صبر کیساتھ کیا کرو۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ محبت عامہ اور قبولیت عامہ کا منصب اسے مخلوق میں مل جاتا ہے۔

۶۔ اہل قبلہ میں سے کسی کے مشرک یا کافر منافق ہونے کی قطعی شہادت نہ دو۔ اس میں اتباع سنت نبوی ہے۔ اور اسی بات سے علم الہی میں مداخلت کرنے سے انسان بچ سکتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ رحمت عامہ کے فیضان سے اسے بھی حصہ کثیر مل جاتا ہے۔

۷۔ معاصی سے ظاہری، ہوں یا باطنی۔ بالکل قطع نظر کرے اور جو ارح کو بھی بچائے۔ نتیجہ یہ ہے کہ قلب و جو ارح کو اس کا اثر تام جلد جلد ہو جائے گا۔

۸۔ اپنی معیشت و روزی کا بوجھ کسی مخلوق پر نہ ڈالے۔ اس عادت مبارکہ سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی خدمت بخوش اسلوبی ادا ہو سکتی ہے۔ اور اسی میں کمال عزت ہے۔ اسی سے یقین اور اعتماد علی اللہ کی صفات کی تکمیل ہوتی ہے۔

۹۔ ابن آدم سے ذرا بھی طمع نہ رکھے۔ عزت بزرگ غنا خالص یقین صافی اور توکل شافی اسی خصلت میں ہے۔ زہد و ورع کا حصول اسی بات پر منحصر ہے۔

۱۰۔ تواضع اور مدارات کو اپنی عادت بنائے۔ اسی خصلت میں جملہ طاعات شامل ہو جاتی ہیں۔ اس میں علو منزلت ہے۔ یہی کمال تقویٰ ہے اور منازل صالحین تک رسائی اسی خصلت سے ممکن ہے۔

مرض الموت کا حال :- مرض الموت میں فرزند اکبر سیف الدین عبدالوہاب کو فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ تمہیں وصیت کر جاؤں کہ میرے بعد تمہارا عمل کیا ہوتا چاہئے: اللہ تعالیٰ کا تقویٰ لازم پکڑو۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے بیم ورجانہ رکھو۔ جملہ حاجات اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دو۔ اور اسی سے جملہ حاجات کا سوال بھی کرو۔ غیر اللہ پر

اعتبار نہ کرو۔ پھر فرمایا: التوحید۔ التوحید۔ اس مسئلہ پر تو سب کا اجماع کلی ہے۔

حضرت کے فرزند عبدالعزیز نے پوچھا۔ کہ حضور کیا تکلیف ہے۔

فرمایا، یہ سوال ہی نہ کرو۔ علم الہی کے اندر جو کچھ میرے لئے اسی کا ظہور مجھ پر ہو رہا ہے انہوں نے پھر پوچھا حضور کو مرض کیا ہے۔

فرمایا، میرے مرض کو کوئی فرشتہ یا جن و انسان نہیں جان سکتا۔ میرا مرض میرے مالک کو معلوم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم اللہ کے حکم کا ناقض نہیں۔ حکم میں تغیر ہوتا ہے مگر علم میں نہیں۔

حضرت کے فرزند عبدالجبار نے پوچھا۔ کچھ حضور کا دکھتا ہے فرمایا ہاں سارا جسم۔ ایک قلب نہیں کہ وہ صحیح و سالم ہے۔

حالت نزع طاری ہوئی۔ کہا، میں لا الہ الا اللہ کی مدد چاہتا ہوں۔ وہی مالک زندہ و توانا ہے جسے موت نہیں چھو سکتی۔ وہی ہے جس کی قدرت غالب ہے اور وہی ہے جو بندوں کو موت سے محکوم کرتا ہے۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

بعد ازاں ایک بلند چیخ ماری اور تین بار اللہ۔ اللہ۔ اللہ کہا۔ پھر زبان تالو سے لگ گئی اور جسم مبارک سے روح انور پرواز کر گئی: اللہم اختم لنا بالخیر و الحقنا بالصالحین غیر خزیایا و لا مفتونین امین۔ امین۔ امین۔



## آقا شمس الدینؒ

واصل الی اللہ شمس الملۃ والدین محمد بن حمزہ مشہور آقا شمس الدین حضرت شہاب الدین سروردی کی اولاد ہیں۔ دمشق میں پیدا ہوئے اور اپنے باپ کے ساتھ چھوٹی عمر میں ہی بلاد روم میں آئے۔ یہاں آکر علوم درسیہ کی تکمیل کی اور مدرسہ عثمانیہ کے مدرس ہو گئے ان کا میلان طبع تصوف کی طرف تھا ایک صالح مرد جوان کے دوست تھے وہ ان کو ہمیشہ حاجی بیرام سے بیعت کرنیکی ترغیب دیا کرتے تھے لیکن یہ انکار ہی رکھتے کیونکہ حاجی بیرام کا قاعدہ تھا کہ قرضہ داروں کے قرض اتارنے یا مساکین و غربا کی حاجات ادا کر دینے کی غرض سے سوال کیا کرتے اور زر چندہ وصول کرنیکی غرض سے بازاروں میں پھرا کرتے تھے۔ حاجی صاحب تو اس کو کس نفس اور ہمدردی خلق کا ذریعہ سمجھتے تھے لیکن آقا شمس الدین کو ان کی یہ حرکت اچھی نہ معلوم دیتی تھی۔ انہی دنوں میں انہوں نے شیخ زین الدین فانی کا آوازہ سنا۔ تدریس چھوڑ کر ادھر چل دیئے۔ جب حلب پہنچے تو وہاں خواب دیکھا کہ گردن میں ایک زنجیر پڑی ہوئی ہے اور اس کا دوسرا سر حاجی بیرام صاحب کے ہاتھ میں ہے یہ وہاں سے واپس ہوئے۔ پہلے عثمانیہ آئے۔ پھر حاجی صاحب کی خدمت میں روانہ ہوئے جس وقت یہ پہنچے ہیں اس وقت حاجی صاحب اپنے مریدوں کے ساتھ کھیتی کاٹ رہے تھے۔ آقا شمس الدین بھی کھیتی کا بننے لگے۔ جب اس سے فارغ ہوئے تو کھانا آیا جو فقراء کے سامنے رکھا گیا اور اس میں سے ایک جھہکتوں کیلئے جدا کر دیا گیا۔ حاجی صاحب اور درویش کھانے لگے انہوں

نے آقا شمس الدین کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا۔ اور نہ کھانے کیلئے بلایا آقا شمس الدین اٹھے اور کتوں کیساتھ بیٹھ کر کھانے لگ گئے۔ (شاید آپ نے خواب کی تعبیر کو پورا کرنا ضروری سمجھا) حاجی بیرام پکار اٹھے۔ لڑکے یہاں آؤ۔ میرے پاس بیٹھو۔ تم نے تو میرے دل کو چھین لیا۔ غرض مرشد کے پاس حصول طریقت میں مشغول ہو گئے اور تھوڑے ہی عرصہ میں مقامات سینہ اور کرامات علیہ کو پہنچ گئے۔

آپ کے اوصاف میں سے یہ بھی ہے کہ طبیب ارواح بھی تھے اور طبیب ابدان بھی۔ طب میں چند تصنیفات بھی ہیں۔ ایک دفعہ خلیل پاشا وزیر کا بیٹا سلیمان حلبی جو قاضی افواج تھا، سخت بیمار ہو گیا۔ وزیر نے آقا شمس الدین کو علاج کیلئے بلایا۔ جس وقت یہ پہنچے ہیں۔ اطباء شاہی بیمار کے گرد اگرد بیٹھے ہوئے تھے۔ آقا نے پوچھا آپ نے کیا مرض تشخیص کیا انہوں نے نام بتلایا۔ فرمایا نہیں سرسام کا علاج کرنا چاہئے سب نے انکار کیا۔ اور مریض کے پاس سے ہٹ کر چلے گئے۔ شیخ نے تو مریض کا حال پوچھانہ علامات دریافت کیں۔ قلم اٹھا کر نسخہ لکھ دیا۔ پلاتے ہی نفخ کے آثار معلوم ہونے لگے۔ جب وہاں سے واپس آئے تو ایک مرید سے کہا اگر میں وہاں خاموش ہو جاتا تو یہ طبیب اسے مار ڈالتے۔

ان کی کرامات کا مشہور واقعہ یہ ہے کہ جب سلطان محمد خان نے (جو محمد فاتح کے نام سے مشہور ہوا) فتح قسطنطنیہ کا ارادہ کیا۔ تو آقا شمس الدین کو اور آقا بوق کو جہاد اور دعاء توجہ کیلئے طلب کیا اور احمد پاشا کو دونوں کے پاس بھیجا۔ آقا بوق تو مجذوب تھے۔ ان سے کچھ حاصل نہ ہوا۔ مگر آقا شمس الدین نے فرمایا کہ ہاں انشاء اللہ مسلمان ضرور قسطنطنیہ کو فتح کر لینگے اور فوج فلاں تاریخ قلعہ کی فلاں جگہ سے ٹھیک دوپہر کی وقت اندر داخل ہوگی اور تم (احمد پاشا) اس وقت سلطان کے برابر برابر ہو گے۔ آقا شمس الدین کے ایک فرزند کا بیان ہے کہ جب تاریخ مقررہ کا وہی وقت قریب آپہنچا اور قلعہ پر فتح

کے کوئی آثار نہ تھے تو ہم کو سلطان کی طرف سے نہایت خوف پیدا ہوا۔ میں ان کے خیمہ کی طرف گیا دروازہ پر ایک خادم کھڑا تھا۔ اس نے کہا اندر جانیکی اجازت نہیں۔ میں نے دوسری طرف سے ہو کر قنات کو ذرا سر کا کر دیکھا تو والد بزرگوار ننگے سر زمین پر سجدے میں گرے ہوئے پڑے ہیں۔ روتے جاتے ہیں اور گڑ گڑا رہے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھا کر دیکھا تو فوج اندر داخل ہو چکی تھی۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے ان کی برکت سے ہی قلعہ کو فتح کیا۔ اور ان کی دعا میں وہ اثر تھا کہ ساتوں فلک کے اوپر پہنچی تھی اور زمین کو اپنی برکات سے پر کر دیتی تھی۔ جب سلطان قلعہ میں داخل ہوا۔ تو اس نے اپنے پہلو کی طرف دیکھا تو احمد پاشا برابر موجود تھا۔ سلطان نے کہا کہ مجھے فتح کی اس قدر خوشی نہیں۔ جس قدر ایسے بزرگوار کے اپنے زمانہ میں ہونیکی خوشی ہے۔

فتح سے ایک دن بعد سلطان آقا کو خیمہ میں ملنے کیلئے آیا۔ آقا لیٹے ہوئے تھے اسی طرح پڑے رہے۔ سلطان نے آکر ان کا ہاتھ چوما اور عرض کی کہ میں حاجت کیلئے حاضر ہوا ہوں۔ فرمایا کہو۔ کہا مجھے چند روز اپنی توجہ میں بٹھایا کیجئے۔ آقا نے انکار کر دیا۔ سلطان نے اصرار کیا۔ آقا پھر بھی انکار ہی کرتے رہے۔ سلطان کو غصہ آگیا۔ کہا، ایک معمولی ترک سپاہی آتا ہے اس کے عرض کرنے پر اسے جھٹ حلقہ میں بٹھالیا جاتا ہے اور میرے واسطے برابر انکار ہے۔ شیخ نے کہا بات یہ ہے کہ جب آپ خلوت نشین ہونگے تو اس وقت لذت سلطنت فراموش ہو جاوے گی اور امور سلطنت معطل ہو جاوینگے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ناخوشنودی مجھ پر اور آپ پر ظاہر ہوگی۔ اے سلطان خلوت سے غرض تحصیل عدالت ہے۔ اس لئے تم اپنی سلطنت میں عدالت کرو۔ اپنے فرائض کو انجام دو۔ اس سے بڑھ کر تمہارے واسطے اور کوئی وظیفہ نہیں۔ اس کے بعد سلطان کی طرف سے دو ہزار اشرفی پیش کی گئی۔ مگر آقا نے ان کو قبول نہ کیا سلطان ان کے پاس سے اجازت لیکر اٹھا شیخ پھر بھی اس طرح لیٹے رہے۔ باہر آکر سلطان نے احمد پاشا سے ذکر کیا

کہ شیخ ہم کو دیکھ کر نہ بیٹھے۔ اس نے عرض کی کہ حضور کو جو یہ اتنی بڑی فتح حاصل ہوئی ہے جو بڑے بڑے سلاطین کو نصیب نہیں ہوئی۔ اس وجہ سے شیخ نے دیکھا کہ فی الجملہ حضور میں غرور پیدا ہو گیا چونکہ وہ مرئی ظاہر و باطن ہیں، اس لئے انہوں نے اس غرور کیلئے یہی دوا تجویز کی۔

اس سے اگلے روز رات کے آخری حصہ کے وقت سلطان نے شیخ کو طلب کیا۔ گھر والے تو ڈر گئے۔ لیکن خود شیخ کا بیان ہے کہ جب میں وہاں پہنچا تو امراء نے میرے ہاتھوں پر بوسے دیئے آگے بڑھے تورات سخت اندھیری تھی اور وہاں روشنی کا انتظام نہ تھا۔ سامنے سے سلطان آگیا۔ جس کو میں نے شناخت نہیں کیا مگر میری روح نے پہچان لیا۔ میں نے آگے بڑھ کر معانقہ کیا اور ایسے زور سے سلطان کو دبایا کہ اس کے جسم کا جوڑ جوڑ کانپ گیا۔ پھر اسے چھوڑ دیا۔

سلطان کا بیان ہے کہ میرے دل میں شیخ کی جانب سے کچھ شک ہو گیا تھا۔ معانقہ کے بعد وہ شک محبت سے بدل گیا۔ پھر دونوں ایک خیمہ میں داخل ہو گئے۔ جب صبح ہوئی تو اذان ہوئی اور سلطان نے نماز سحر شیخ کے پیچھے پڑھی۔ شیخ اپنے اور اد پڑھنے لگ گئے اور سلطان ان کے سامنے دوزانو بیٹھا رہا اور سنتا رہا۔ جب فارغ ہوئے تو عرض کی کہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کی جگہ کا نشان بتلائیے کیونکہ تواریخ میں لنگ کے پاس ان کی قبر کا ہونا درج ہے۔ شیخ نے پھر پھر ایک جگہ کا اشارہ کیا۔ فرمایا مجھے یہاں ایک نور معلوم ہوتا ہے شاید ان کی قبر اسی جگہ ہو۔ پھر وہاں بیٹھ کر تھوڑی دیر مراقبہ کیا پھر فرمایا حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی روح میری روح سے ملی اور مجھے فتح کی تہنیت دی۔ اور تمہاری مساعی کا شکریہ ادا کیا کہ ان کو ظلمت کفر سے نجات دی۔ سلطان محمد خاں کو اطلاع دی گئی۔ وہ وہاں آیا اور شیخ سے عرض کی کہ میں جناب کے ارشاد کو صحیح سمجھتا ہوں۔ مگر میں چاہتا ہوں کہ پورے پورے نشانات



بتلا دیئے جاویں تاکہ ظاہر ہونے پر میرا اطمینان کلی ہو جاوے۔ شیخ نے پھر مراقبہ کیا تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھا کر فرمایا۔ اچھا یہاں سے کھودو۔ یہ سر کیطرف ہے۔ دو گز کھودنے کے بعد قبر ظاہر ہوگی۔ جس پر پتھر کا تابوت ہے اور اس پر خط عبرانی میں عبارت لکھی ہوئی ہے جس کا یہ ترجمہ ہے۔ جگہ کھودی گئی۔ دو گز نیچے جا کر قبر مل گئی۔ کتبہ جو عبرانی زبان کا تھا جب اسے پڑھایا گیا تو وہی عبارت اور مضمون تھا جو شیخ نے بتلا دیا تھا۔ سلطان کو نہایت حیرت ہوئی اور وجد کی سی حالت طاری ہو گئی۔ حتیٰ کہ یہوش ہو کر گرنے لگا مگر خدام نے سنبھال لیا۔ سلطان نے اس جگہ قبہ بنو ادیا۔ جامع مسجد اور حجرات تیار کرائے اور شیخ سے التماس کی کہ اپنے مریدوں کے ساتھ اس جگہ ٹھہریں۔ لیکن شیخ نے انکار کر دیا اور اپنے وطن کی اجازت طلب کی۔ سلطان نے اجازت دیدی۔ جب وہاں سے چلے آئے تو اپنے بڑے بیٹے سے فرمایا کہ سمندر نکلتے ہی میرا دل نور سے بھر گیا۔ قسطنطنیہ کے ظلمت کفر سے تو میرے الہامات میں بھی فساد آ گیا تھا۔ تھوڑی دور چلے تھے کہ ایک کمینہ سا آدمی ایک نہایت عمدہ گھوڑے پر سوار سامنے سے گزرا گھوڑا ایسا عمدہ تھا کہ سب کی آنکھیں اٹھ گئیں اور سب نے اسے پسند کیا۔ سوار نے نہ شیخ کی طرف دیکھا اور نہ سلام ہی کیا۔ تھوڑی دور جا کر واپس آیا اور گھوڑے سے اتر کر عرض کیا کہ میں یہ گھوڑا حضور کو بہہ کرتا ہوں۔ شیخ نے اپنے بیٹے سے فرمایا کہ تم یہ گھوڑا لے لو اس کو اپنی سواری کا گھوڑا دیدو۔ وہ چلا گیا تو بیٹے نے شیخ سے سوال کیا۔ فرمایا، سخی کے پاس رہ کر اس کا خدمت گزار غلام اگر مدت العمر میں کوئی چیز مانگ لے تو کیا وہ نہ دیگا۔ بیٹے نے کہا نہیں وہ ضرور دیگا۔ فرمایا تیس سال سے میں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے قدم باہر نہیں رکھا جب میرے دل کو گھوڑے کی طرف میلان ہوا تو اللہ تعالیٰ نے میرے سوار کے دل میں الہام کر دیا۔

الغرض شیخ اس سفر سے اپنے وطن پہنچے اور اپنے وطن قصبہ کونیک میں جا

کروفت پائی۔ ان کا ایک رسالہ تصوف میں ہے جس کا نام نور ہے۔ ایک اور رسالہ ہے جس میں مطاعن صوفیہ کا جواب دیا ہے۔ ایک رسالہ طب میں ہے جس میں علامات نافعہ درج ہیں۔

حضرت شیخ کا سب سے چھوٹا بیٹا مجذوب تھا۔ اس کا نام نور الہدیٰ تھا۔ ایک دن شیخ کو ایک امیر کبیر ابن عطار ملنے آیا۔ اس کی داڑھی نہ نکلتی تھی۔ مجذوب لڑکا بھی وہیں آگیا امیر کو دیکھ کر ہنسنے لگا کہ یہ آدمی تو نہیں یہ تو عورت ہے۔ شیخ مجذوب پر خفا ہوئے۔ امیر نے شیخ کی خوشامد کی کہ آپ للہ اس پر خفانہ ہوں۔ پھر مجذوب سے درخواست کی کہ دعا کرو میری داڑھی نکل آئے۔ مجذوب نے اپنے منہ سے بہت سا لب لیکر اس کی ٹھوڑی، کلمہ پر ملدیا۔ اور داڑھی اس جگہ نکل آئی۔ جب وہ امیر سلطان کے پاس قسطنطنیہ پہنچا تو سلطان نے وزیر کو کہا۔ اس سے پوچھو داڑھی کیونکر نکل آئی۔ اس نے قصہ سنایا۔ سلطان نے نہایت تعجب کیا اور اس مجذوب کے نام بہت سی جاگیر وغیرہ معافیات کر دیں۔

مروی ہے کہ ایک دن شیخ نے اپنے تمام لڑکوں کو اکٹھا کیا اور کھانا کھلایا۔ جب وہ اپنی اپنی ترتیب پر بیٹھے ہوئے تھے تو شیخ نے ان سب کو جو بارہ تھے ایک ایک کر کے دیکھا اور فرمایا الحمد للہ تعالیٰ۔ سب یہ سمجھے کہ الحمد للہ اس لئے کہا ہے کہ خدا نے ان کو یہ اولاد عطا فرمائی ہے۔ مگر مجذوب لڑکا بولا باوا جان میں بتلاؤں آپ نے کس بات کا اس وقت شکر کیا ہے۔ فرمایا ہاں کہو۔ کہا اس بات کا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس قدر اولاد بھی دی اور پھر بھی دل کا تعلق کسی کے ساتھ نہیں ہوا۔ شیخ بولے لڑکے تو نے خوب کہا اور سچ کہا۔



# ملوک و وزرا



## حضرت امیر معاویہ بن ابوسفیان امویؓ

ولادت ۱۸ قبل ہجری وفات ۶۰ ہجری  
نسب: عبد مناف کے دو بیٹے ہوئے۔ ہاشم اور عبد شمس۔ ہاشم کی اولاد میں نبی ﷺ اور  
علی مرتضیٰ ہیں۔ محمد بن عبد اللہ۔ علی بن ابی طالب بن مطلب بن ہاشم۔ اور عبد شمس کی  
اولاد میں معاویہ بن ابوسفیان بن حرب بن امیہ بن عبد شمس۔

ابوسفیان قریش میں سردار تھا اور بہت بڑی تجارت رکھتا تھا۔ شام، حوران  
اور بلقار تک تجارتی قافلوں کے ساتھ آیا جایا کرتا تھا اور ابتداء بعثت سے رسول ﷺ کی  
عداوت میں بہت بڑا حصہ لیا۔ فتح مکہ تک عداوت پر قائم رہا۔ اور قریش کو قائم رکھا  
۸ھ کو خود اپنی اولاد جس میں معاویہؓ بھی تھے مسلمان ہوا۔ ممکن ہے کہ ابوسفیان کی اس  
عداوت کا سبب اصلی یہ ہو کہ اس نے سمجھ لیا تھا کہ اسلام کے پھیل جانے اور بت پرستی  
کے اٹھ جانے سے گروہ ہاگروہ مردم کا کعبہ میں آنا موقوف ہو جائیگا اور اس سے اس کی  
تجارت کو بہت بڑا نقصان پہنچے گا۔ چونکہ ابوسفیان کا کنبہ بڑا تھا اس لئے گویا نقصان بھی  
زیادہ خیال کیا جاسکتا تھا۔

علاوہ ازیں عبد مناف کے ہر دو فرزندوں کی شاخ میں مدت سے عداوت چلی  
آتی تھی۔ سب سے پہلے امیہ اور ہاشم میں (جو امیہ کا چچا تھا) جھگڑا ہوا۔ ہردو میں فضائل  
پر مناظرہ ہوا اور غصان کا کاہن خزاعی منصف قرار دیا گیا۔ اور شرط یہ ہوئی کہ مغلوب  
غالب کو پچاس اونٹنیاں ادا کرے اور بیس سال تک جلاوطن رہے۔ منصف نے ہاشم

کے حق میں فیصلہ دیا اور امیہ کو شرط کے مطابق اونٹ دینے اور بیس سال خارج از وطن رہنا پڑا اور یہیں سے دشمنی کی بنیاد پڑ گئی۔

ولادت: معاویہؓ مکہ میں سنہ ہجری سے ۱۸ سال قبل پیدا ہوئے ان کی ماں کا نام ہندہ ہے جو عبد شمس کی پوتی عبہ کی بیٹی تھی۔ امیر حمزہ سید الشہداءؓ کو اسی عورت نے مثلہ کرایا تھا۔

تربیت و اسلام:۔ بچپن سے اعتقادات جاہلیت پر تربیت ہوئی۔ فتح مکہ پر ان کی عمر ۲۴ سال کی تھی اسی وقت اپنے خاندان سمیت مسلمان ہوئے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ دل میں پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے مگر والدین کے خوف سے اسلام کو چھپاتے تھے۔ غرض ان کا کنبہ نیز چند سردار ان قریش فتح مکہ پر مسلمان ہوئے اور ان کا نام ”مولفتہ القلوب“ رکھا گیا۔ عہد نبوی ﷺ میں ایسے لوگوں کو (برخلاف دیگر مسلمانوں کے) کچھ روزینہ بھی دیا جاتا تھا۔ مدینہ کے قیام کے بعد معاویہؓ رسول ﷺ سے قریب ہوتے گئے۔ حتیٰ کہ کتابت کا اعزاز ان کو مل گیا۔ سیرت حلبیہ میں ہے کہ معاویہؓ بن ابو سفیان اور زید بن ثابتؓ کا تباہ و جی تھے اور ان کے پاس اور کوئی کام نہ تھا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کو اس فقرہ کی صحت پر کہ ان کے پاس اور کوئی کام نہ تھا شبہ ہے۔

سیدنا صدیقؓ کے عہد میں جب شام پر لشکر کشی ہوئی تو زید بن ابو سفیان بھی ایک لشکر کے سردار تھے اور سب سے پہلے دشمن کے ملک میں ان ہی نے قدم رکھا تھا۔ معاویہؓ اپنے بھائی کے ساتھ تھے اور بہت سی لڑائیوں میں شریک بھی ہوئے مگر کوئی خاص شہرت نہیں پائی۔ فتح دمشق کے بعد جب امین الامتہ ابو عبیدہؓ سپہ سالار اسلام بلاد ساحل کی فتح کیلئے آگے بڑھے تو مفتوحہ علاقہ پر زید کو حاکم مقرر کر گئے اور معاویہؓ بھی اپنے بھائی کے پاس رہے۔ اس عرصہ میں انہوں نے صیدا، عرقہ، جبل اور بیروت وغیرہ فتح کر لئے۔ سیدنا عثمانؓ کی خلافت کی ابتدا میں ان مفتوحہ شہروں میں سے بعض پر

روم نے پھر قبضہ کر لیا تھا۔ مگر حضرت معاویہؓ نے بہت جلد ان کو وہاں سے نکال دیا۔ آغاز حکومت: یزید بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے ۲۰ھ تک امیر دمشق رہ کر وفات پائی۔ سیدنا فاروقؓ نے ان کے بھائی معاویہؓ کو ان کا جانشین مقرر کر دیا۔ عمر فاروقؓ کے آخری چار سال خلافت میں ان کے متعلق صرف ضلع دمشق تھا لیکن حضرت عثمانؓ کے حکم سے ۲۵ھ میں کل شام کا ملک ان کے ماتحت کر دیا گیا۔ اور اسی سال حضرت معاویہؓ نے ایشیائے کوچک پر لشکر کشی کر کے بروصہ انطاکیہ و طرسوس کے قلعے فتح کر لیے۔

سیدنا عثمانؓ کی خلافت میں جب لوگوں کی شکایات عمال کے متعلق روز بروز بڑھنے لگیں اور ان میں گستاخی کی جھلک بھی نظر آنے لگی تو معاویہؓ بھی مدینہ پہنچے اور خلیفہ کو اپنے ارادہ میں ثابت قدم و مستقل مزاج رہنے کی جرات دلا کر کہا کہ شکایت کرنیوالے معدودے چند ہیں۔ معاویہؓ بیٹھے ہوئے تھے کہ سیدنا علی مرتضیٰ و طلحہ وزیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی آپہنچے اس وقت حضرت معاویہؓ نے کھڑے ہو کر یہ تقریر کی۔

”آپ لوگ آنحضرتؐ کے صحابی بہترین خلق اور اس امت کے والی ہیں۔ تمہارے سوا اور کوئی شخص حکومت کا خیال نہیں کر سکتا۔ تم نے عثمانؓ کو اپنی مرضی سے بلا کسی دباؤ یا طمع کے خلیفہ تسلیم کیا تھا۔ اور اب یہ بوڑھے بھی ہو گئے ہیں۔ اور اگر تم ان کی ضعیفی کی وجہ سے ان کی موت کا بھی انتظار کرو تو وہ بھی کچھ دور نہیں (گو میری آرزو ہے کہ خدا ان کو دیر پیا رکھے) یہ جھگڑے جو تمہارے سامنے اٹھ رہے ہیں تم نے ان پر نارنگی کا کچھ اظہار نہیں کیا۔ حالانکہ ایسا ہونا ضروری تھا۔ تاکہ حکومت کیلئے عوام بھی طمع نہ کر سکیں۔ میں تم کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر عوام کے حوصلہ بھی کھل گئے تو تم پیٹھ ہی دکھلائی پڑیگی۔“

سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ گفتگو نہایت ہی ناگوار گذری وہ اس کا کوئی سبب ہی نہ سمجھے۔ انہوں نے معاویہؓ سے کہا ”تیری ماں نہو۔ یہ کیسی گفتگو ہے“ معاویہؓ نے کہا ”خیر آپ میری ماں کو تو کچھ نہ کہیں کیونکہ وہ تمہاری ماؤں سے کچھ بری نہ تھی۔ کیونکہ وہ مسلمان ہوئی اور بیعت نبوی ﷺ کا شرف اس نے پایا۔ ہاں میری بات کا جواب دیجئے۔“

اس کے بعد ان سادات نے خلیفہ سے چند معاملات میں گفتگو کی اور ان کو اپنی منتخبات کے موافق طے کر اکر خوش خوش چلے گئے اور معاویہؓ باقی رہ گئے۔ انہوں نے سیدنا عثمانؓ سے کہا ”میرے ساتھ شام کو چلو وہ تمام علاقہ مطیع ہے۔ اب چلنے کا وقت ہے۔ ورنہ کسی آفت آنے کا اندیشہ ہے۔“ انہوں نے قرب نبوی ﷺ چھوڑ کر شام جانے سے انکار کر دیا۔ معاویہؓ شام کا قصد کر کے باہر نکلے۔ ان کو مہاجرین کی ایک جماعت (جن میں سیدنا علی و طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم بھی تھے) ملی معاویہؓ ان کو عثمانؓ کی پیرانہ سالی پر توجہ دلاتے ہوئے ان کے ساتھ اچھے سلوک کی وصیت کرتے گئے۔

ان کے شام چلے جانے کے کچھ عرصہ بعد مصری وغیرہ جمع ہو کر مدینہ میں آگئے اور خلیفہ کو محصور کر لیا۔ محاصرہ چالیس یوم تک رہا۔ سیدنا علی مرتضیٰ نے درمیان میں پڑ کر انہیں روکنا بھی چاہا مگر باغیوں نے کچھ نہ سنا۔ محاصرہ میں پانی بھی ان پر روک دیا گیا تھا آخر مصری لوگوں نے دروازہ توڑ کر اور سقیفہ کو آگ لگا کر اندر جانے کا راستہ کر لیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس وقت سورہ طہ پڑھ رہے تھے۔ باغیوں کا محاصرہ توڑ کر اندر آ جانا بھی ان کی تلاوت کلام اللہ میں فرق نہ ڈال سکا۔ چند صحابہؓ کے لڑکے (جن میں سید اشباب اہل الجنۃ حسنینؓ بھی تھے۔ یا صرف امام حسنؓ مجتہبی) خلیفہ کی حفاظت کیلئے اندر موجود تھے لیکن انہیں حضرت عثمانؓ شہید نے قسم دیکر خونریزی سے روک دیا۔ اور وہ باہر چلے گئے۔ باغی آگے بڑھے اور انہوں نے خلیفہ پر تلوار کا وار کیا جو



تلاوت قرآن میں کمال استقلال کے ساتھ محو تھے۔ خون قرآن مجید پر گرا۔ حضرت کی بیوی نائلہؓ نے وار ہوتا ہوا دیکھ کر شوہر کے پچاؤ کیلئے اپنے ہاتھ آگے کر دیئے تھے۔ تلوار ان کی انگلیوں کو بھی کاٹ گئی۔

حضرت معاویہؓ کو ان واقعات کی بالتفصیل خبر پہنچ گئی تھی۔ جب اہل مدینہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مبارک ہاتھوں پر بیعت کر لی تو معاویہؓ نے بیعت نہ کی۔ بلکہ قصاص عثمانؓ شہید کا دعویٰ دار ہو کر خلیفہ کا خون آلود کرتے اور نائلہؓ کی کٹی ہوئی انگلیاں جامع مسجد کے منبر پر رکھ کر لوگوں کو قصاص کیلئے بھڑکایا اور یہ بھی کہہ دیا ”علیٰ انکا قاتل ہے“

عمر بن العاصؓ جو حکومت مصر سے معزول ہو چکے تھے۔ وہ بھی معاویہؓ سے آملے اور انہوں نے خلیفہ برحق امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کی صفین کی متواتر لڑائیوں اور فیصلہ حکم کے بعد (جس کی تفصیل میں اسلامی تواریخ کے سینکڑوں اوراق موجود ہیں) اپنی حکومت کو مستقل کیا تاہم یہ حکومت شام پر ہی محدود تھی۔ مصر پر سیدنا علیؓ کی طرف سے قیس بن سعد والی تھے۔ قیس بن سعد کو پہلے تو معاویہؓ نے اپنے ساتھ شامل کر لینا چاہا مگر جب وہ ثابت قدم رہے تو ایک خط قیس کجانب سے بنام معاویہؓ شائع ہوا۔ جس میں لکھا تھا کہ قیس بھی قصاص طلبی عثمانؓ میں ان کا شریک ہے۔

مضمون ہذا سے حضرت علی مرتضیٰؓ نے خبر پا کر قیس کو معزول اور محمد بن ابو بکر کو والی مصر مقرر کر دیا۔ امیر معاویہؓ نے سمجھ لیا تھا کہ فتح مصر کے بغیر وہ عراق اور مصر کے دو طرفہ حملہ کی زد میں ہیں۔ اس لئے عمرو بن العاصؓ اول فاتح مصر کو بھاری لشکر دیکر روانہ کیا۔ انہوں نے سرحد عبور کرنے کے بعد محمد بن ابی بکر کو لکھ بھیجا کہ تم خود ہی حکومت سے علیحدہ ہو جاؤ کیونکہ میں تم کو کوئی صدمہ نہیں

پہو نچانا چاہتا۔ محمد نے اصل خط حضرت علیؑ مرتضیٰ کی خدمت میں بھیجا اور مکہ کے لئے درخواست کی۔ حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ ہنوز مکہ روانہ کرنے بھی نہ پائے تھے کہ عمرو بن العاصؓ نے مصر پر قبضہ کر لیا۔ اور محمد بن ابو بکر بری طرح سے قتل کئے گئے اور لے جا کر راکھ کا ڈھیر بنائے گئے اور شام و مصر کا کل ملک حضرت معاویہؓ کے ماتحت ہو گیا۔

۳۱ھ کو امیر المومنین حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد امام حسن مجتبیٰ کی خلافت کی بیعت کوفہ میں ہوئی۔ ان کو خبر لگی کہ معاویہؓ ایک بھاری لشکر لے کر شام سے چل پڑے ہیں۔ امام عالی مقام بھی چالیس ہزار فوج (جو حضرت علی مرتضیٰ کے مبارک ہاتھ پر جنگ کیلئے بیعت کر چکی تھی) لیکر کوفہ سے مدائن کو چل پڑے لیکن ان کو جلد معلوم ہو گیا کہ ان کا لشکر فوج شام سے مقابلہ کرنے میں کمزور ہے۔ رحمتہ للعالمین کے نواسہ نے خونریزی امت کو پسند نہ کر کے خلافت چھوڑ کر ملک حضرت معاویہؓ کے سپرد کر دیا اور انہوں نے کوفہ میں داخل ہو کر سب سے اپنی بیعت لے لی۔ اس وقت سے وہ تمام بلاد اسلام پر بلا شرکت غیرے امیر ہو گئے۔ اور ۱۹ سال ۳۲ھ سے ۶۰ھ تک مستقل امیر رہے اور ہمیشہ تو وسیع دائرہ مملکت میں کوشاں رہے شام مصر اور عراق و فارس پر ان کا اقتدار کامل تھا۔ ۳۹ھ میں فتح قسطنطنیہ کے لئے لشکر کشی ہوئی۔ سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ اس جنگ میں شہید ہوئے تھے۔

اس لشکر کا سپہ سالار سفیان بن عوف تھا اور یزید بھی ساتھ بھیجا گیا۔ لشکر کی کثرت، راہ کی دوری اور خرابی کی وجہ سے لشکر کو فاقہ و تکالیف شاقہ کا مقابلہ کرنا پڑا۔ یزید نے راستہ میں ہی ہمت ہار دی اور فوج کو اس کی وجہ سے اپنی رفتار کو سست کرنا پڑا۔

امیر معاویہؓ کو خبر ہوئی تو انہوں نے یزید کو کہہ بھیجا کہ تجھے ضرور ساتھ جانا ہو گا پھر اس کی تقویت کیلئے امرائے عرب کو بحری لشکر دیکر بھی روانہ کر دیا۔ ان امراء میں ابن عباس، ابن عمر، ابن زبیر اور ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہم تھے۔ جنگی کشتیاں بلا کسی مقابلہ کے ڈارڈنیلز کو عبور کرتی ہوئی قسطنطنیہ کے غرنی جانب قلعہ ہفت بروج کے پاس پہنچ گئیں۔ فوج خشکی پر اتری اور بری فوج کے آجانے پر محاصرہ شروع ہو گیا۔ مسلمان منجیق چلاتے لمبے نیزوں کے ساتھ حملے کرتے تھے اور محصورین ان پر آگ برساتے تھے۔ جس سے مسلمانوں اور ان کے کمپ کا بھاری نقصان ہوا کرتا تھا۔ طول محاصرہ سے مسلمانوں کی کمیائی تکلیف دہ ثابت ہونے لگی۔ جس کو گرد و نواح کے دیہات میں چھوٹے چھوٹے دستے بھیجتے رہنے اور لوٹنے سے پورا کر لیا جاتا تھا۔ چونکہ موسم سرما بھی آنے والا تھا اس لئے مسلمان دور اندیشی کر کے ایشیائے کوچک کے جزیرہ قیزیکوس میں رسد کے ذخیرے فراہم کرنے لگ گئے۔ چنانچہ سرما کے شروع ہوتے ہی لشکر اس جزیرہ کو جو ۸۰ میل پر تھا قسطنطنیہ سے چلے گئے اور گرمی کے شروع ہوتے ہی پھر محاصرہ کیا گیا۔ سات برس تک یہی حال رہا تمام موسم گرما میں محاصرہ اور جدوجہد سے مقابلہ کیا جاتا۔ سرما اس جزیرے میں بسر ہوتا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کو ہنوز یونانیوں کی کمزور سلطنت کے تاج کو خاک کرنا منظور نہ تھا اس لئے ہفت سالہ مساعی کے بعد مسلمانوں کی فوج میں وبا پڑ گئی۔ جس سے لاچار ہو کر ان کو محاصرہ سے دست بردار اور وطن کو واپس جانا پڑا۔ اس عرصہ میں ۲۰ ہزار مسلمان شہید ہو چکے تھے۔ جن میں ابو ایوب انصاریؓ بھی تھے۔ یہ صحابی اکابر صحابہؓ میں سے تھے رسول کریمؐ کے ساتھ بدر واحد وغیرہ غزوات میں حاضر تھے اور خلافت مرتضوی کی لڑائیوں میں حضرت علی مرتضیٰؓ کے ہمراہ تھے۔ ان کے جنازہ کی نماز ایسی شان و شوکت کیساتھ ادا کی گئی کہ محصورین بھی مدافعت چھوڑ کر محو تماشا ہو گئے۔ ان کو دیوار کے نیچے دفنایا گیا اور زمین کو ہموار

کر دیا گیا۔ سلطان محمد فاتح نے فتح قسطنطنیہ کے بعد اس پر مقبرہ اور جامع مسجد تعمیر کرادی۔

مسلمان گو فتح سے ناکامیاب واپس ہوئے تھے۔ مگر جرات و استقلال اور مردانگی و ثبات کی ایسی مثال چھوڑ گئے تھے کہ قیصر کو ان کی آئندہ یورش و کامیابی میں کوئی شبہ نہ رہ گیا تھا۔ اس نے ایک خاص سفیر شام کو روانہ کیا جس کو عزت و اکرام کیساتھ قبول کیا گیا۔ امیر معاویہ نے صلح یا عارضی صلح کے متعلق اپنے دربار میں مشورہ کیا۔ آخر یہ رائے قرار پائی کہ تین سال کے لئے صلح کی جائے اور قیصر ہر سال پچاس عمدہ گھوڑے، ۳ ہزار سونے کے ٹکڑے اور پچاس غلام خراج میں دیتا رہے۔

افریقہ میں بھی عقبہ بن نافع سردار نے بہت فتوحات حاصل کیں اور شہر قیروان ان کے حکم سے آباد کیا گیا۔ ہشتاد سالہ عمر نے امیر معاویہ کو پیرہم اور اپنی وفات کے قریب تر ہونے کے لئے امیدوار کر دیا تھا کہ مرض نے بھی غلبہ پالیا۔ اس وقت یزید کو بلا کر بدین الفاظ وصیت کی :

”پیارے بیٹے میں نے تیری کوششوں کی کوئی ضرورت نہیں رہنے دی۔ بلکہ جملہ امور تیرے لئے درست کر دیئے۔ تیرے اعداء کو ذلیل کر دیا ہے اور عرب کی گردنیں تیرے سامنے جھکا دی ہیں اور مجموعی طور پر تجھے وہ کچھ حاصل ہے جو پہلے کسی کو نہ تھا۔ اہل حجاز کے بارہ میں خیال رکھنا کیونکہ تیری اصل اصول وہی ہیں۔ ان میں سے جو کوئی تیرے سامنے آجائے اس کی عزت کرنا اور جو غائب ہو اس کی پرورش رکھنا۔ اہل عراق کی دلداری رکھنا۔ اگر وہ تجھ سے ہر روز نیا عامل تبدیل کرتے رہیں تو ان کے منشا کو پورا کرتے رہنا۔ عامل کا معزول کر دینا آسان ہے اور ایک لاکھ تلوار کی چھنکار کا سننا سخت۔ اہل شام کو اپنا دلی دوست اور اصلی رازدار سمجھنا اور جب کسی دشمن سے لڑائی کی ضرورت ہو تو انہی کی فوج روانہ کرنا کیونکہ باہر رہنے سے ان کے اخلاق میں تغیر آ

جانیکا اندیشہ ہے۔ سلطنت کے بارہ میں تیرے مد مقابل ہونیکا اندیشہ مجھے صرف چار  
 شخصوں سے ہے۔ حسین بن علیؑ۔ عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن زبیرؓ اور عبدالرحمن بن  
 ابوبکرؓ (رضی اللہ عنہم)۔ ابن عمرؓ تو سراپا عبادت میں لگا ہوا ہے اور جب سب لوگ بیعت  
 کر لینگے تو وہ بھی ضرور بیعت کر لینگا۔ حسین بن علیؑ ایک نو عمر آدمی ہے۔ اہل عراق اسے  
 مقابل کئے بغیر رہنے نہ دینگے۔ پس اگر اس نے مقابلہ کیا اور تو اس پر غالب رہا۔ تو اسے  
 معاف کر دینا کیونکہ اسے قرابت قریبہ اور حق عظیم حاصل ہے۔ اور نیز وہ محمد ﷺ  
 سے بھی نزدیک تر ہے۔ البتہ شیر کی طرح جم کر لڑنے والا اور لومٹری کی طرح چال  
 چلنے والا اور موقعہ پر جست لگانے والا ابن زبیرؓ ہے۔ اگر اس نے تیرا مقابلہ کیا اور تجھے  
 اس پر فتح ملی تو اس کے ٹکڑے اڑا دینا۔ لیکن جہا تک ممکن ہو سکے اپنی قوم کے خون کی  
 حفاظت رکھنا اور خونریزی سے بیزار رہنا“

مرنے سے پیشتر انہیں یہ خیال ہوا کہ میری بیماری کا حال سکر ملک میں  
 بد امنی نہ ہو جائے۔ پس اپنے مرض کو چھپانے کیلئے آنکھوں میں سرمہ اور بالوں میں تیل  
 ڈالکر مسند کے سہارے بیٹھ گئے اور لوگوں کو سامنے آکر سلام کرنے کی اجازت دی۔  
 لوگ آتے تھے۔ اور سلام کرتے ہوئے چلے جاتے تھے اور سمجھتے تھے کہ امیر تندرست  
 ہے جب وہ چلے گئے تو امیر نے یہ شعر پڑھا۔

و تجلدى للشامتین اراہم انى لرب الدهر لا اتضع

واذا المنیة الثیت اغفارها البیت کل تمیمتہ لا تنفع

اور اسی روز وفات پائی۔ وفات سے پہلے کہا کہ ایک روز رسول خدا ﷺ نے

مجھے قمیص عطا فرمایا تھا جسے میں نے حفاظت رکھ چھوڑا ہے۔ ایک روز آنحضرت ﷺ

نے ناخن مبارک تراشے تھے۔ ان کا تراشہ بھی محفوظ رکھ چھوڑا ہے۔ تکفین کی وقت

مجھے وہ قمیص پہنا دینا اور تراشہ ناخن کو گھس کر میرے چہرہ و دست و چشم پر لگا دینا کہ ان

کی برکت سے خدا مجھ پر رحم فرمائے۔ پھر حکم دیا کہ نصف مال بیت المان میں داخل کیا جائے اور نصف رہنے دیا جائے۔ دمشق میں ہی وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔

صفات و اخلاق :- خوش رو، ابیض البشرہ، باہیت و وقار، ہنسی کی وقت لب زریں الٹ جایا کرتے تھے۔ داڑھی کو خضاب کیا کرتے تھے۔ نہایت ذکی، معاملہ فہم، مدبرین اور سیاسیوں میں نہایت مشہور تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم قیصر و کسریٰ کی دانائی و سیاست کا ذکر کیا کرتے ہو مگر دیکھو کہ معاویہؓ ان سے بھی بڑھ کر تمہارے میں موجود ہے۔ فراست صحیحہ ایسی تھی کہ آدمی کا چہرہ دیکھ کر اس کے خیالات کا پتہ لگا لیتے اور معاملہ کے شروع ہوتے ہی تمہ کو پہنچ جاتے۔

چنانچہ ایک دفعہ ابو موسیٰ اشعریؓ آئے اور السلام علیک یا امین اللہ کہہ کر بیٹھ گئے۔ امیر معاویہؓ نے وعلیک السلام پر ہی احتصار کیا۔ جب وہ چلے گئے تو کہا شیخ اس ارادہ سے آیا تھا کہ میں اسے کسی جگہ کا والی کر دوں مگر ایسا کبھی نہ کرونگا۔ ایک دفعہ عمرو بن عاصؓ نے انہیں کہا کہ کیا میں نے لوگوں کو آپ کے بارہ میں درست نہیں کیا۔ کہا ہاں اس لئے آپ اس درجہ تک پہنچ گئے ہیں۔

امیر معاویہؓ کے حالات سے یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ ان کو ابتدا ہی سے حکومت حاصل کرنیکا شوق تھا۔ وہ خود کہتے ہیں کہ مجھے رسول خدا ﷺ نے فرمایا تھا، ان ولایت فاحسن اگر تو والی ہو جائے تو بھلائی کیجیو۔ مجھے اس روز سے امید حکومت و امارت بندھ گئی تھی۔ رہی قابلیت حکومت، اسکا کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ آج تک خلافت راشدہ انتخاب و شوریٰ پر منحصر تھی۔ لیکن انہوں نے اسے اپنی نسل میں محدود کر دیا۔ گو جمہوریت و آزادی جاتی رہی۔ مگر انکا خیال تھا کہ اس طریق سے وہ تمام جھگڑے دب جایا کرتے ہیں جو انتخاب میں پیدا ہونے ضروری ہیں۔ علاوہ اس کے قیصران روم کے قانون سے انہوں نے یہی نتیجہ نکالا۔

روزانہ کاروبار: نماز صبح کے بعد ایک شخص سے متقدمین کے تاریخی حالات سنا کرتے۔ طلوع آفتاب کے بعد ایک پارہ قرآن مجید کا پڑھتے۔ پھر محل میں جا کر ضروری احکام دیکر چار رکعت نماز پڑھتے اور پھر اپنی نشستگاہ میں آکر وزراء و ارکان سلطنت سے ضروری کاروبار کے بارے میں گفتگو کرتے۔ اسی جگہ نہار شکنی کرتے۔ نہاری میں عموماً مرغ یا بیٹھے کا گوشت ہوا کرتا تھا۔ اس کے بعد باتیں کر کے محل میں چلے جاتے۔ اور وہاں سے نکل کر ایک غلام کو ساتھ لیکر مسجد میں چلے آتے۔ اور دیوار مسجد کیساتھ پشت لگا کر بیٹھ جاتے۔ اس وقت ہر ایک شخص سائل و فریادی تخت پر بیٹھ جاتے اور تمام درباری درجہ دار بیٹھ جاتے۔ اس وقت کہا کرتے کہ اے سرداران دربار تم اس لئے سردار مانے جاتے ہو کہ دربار میں تم کو عزت حاصل ہے۔ اس عزت کا لازمہ یہ ہے کہ رعیت کے حالات اور معذور و مجبور لوگوں کی شکایات میرے پاس عرض کرتے رہو۔ چنانچہ اس وقت جو معاملات پیش ہوتے ان کیلئے ضروری احکام صادر کرتے تو منشی عرضی لے کر سنا شروع کر دیتا اور سائل کو دسترخوان پر بیٹھا لیا جاتا۔ عرضی پر حکم لکھا جاتا تو اس کو اٹھا کر دوسرے سائل کو بلا لیتے۔ اس طرح بسا اوقات ۳۰-۴۰ آدمی دسترخوان پر بیٹھتے اور اٹھتے جاتے۔ کھانا کھانے کے بعد سب کو رخصت کر کے محل میں چلے جاتے اور اذان ظہر سنکر باہر نکلتے۔ مسجد میں نماز پڑ کر چار رکعت پھر اپنے مکان پر پڑھتے اور خاص الخاص عمدہ داروں کو بلا لیتے اور ضروری معاملات پر گفتگو جاری کر دیتے۔ اسی وقت پھل منگوا لیا جاتا۔ موسم گرما ہوتا تو میوہ ہائے تر اور موسم سرما میں میوہ ہائے خشک۔ اذان عصر سن کر اٹھتے اور نماز پڑھتے ہی محل میں چلے جاتے۔ جب دھوپ زرد پڑ جاتی تب باہر نکلتے اور تخت پر بیٹھ جاتے۔ طعام شب منگوا لیا جاتا اور خاص وزراء کے سوا اور کوئی داخل نہ ہو سکتا۔ اذان مغرب کیساتھ دسترخوان سے اٹھ کر مسجد میں چلے جاتے۔ نماز مغرب کے بعد چار رکعتیں اور پڑھتے

اور ہر ایک رکعت میں پچاس آیتوں کے قریب قیام کرتے۔ قرآت کے بعد وزراء خاص سے گفتگو کیا کرتے اور ملوک عرب و عجم کے حالات، لڑائیوں کے داؤ گھاٹ، نظم و نسق کے متعلق تدابیر تواریخ سے سنا کرتے اور انتخاب تیار کر اکر اپنے ملازمین کو بھی ان کی یادداشت کا حکم دیتے اور نصف شب کے قریب بستر راحت پر آرام کرتے۔

تواریخ کے علاوہ یونانی جنزلوں اور دنیا کے مشہور فاتحوں کی سوانح عمری اور تصنیفات کو بھی خاص دلچسپی سے سنا کرتے تھے۔ ان کا قول تھا کہ اپنی شان کو اس سے ارفع پاتا ہوں کہ کوئی قصور میرے عفو سے بڑھ کر ہو۔ یا کوئی جہالت میرے علم سے زیادہ یا کوئی بدی میرے احسان سے برتر۔ یا کوئی عیب میری عیب پوشی سے افزوں۔

ایک دفعہ عبدالرحمن بن الحکم کو ان الفاظ میں نصیحت کی تھی۔ ”بھتیجے میں دیکھتا ہوں کہ تم شاعری کے شائق ہو مگر ایسی غزل کبھی نہ لکھنا جس سے شریف عورتوں کو عار آئے۔ اور مدح و ہجو کی بھی مشق نہ کرنا۔ ہجو میں نا انصافی ہے اور یہودہ مدح میں بیحیائی۔ ہاں اپنی قوم کے کارنامے نظم کرو اور ایسی امثال بیان کرو جو تمہارے لئے زینت اور غیر کیلئے ادب کا کام دیں“

ایک دفعہ عبداللہ بن صالح نے ان سے پوچھا کہ تم کو سب سے زیادہ پیارا کون ہے؟ کہا جو سب سے زیادہ میری محبت لوگوں میں پھیلاتا ہے۔ ہر کاروں کی ڈاک سب سے پہلے انہوں نے نکالی اور لفافہ پر مہر کر نیکا طریق نکالا۔ اور مہر شاہی کیلئے علیحدہ عمدہ دار بنایا۔





## حجاج بن یوسف ثقفی

حجاج کی خونریزی ضرب المثل ہے اور اسلامی بادشاہوں میں یہ شخص اپنے ظلم و ستم کے عجیب و غریب اطوار میں عدیم المثل ہے۔ اس کی ماں فارعہ بنت ہمام ہے۔ ابن جوزی لکھتا ہے کہ حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک رات گشت کو نکلے ایک گھر سے گانے کی آواز آئی۔ کان لگا کر سنا تو یہ شعر گایا جاتا تھا :

هل من سبیل الی خمر فاشربہا      امر من سبیل الی نصر بن حجاج  
کیا شراب حاصل کر نیکا کوئی طریق بھی ہے۔ یا نصر بن حجاج کے ملنے کی کوئی تدبیر بھی ہے۔ اس عورت کا نام ممتیہ رکھا گیا اور دریافت سے معلوم ہوا کہ فارعہ کی والدہ حجاج تھی۔ یہی فارعہ حرث بن کلدہ حکیم عرب کے گھر میں تھی۔ ایک دن اس نے دیکھا کہ صبح ہی صبح فارعہ دانتوں میں خلال کر رہی ہے۔ حرث نے طلاق نامہ لکھ کر بھیج دیا۔ فارعہ نے پوچھا میرا قصور بھی بتلاؤ کہا اگر تو نے صبح اٹھتے ہی کچھ کھایا ہے اور اس لئے خلال کی ضرورت پڑی ہے، تب تو بڑی چٹیل اور کھاؤ ہے۔ اور اگر رات کا کھانا کھا کر صبح کو خلال کرتی ہے تو نہایت بد تمیز ہے اس نے کہا۔ دونوں صورتیں نہ تھیں۔ مسواک کے ریشے دانتوں میں پھنس گئے تھے۔ خلال سے نکال دیئے۔ غرض حرث کے بعد یوسف ثقفی نے فارعہ کیساتھ نکاح کیا۔ اور حجاج اس سے پیدا ہوا۔ جب پیدا ہوا تو مقعد کا سوراخ نہ تھا۔ سونے کے ساتھ سوراخ کھولا گیا۔ پھر یہ مشکل ہوئی کہ ماں کی چھاتی منہ میں نہ لیتا۔ کسی نے بتلایا کہ سیاہ بگری لیکر ذبح کرو اور اس کا خون اس کے ہونٹ پر لگاؤ

دوسرے روز بھی ایسا ہی کرو۔ تیسرے روز سیاہ بکرے کا خون منہ سے لگاؤ۔ چوتھے روز سیاہ سانپ کا خون منہ سے لگاؤ۔ اور سارے چہرہ پر بھی مل دو۔ اس ترکیب کے بعد دودھ پینے لگے گا۔ اسی کی تدبیر کے موافق عمل کیا گیا اور چوتھے روز حجاج دودھ پینے لگا۔

کہتے ہیں کہ جو خون پیدا ہوتے ہی منہ کو لگا تھا اس کی لذت عمر بھر نہ بھولا۔ نسل انسانی کو قتل کراتا اور خوش ہوا کرتا تھا اور خونریزی کے بغیر اسے چین ہی نہ آتا تھا۔ خود اس کا بیان ہے کہ سب سے بڑھ کر مجھے خونریزی میں لذت آتی ہے۔

ابتدائی حال میں باپ کیساتھ مکتب پڑھانے میں شریک ہوا لیکن تھوڑے دن کے بعد ہی عبد الملک کے وزیر روح بن زباع عجمی مت میں رہنا سہنا اختیار کیا۔ وزیر نے اسے اپنی جائیداد کا انتظام سپرد کر دیا تھا۔

ایک روز عبد الملک نے وزیر کے پاس فوج کے کوچ و مقام کی بیقاعدگی کا ذکر کیا اور افسوس کیا کہ آدھی سے زیادہ فوج پچھلے پڑاؤ پر ہی پڑی رہتی ہے۔ وزیر نے کہا کہ میرے پاس ایک شخص ہے اگر اسے اس خدمت پر مامور کر دیا جائے تو تمام لشکر کا کوچ و مقام باقاعدہ ہو جائے۔ اس شخص کا نام حجاج ہے۔ عبد الملک نے منظور کر لیا جس روز سے حجاج کو یہ خدمت ملی اس نے تمام فوج کو ایک ضابطہ کا پابند کر دیا کہ مقررہ وقت پر کوچ ہو اور مقررہ وقت تک اگلے پڑاؤ پر پہنچ جایا کرے۔

وزیر کے ذاتی ملازمین جو حجاج کو اپنے میں سے ایک سمجھتے تھے۔ ہنوز پہلی عادت کے عادی تھے۔ ایک روز تمام لشکر کوچ کر گیا اور صرف وزیر کا عملہ رہ گیا۔ حجاج نے دیکھا تو وہ ابھی کھانا کھا رہے تھے۔ پوچھا تم لوگ شاہی لشکر کیساتھ روانہ نہیں ہوئے۔ انہوں نے ہنس کر کہا آؤ تم بھی کھانا کھا لو۔ حجاج بولا اب وہ وقت گئے اس کے بعد ان سب کو قید کر کے وزیر کے تمام کمپ میں آگ لگوا دی۔ وزیر کو خبر ہوئی تو روتے روتے عبد الملک کے پاس گیا اور لمبی چوڑی شکایت کرنے لگا۔ حجاج کو طلب کیا گیا۔

حجاج نے کہا حضور میں نے تو کچھ نہیں کیا۔ خلیفہ نے پوچھا تو اور کس نے کیا ہے۔ بولا حضور نے۔ کیونکہ میرا ہاتھ حضور کا ہاتھ اور میرا چابک حضور کا چابک ہے۔ حضور کیلئے کچھ بھی دشوار نہیں اگر وزیر صاحب کو ایک خیمہ کے عوض دو خیمہ اور ایک نوکر کے بدلے دو نوکر عطا فرمادیں گے اور مجھے میری خدمت سے معزول نہ کریں۔ عبد الملک نے اس کے جواب کو پسند کیا۔ وزیر کے نقصانات کا معاوضہ دیا گیا اور حجاج کی اس روز سے قدر و منزلت بڑھ گئی۔ حتیٰ کہ عبد الملک نے اسے کل عراق اور خراسان پر گورنر مقرر کر دیا۔ عبد الملک کے بعد جب ولید خلیفہ ہوا تو اس کو اس عہدہ پر بحال رکھا۔

عقوبات جسمانی اور قتل و خونریزی کے متعلق اس نے عجیب عجیب ایجادات و اختراع کئے تھے جن کا بیان مفصل تاریخ کی کتابوں سے مل سکتا ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت فاروق اعظمؓ کے بعد زیاد بن سمیہ نے (جو حضرت علی رضی اللہ عنہما کی خلافتوں میں گورنر ایران رہا) حضرت عمرؓ کی تقلید کرنی چاہی مگر حدود سے متجاوز ہو گیا پھر حجاج نے زیاد کی تقلید کرنی چاہی تو بالکل ہی ہلاکت میں گرا۔ زبان میں فصاحت غضب کی تھی۔ اور اہل فصاحت و بلاغت کی قدر بھی کیا کرتا تھا۔ بایں ہمہ سفاکی و بے رحمی بسا اوقات فصاحت کی بدولت اس کی شمشیر سے بے قصور جانیں بچ جاتی تھیں۔ ایک دفعہ خطبہ کیلئے کھڑا ہوا تو کہا لوگو اللہ کے محارم سے صبر کر لینا آسان ہے مگر اللہ کے عذاب پر صبر مشکل۔ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا کہ تیرے جیسا شوخ دیدہ اور بے حیانہ ہوگا (کہ عمل وہ اور قول یہ) حجاج نے قید کا حکم دیا اور جب نماز سے فارغ ہو کر آیا تو اسے طلب کیا۔ پوچھا تو نے ہمارے سامنے کیوں ایسی گستاخی کی۔ کہا تو خدا کے حضور میں گستاخی کرتا ہے اور اسے برا نہیں سمجھتا۔ لیکن میں نے جب تیرے سامنے گستاخی کی تو اسے کیوں ناپسند جانتا ہے۔ حجاج نے شرمندہ ہو کر اسے چھوڑ دیا۔

اس کے وقت میں اگر کوئی نیک کام ہوا تو یہ کہ نصر بن عاصم نے اس کے حکم سے قرآن مجید کے الفاظ مجسمہ پر نقطے لگائے اور تصحیف کیلئے ایک سہولت نکال دی۔ اس کی لطیفہ گوئی کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ جامع مسجد کا ایک دروازہ اس نے تیار کر لیا اور ایک عبد الملک نے۔ کچھ عرصہ کے بعد خلیفہ کے بنوائے ہوئے دروازہ پر بجلی گری۔ دروازہ منہدم ہو گیا بادشاہ کو نہایت گراں گزرا۔ حجاج نے خط میں لکھا کہ حضور میری اور آپکی مثال آدم علیہ السلام کے دو فرزندوں (ہابیل قابیل) کی سی ہے۔ قربانی دونوں نے پیش کی تھی۔ لیکن قبولیت صرف ایک کو نصیب ہوئی۔ قبولیت قربانی کی علامت بجلی کا قربانی کو جلا دینا تھا۔ بادشاہ یہ پڑھ کر خوش ہو گیا۔ ایک دفعہ اس نے خواب دیکھا کہ اس کی آنکھیں نکال لی گئی ہیں۔ صبح اٹھ کر خواب کو نو عروس بیوی کی بد فالی سے منسوب کیا اور اس کو طلاق دیدی۔ تھوڑے دن کے بعد اس کا بیٹا محمد مر گیا۔ اور جس دن وہ مر اسی دن حجاج کے بھائی محمد کی لاش بھی یمن سے پہنچ گئی۔ بولا یہی میرے خواب کی تعبیر تھی۔ کیا کوئی شاعر اس بارہ میں کچھ کہہ سکتا ہے۔ فرزدق نے اس وقت یہ قطعہ پڑھا۔

ان الرزية لارذية مثلها فقدان مثل محمد و محمد

ملکان قد خلت المنابر منہما اخذ الحمام علیہما بالمرصد

یہ ایسی مصیبت ہے جس کی نظیر کوئی نہیں ہو سکتی۔ یہ محمد جیسا شخص اور دوسرے محمد جیسا مرد ہم میں سے گم ہو جاویں۔ یہ دونوں بادشاہ تخت کو خالی کر گئے اور موت نے گھات میں سے نکل کر ان کو پکڑ لیا۔

کہتے ہیں جب بستر مرگ پر دراز ہوا اور مرض الموت میں گرفتار تو ایک نجومی سے دریافت کیا کہ اس سال کسی حکمران کی موت بھی تیرے زائچہ میں نظر آتی ہے۔ کہا ہاں۔ لیکن آپ تو یقیناً وہ نہیں۔ کیونکہ میرے زائچہ میں ایک شخص کلیب نامی

بادشاہ کی موت معلوم ہوتی ہے۔ حجاج نے کہا۔ بخدا میں وہی ہوں۔ کیونکہ پہلے میری ماں نے میرا نام کلیب ہی تجویز کیا تھا۔

جس موت میں یہ مرا ہے اس میں لرزہ اور سردی اسے از حد ستاتی تھی۔ انکاروں سے دھکتی ہوئی انگلیٹھیاں جسم سے ایسی قریب کر دیتے کہ جلد بھی جل جاتی۔ تاہم حجاج سردی کی شکایت کئے جاتا۔ حجاج نے تنگ آکر حضرت امام حسن بصریؒ کے پاس کہلا بھیجا کہ کچھ دعا کرو۔ انہوں نے فرمایا کہ تجھے پہلے ہی ظلم و ستم کرنے بیگناہوں کو ستانے اور ناکردہ قصور شخصوں کے قتل کرنے سے روکا تھا۔ حجاج نے کہا کہ میں صحت نہیں چاہتا بلکہ صرف یہ چاہتا ہوں خدا مجھے جلد اٹھالے اور عذاب زمریر سے نجات دے۔ امام حسنؒ یہ سنکر رونے لگے کہ اللہ اکبر جس نے دنیا پر سطوت و جباری سے حکومت کی ہے، اب کیسی در ماندگی و لاچاری کے ساتھ دم توڑ رہا ہے۔

خلیفہ ولید کے پاس اپنے الوداعی اشعار لکھ کر بھیجے۔

اذا مالقت اللہ عنی راضیا      جب آپ مجھ سے راضی ہیں تو میرے لئے بڑے  
فان سرور النفس فی ماہنالک      اطمینان کا موجب ہے۔

حسبی حیاة اللہ من کل میت      سب مر جانو الے ہیں تو میرے لئے اللہ پاک کا  
وحی بقاء اللہ من کل ہالک      زندہ اور باقی رہنا کافی ہے۔

لقد ذاق هذا الموت من کان قبلنا      جو ہم سے پہلے آئے تھے وہ موت کا پہلے مزا چکھ  
و نحن نذوق الموت من بعد ذلک      چکے۔ اب ہم انکے بعد چکھتے ہیں۔

آخری وقت یہ شعر اکثر پڑھتا رہتا تھا جس میں اپنے گذشتہ افعال کو قبول کر

کے ندامت کا اظہار نیز استغفار کرتا ہے۔

یارب قد خلف الاعداء واجتهدوا      ایمانہم اننی من ساکن النار  
ایحلفون علی عمیاء و یحہم      ما ظنہم بعظیم العفو غفار

خداوند امیرے دشمنوں نے یقین کر لیا ہے اور قسمیں کھا رہے ہیں کہ میں ضرور ہی جہنمی ہوں افسوس یہ لوگ اندھے پن کیساتھ قسم کھا رہے ہیں اور پاک پروردگار پر جو بخش دینے والا اور عظیم العفو ہے کیسا گمان کر رہے ہیں۔

پندرہ روز کی سخت بیماری و لاچاری کے بعد رمضان ۹۵ھ کو ۵۴ سال کی عمر میں وفات پائی اور شہر واسطہ میں جسے بصرہ و کوفہ کے درمیان ۸۷ھ میں اس نے خود آباد کیا تھا دفن کیا گیا۔

امام حسن بصریؒ نے اس کی خبر وفات سنی تو سجدہ میں شکر کیا اور دعا کی۔  
 ”اللہ سے وفات دی ہے تو اس کے طور و طریق کو بھی وفات دیدے۔“ اس کے بیگناہ مقتولوں کی تعداد ستر ہزار اور بعض نے ایک لاکھ کئی ہزار تحریر کی ہے جس میں صحابہ و تابعین اور آئمہ مجتہدین بھی بجز ت شامل ہیں۔ انا لله وانا اليه راجعون۔



## معتمد علی اللہ آخر ملوک حیرہ

معتمد علی اللہ قرطبہ و اشبیلہ کا والی تھا اور قریباً جزیرہ اندلس کے بڑے حصہ پر اسی کا فرمان جاری تھا۔ ایک شاعر نے معتمد اور اس کے باپ معتضد کی تعریف میں کہا ہے۔

من بنی المنذرو هو انتساب      زادنی فخر ہم بنو عباد  
فتیة لم تلد سواها المعالی      والمعالی قليلة الا ولاد  
اور نعمان بن منذر کی اولاد سے ہیں اور اس نسب کے فخر کو عباد بن عمر کی نسل میں ہونے نے اور بھی بڑھا دیا ہے۔ یہ ایسے جوان ہیں کہ مادر اجلال نے ان کے سوا اور کوئی نہیں جنا۔ بیشک اجلال بہت کم بچوں کی ماں ہے۔

اس کا دادا ابو طاہر محمد اشبیلہ کا قاضی تھا اور اپنی منصفانہ طبیعت کی وجہ سے تمام ملک میں مشہور تھا۔ اس وقت یحییٰ بن علی بادشاہ قرطبہ تھا۔ تمام ملک اس کے جو رو ستم سے تنگ آگیا آخر سردار ان ملک نے قاضی ابو طاہر کے پاس جمع ہو کر کہا کہ اگر آپ مخلوق خدا کو اس عذاب سے نجات دلاویں تو ہم آپ کو بادشاہ بنا لیں۔ قاضی موصوف نے مان لیا۔ اور فوج کشی کی گئی۔ یحییٰ بن علی قرطبہ کے محل پر بدست و بے خود پڑا ہوا تھا۔ حملہ آور فوج نے گرفتار کر لیا اور قتل ہوا۔ قاضی ابو طاہر کو بادشاہ بنایا گیا۔ اس عرصہ میں ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ میں ہشام بن الحکم بادشاہ اندلس ہوں جو ۳۳ سال ہوئے مفقود الخبر ہو چکا تھا۔ قاضی نے اسے مان لیا اور تاج و تخت اسی کو سونپ کر خود بطور وزارت کام کرتا رہا اور جب دعویٰ کرنے والا مر گیا تب مکرر باستقلال بادشاہ بن

گیا۔ زبردست عالم و ادیب تھا اور سیاست ملک و ملک داری کا بہت بڑا ملکہ اسے حاصل تھا۔ اس کی وفات پر معتضد باللہ اس کا بیٹا تخت نشین ہوا جو اگرچہ صافی الذہن اور زکی الطبع ادیب و فاضل تھا مگر درشت خو سخت مزاج ۴۶۱ھ ہجری میں اس کی وفات کے بعد معتمد علی اللہ جس کا ہم حال لکھ رہے ہیں تخت نشین ہوا۔

ابو احسن کتاب ملح الملح میں اس کی نسبت لکھتا ہے کہ معتمد جملہ بادشاہان اندلس سے وسعت اخلاق و سخاوت و فضائل میں بڑھا ہوا تھا۔ شعراء و فضلا اس کے آستان پر جمع ہو گئے تھے اور اہل ہنر و فضیلت دور دور سے چلے آتے تھے حتیٰ کہ اس کے دربار سے بڑھ کر اس زمانہ میں اور کہیں اتنے فاضل موجود نہ تھے۔

معتمد خود بھی شاعر تھا۔ اس کے شعر میں پھولوں کی سی نزاکت و لطافت اور موتیوں کی سی رعنائی اور چمک پائی جاتی ہے۔ ہجر و وصال کے مضمون پر کہتا ہے۔

اکشرت هجرک غیر انک ربما  
عظفتک احیانا علی امور  
نکانما زمن التها جر بیننا  
لیل و ساعات الوصال بدور

یعنی جدائی کے لمبے زمانہ میں کبھی کبھی جب تو مل لیتا ہے تو یہ کہنا ٹھیک ہے کہ جدائی کا زمانہ تو راتوں سے مشابہ ہے اور وصال کا زمانہ پور نماشی چاند سے۔

ایک دفعہ بیگمات کو قرطبہ سے اشبیلہ روانہ کیا روانگی رات کی تھی۔ معتمد تھوڑی دور تک ساتھ گیا اور پو پھٹنے کی وقت ان سے جدا ہوا۔ اسی پر یہ قطعہ لکھا۔

سائیرتھم والیل المقل ثوبہ  
حتی تبدی للنوا ذل علماء  
توفقت ثم مود عاو تسلمت  
من یدالا صباح تلک الانجماء

جبکہ رات نے چاروں طرف اپنے سیاہ پردے چھوڑ رکھے تھے میں ان کے ساتھ ساتھ چلا گیا اور جب صبح کا گلکار عباس نظر آنے لگا تب میں ٹھہر گیا اور ان سے وداع ہو کر ان چمکتے ہوئے تاروں کے ہاتھ صبح کے ہاتھ میں دیکر چلا آیا۔ وداع پر ہی



ایک اور قطعہ ہے ۔

ولما و قضنا الوداع غذیة و قد خففت فی ساحت القصر رایات  
بکینا دما حتی کان عیوننا یجری الدموع الحمر منها جراحات  
صبح کیوقت (جبکہ روانہ ہونے والے جھنڈے محل کے صحن میں لہرا رہے  
تھے) ہم وداع کے لئے کھڑے ہوئے اور لہو کے آنسوؤں سے روئے۔ گویا جن آنکھوں  
سے وہ لہو گر رہا تھا آنکھیں نہیں بلکہ بھرا ہوا پھوڑا تھیں۔

اپنے مصاحبین کو جو صبح کیوقت قصر زہرا میں تھے طلب کرتا ہے۔

حسد القصر فیکمہ الزہراء و لعمری و عمر کم ما اساء  
قد طلعتم بہا شمس انہارا فاطلعوا عندنا بد ورامساء  
قصر زہرا کو بھی تم پر حسد ہے اور یہ حسد کچھ ناموزوں بھی نہیں۔ دن میں  
تم وہاں سورج ہو کر چمکے ہو تو شام کو یہاں چاند بن کر طلوع کرو۔

قصر زہرا جس کا ذکر اس قطعہ میں ہے دنیا کے عجائبات میں سے ہے۔ اسے  
عبدالرحمن اموی نے قرطبہ سے چار پانچ میل پر اپنی بیگم زہراء کے نام پر ۳۲۵ ہجری  
میں تعمیر کرایا تھا۔ قصر کا طول دو ہزار سات سو گز اور عرض ایک ہزار پانچ سو گز تھا۔ قصر  
کی سقف کو چار ہزار تین سو ستون سر پر اٹھائے ہوئے تھے۔ جس وقت یہ قصر تعمیر کیا  
گیا ہے اس وقت اندلس کا محاصل اراضیات پانچ کروڑ چار لاکھ اسی ہزار دینار اور محاصل  
متفرقہ سات لاکھ پینسٹھ ہزار دینار تھے۔ عبدالرحمن کل آمدنی کا ایک ثلث فوج پر، ایک  
ثلث دیگر اخراجات سلطنت پر اور ایک ثلث اس عمارت پر صرف کیا کرتا تھا۔

معمد کے عہد میں کل ملک اندلس پر شاہانہ اور اعلیٰ طاقت کے ساتھ ایک  
عیسائی بادشاہ از قونش نامی تسلط تھا اور تمام اسلامی ریاستیں اسے خراج ادا کیا کرتیں  
۷۷۸ ہجری میں اس عیسائی بادشاہ نے طلیطلہ فتح کیا اس سال جو خراج معمد علی اللہ

نے اس کو بھیجا وہ قبول نہ کیا بلکہ کہلا بھیجا کہ تم تمام جنگی قلعہ جات چھوڑ کر صرف ہموار سطح پر اپنا قبضہ رکھو۔ معتمد نے سفیر کو قتل کرادیا۔ از قونش یہ سکر نہایت طیش میں آیا اور اسی بہانہ پر لڑائی کی تیاری کا حکم دیا۔ جب علماء و فقہاء کو یہ معلوم ہوا تو انہوں نے ایک انجمن میں جمع ہو کر مشورہ کیا۔ کہا ہماری چھوٹی چھوٹی ریاستیں باہمی جنگ و جدل میں مصروف ہیں اور نصاریٰ یکے بعد دیگرے اسلامی حکومتوں کو خاک میں ملا رہے ہیں اگر یہی حالت رہی تو اسلامی حکومتوں کا خاتمہ ہو جائیگا۔ آخر قاضی عبداللہ کی رائے یہ ٹھہری کہ یوسف بن تاشفین بادشاہ مراکو سے مدد حاصل کرنا چاہئے۔ معتمد علی اللہ نے اس رائے کو پسند کیا اور یوسف بن تاشفین کجذمت میں خطر روانہ کیا گیا وہ فوراً دس ہزار جنگ آزمائے فوج لیکر مقابلہ میں آیا از قونش نے لمبے چوڑے خط لکھ کر امیر یوسف کو ڈرانا چاہا۔ جس کے جواب میں یوسف نے صرف یہ لکھ بھیجا کہ جو ہوتا ہے اسے تم جلد دیکھ لو گے۔ اگلے روز جنگ شروع ہوئی۔ صرف از قونش چند نفروں سمیت جان بچا کر بھاگ سکا۔ باقی تمام عیسائی فوج وہیں کام آئی۔ معتمد علی اللہ نے بھی لڑائی میں ایسی سعی و کوشش اور جرات و شجاعت دکھلائی کہ سرپازخموں سے چور ہو گیا۔

امیر یوسف اس فتح کے بعد اپنے دارالسلطنت کو لوٹ کر چلا گیا۔ دوسرے سال پھر آیا اور معتمد کو ساتھ لیکر اہل فرنگ کے ایک قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ لیکن جب قلعہ فتح نہ ہوا تو غرناطہ کی سیر کرتا ہوا واپس چلا گیا غرناطہ کی سیر کیا کی وہاں کی نفاست و لطافت مال و زر، تجارت و صنعت میوہ جات، اور ترکاریاں محلات و باغات، بازار اور چراگا ہیں دیکھ کر حیران ہو گیا۔ مراکو میں یہ سامان خواب و خیال میں بھی نہ تھے۔ امراء و مصاحبین بھی اس ملک کے شیفٹہ ہو گئے۔ امیر کو ترغیب دینے لگے کہ اس ملک پر تو خود قبضہ کر لینا چاہئے۔ اسی ضمن میں معتمد علی اللہ کی نسبت ایسی باتیں بنا کر سناتے رہے۔ جن سے امیر کا مزاج برگشتہ ہو جائے آخر اراکین دربار کا فریب چل گیا اور امیر

نے اشبیلہ فوج کشی کا حکم دیا سخت محاصرہ کے بعد شہر فتح ہو گیا۔ تمام باشندگان بیک بینی و دو گوش کہ ستر عورت کیلئے بھی بدن پردہ بھی نہ تھی، باہر نکالے گئے۔ معتمد علی اللہ قید کر لیا گیا۔ شاہی کنبہ کے تمام مردوزن ایک رسی سے بندھے ہوئے اور ایک دوسرے پر اوندھے پڑے ہوئے تھے۔ سب کو ایک کشتی میں ڈالا گیا اور امیر کھدمت میں بھجوا گیا۔ عبد الجبار شاعر نے کشتی کو روانہ ہوتے دیکھ کر ایک قصیدہ لکھا جس کا ایک شعر یہ ہے۔

رفعت لسانی بالقیامتہ قذات فهدای الجبال الراسیات تسیر

میری زبان سے بے اختیار نکل گیا کہ لو قیامت آگئی۔ دیکھ لو یہ بڑے بڑے پہاڑ چل رہے ہیں۔ عربی شاعر عظیم المرتبت شخص کو پہاڑ سے تشبیہ دیا کرتا ہے۔ جب یہ قیدی امیر یوسف کے سامنے کئے گئے تو اس نے معتمد کو شہراغمت میں طوق و سلاسل کے ساتھ قید رکھنے کا حکم دیا جہاں یہ نیک بادشاہ اپنی زندگی کے آخری سانس تک رہا۔

اللہ اکبر کیا عبرت کا مقام ہے کہ چار روز پہلے جس کا ملک میں سکھ و خطبہ جاری تھا۔ جو سنہری تخت پر ناز سے قدم رکھتا تھا جس کے حضور میں بڑے بڑے گردن کش حاضر ہوتے ہوئے تھراتے تھے۔ وہ کیسی گمنامی کیساتھ فرش خاک پر طوق و سلاسل کے شکنجہ میں پڑا ہوا ہے اور کس طرح ادنیٰ سے ادنیٰ ملازم کی مہربانی کیلئے التجا کرتا ہے۔

ایک شاعر نے جو نمک پروردہ بھی تھا اپنے آقا کی اس رلادینے والی حالت پر قصیدہ لکھا ہے۔ عربی دماغ کے خیالات معلوم کرادینے کیلئے بعض اشعار درج کرتا ہوں۔

وقل لی مجازا ان عدمت حقیقتہ لملک فی نعم وقد کنت منعما

گو حقیقتہً نہیں لیکن مجھ سے مجازاً ہی بتلا دیجئے کہ کیا آپ نعمتوں میں ہیں۔  
شاید ایسا ہی ہو کیونکہ قدیم سے آپ نعمت پروردہ تھے۔

افکرفی عصر مضی لک مشرقا فیر جمع ضواء الصبح عندی مظلما  
میں جب آپ کے پچھلے روشن زمانہ کو یاد کرتا ہوں تو صبح کی روشنی میری آنکھوں  
میں تاریک نظر آتی ہے۔

واعجب من افق لمجرة اذری کسونک شمساکیف الطلع انجما  
میں تو پیروں کو دیکھ دیکھ کر حیران ہوں کہ جب بڑے سے آفتاب کو گناتے  
ہوئے دیکھ چکا ہے تو اب ستارہ ہو کر کس طرح چمکتا ہے۔

صبا حهم کنا حهم تحمدالسری فلما عدمناہم سرینا علی عمی  
ان کے عہد میں ہم صبح کے خواب شیریں میں تھے لیکن جب وہ نہ رہے تو ہم  
اندھے رہ گئے۔

وکنا وعینا العزحول حماہم فقد اجذب المرعی وقد اقصر الحمی  
عزت و اقبال ان کے سبزہ زار کار کھوالا تھا مگر اب وہ سبزہ ہی خشک ہو گیا وہ پٹیر  
ہی کلر شور بن گیا۔

سینجیک من نجی من الجب یوسفا ویویک من اوی المسیح ابن مریم  
تجھے وہ پاک پروردگار نجات دیگا جس نے یوسف کو چاہ سے نکالا تھا۔ تجھے وہ  
مالک امن گاہ تک پہنچایگا جس نے مسیح کو بچایا تھا۔

وفا و مروت میں جو لوگ ثابت قدم تھے وہ زنداں میں بھی جا کر معتمد سے ملا  
کرتے اور پہلے کی سی تعظیم و آداب کا اظہار کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ابو بکر شاعر اسے ملنے  
کیواسطے گیا تو معتمد نے ۲۰ دینار ایک چونہ قلمکار اس کے پاس بھیجا اور یہ قطعہ بھی لکھا۔

الیک النذر من کشف الاسیر فان تقبل تکن عین الشکور

تقبل ما یكون له حياء وان عذرتہ احوال الفقیر  
یہ تمہاری نظر ہے جو قیدی پیش کرتا ہے۔ اگر تم نے اسے منظور کیا۔ تو  
مشکوری کا باعث ہے گو فقیرانہ حالت نے مجھے معذور کر رکھا ہے۔ تاہم مجھے اس  
تھوڑی سے چیز پر شرم آتی ہے۔ بہر حال تم اسے منظور ہی کر لو۔

عید کا دن تھا اور شہر میں چہل پہل ہو رہی تھی۔ اتنے میں معتمد کی دو بیٹیاں وہ  
ناز پر درودہ شہزادیاں اپنے باپ کو دیکھنے کیلئے زنداں میں آئیں۔ یہ لڑکیاں گلی بازار میں  
لوگوں کو گیت سنا کر بھیک مانگ کر گزران کرتی تھیں۔ زنداں میں ایک عہدہ دار بھی  
موجود تھا پہلے معتمد کا ملازم اور ادنیٰ چاکر رہ چکا تھا۔ شہزادیوں کو دیکھ کر دل بھر آیا اور  
بے ساختہ یہ شعر پڑھنے لگا۔

فیما مضی کنت بالاعیاد مسرورا فساء ک العید فی اغمات ماسورا  
آج سے پہلے عید کے دنوں میں تو آپ خوش و خرم ہوتے تھے لیکن اغمات کی  
عید میں بھی اسیر پڑے ہو۔

تری بناتک فی الاظمار جائعتہ یغزلن للناس لا یملکن قطمیرا  
تو اپنی بیٹیوں کو ایسی حالت میں دیکھ رہا ہے کہ پیٹ سے بھوکی اور بدن سے  
ننگی ہیں۔ لوگوں کے سامنے گیت گاتی ہیں اور کوڑی پاس نہیں۔

بزرر نحوک للتسلیم خاشعتہ بصرہن حیرات مکا سیرا  
لڑکیاں تجھے مودبانہ سلام کرنے کیلئے آئی ہیں اور انکی نگاہ سے حسرت و شکستگی ٹپک رہی ہے۔  
من بات بعدک فی ملک یسربہ فانما بات بالا حلام مغرورا  
آپ کے بعد جو حکومت پر خوش ہو گا اس کی وہی مثال ہے جو خواب و خیال پر خوش ہوتا ہے۔  
ایک دن معتمد کا بیٹا ابو ہاشم زنداں میں اپنے باپ کو دیکھنے گیا۔ دیکھا وہ ہے میں  
جھکڑا ہوا ہے کہ کروٹ لینا بھی دشوار ہے آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی ایسی جاری

ہے کہ بند نہیں ہوتی۔ فرزند کو دیکھ کر اور بھی دل بھر آیا اور ذیل کے اشعار پڑھنے لگا۔

قیدی امالعلمنی مسلما اے! قید تو مجھے مسلمان نہیں سمجھتی۔

ابیت ان تشفق وور ترحما کہ رحم و شفقت میرے لئے جائز نہیں سمجھی گئی۔

دمی شراب لک و اللحم قد میرا ہونپی لیا گوشت کھالیا۔

اکلتہ لا تہشم الا عظما اور ہڈیوں کو چور چور بنا دیا۔

یبصرنی منک ابو ہاشم ابو ہاشم میری خبر لینے آیا ہے مگر اے قید مجھے تیرے

فیشنی و القلب قد ہشما ساتھ دیکھ کر اس کا دل ٹکڑے ہو جاتا ہے۔

ارحم طفیلا طایش لبہ نادان بے تمیز گم کردہ ہوش و حواس بچے پر ہی رحم

لم یخشی ان یاتیک مترحا کر جو تیرے سامنے رحم کی درخواست کرنے سے نہیں

جھبکتا۔

وارحم اخیات له مثله اس بچہ کی بہنوں پر ہی رحم کرو جن کو اس بچہ کے ساتھ ہی

جرعتہن السم و العلقما تو نے حنظل وزہر کا گھونٹ پلا دیا ہے۔

منہن من یفہم شیئا فقد لڑکیوں میں سے کوئی تو اس عمر کی ہے جو اس

مصیبت کو سمجھ سکتی ہے؟

خفنا علیہ للبکاء العمی سودہ اتنا رور ہی ہے کہ اسکے اندھا ہو جائیگا ڈر ہے

والغیر لا یفہم شیئا کوئی لڑکی ایسی ہے جو کچھ بھی نہیں جانتی۔ وہ صرف

یفتح الا لرضاع فما چھاتی چوسنے کیلئے منہ کا کھولنا جانتی ہے۔

ابو بکر جو دربار معتمد کا شاعر خاص تھا ایک دفعہ اس نے معتمد کے پوتے کو دیکھا

کہ رنگریزی کی دکان کر رکھی ہے اور فخر الدولہ کہلائے جانے کے بعد پیسہ پیسہ پر کپڑے

رنگ رہا ہے۔ یہ قطعہ لکھ کر اس کے سامنے پیش کیا اور اپنی نمک حلائی کا ثبوت دیا۔

شکاتنا فیک یا فخر العلاء عظمت والزرء یعظم فیمن قدره عظما  
اے فخر العلاء تیرے بارے میں ہم کو بہت بڑا افسوس ہے بیشک عظیم  
الشان کی مصیبت بھی عظیم ہی ہوا کرتی ہے۔

طوقت من نائبات الدهر عنقته ضاقت علیہ و کم طوقتنا النعما  
یا تو ہماری گردنوں میں قیمتی گلوبند پہنایا کرتا تھا۔ یا زمانہ نے تیرے گلو میں  
سانس کو بند کر دینے والے طوق ڈال دیئے۔

صرفت فی الة الصورغ انملة لم تدرالا الندی و السیف و القلما  
تو نے ان انگلیوں کو رنگریزی میں ڈال رکھا ہے جو زری پاشی، سفیرائی، قلمگیری  
کے سوا کچھ نہیں جانتی تھیں۔

تدعہد تک للتقبیل تبسطها فننقل الثریا ان تكون فما  
وہ ہاتھ اگر تو اسے بوسہ دہی کیلئے پھیلا دیتا تو ثریا سراپا دہن ہو کر آگے بڑھتا۔  
معمد علی اللہ ۴۳۱ھ میں پیدا ہوا ۴۸۸ھ میں جیل خانہ کے اندر وفات پائی  
صاحب تخت و تاج اور مالک سکہ و خطبہ ہوئے بعد گمنامی کیساتھ دفن ہوا۔ اس کے  
مرنے کے بعد بھی شاعروں نے دردناک الفاظ میں مرثیے لکھے۔ اور مدتوں تک پرانے  
نمکخوار قبر کے مجاور بنے رہے۔ ایک روز چند شاعر اکٹھے ہو کر قبر پر پہنچے عبدالصمد جو  
خاص شاعر تا وہ آگے بڑھا اور قطعہ ذیل پڑھا۔

ملک الملوك اسامع فانادی ام قد عدتک عن السماع عوادی  
اے شہنشاہ کیا آپ سنیں گے میں کچھ عرض کروں۔ یا آپ فریاد سننے سے بیزار ہیں۔  
لما نقلت عن القصور ولم تکن فہا کما قد کنت فی لاعیاء  
جب ان محلوں سے (دنداں سے مراد ہے) جہاں آپ کچھ زیادہ خوش نہ تھے چلے آئے۔  
اقبلت فی هذا التری لک حاضرا و جعلت قبرک موضع الانشاد

تو میں بھی خاک گور بر ادب و تواضع کیساتھ حاضر ہو گیا ہوں۔ آپ کی قبر کو بھی نہیں قصیدہ خوانی کی جگہ سمجھ لیا ہے۔

اتنا پڑھتے ہی زمین پر گر پڑا۔ قبر پر لوٹا تھا اور اپنے چہرہ پر خاک گور ملتا جاتا تھا۔ خود بھی رویا اور دوسروں کو بھی رلایا۔

پیارے قارئین اس تمام دردناک داستان سے عبرت پکڑو اور چند سبق حاصل کرو۔

۱۔ ہم کو ایسے علماء کی ضرورت ہے جو قوم کے اسباب تنزل پر غور کرنے اور وجوہ ترقی پر عمل کرنے کیلئے بادشاہ وقت کو مشورہ دینے والے ہوں جیسے کہ اذقونش کے حملہ پر علماء عہد نے معتمد کو دیا تھا۔

۲۔ خواہ کوئی کیسا ہی عالی خاندان کیوں نہ ہو اور کیسے ہی اعلیٰ عہدہ پر کیوں نہ رہ چکا ہو مصیبت پڑنے کے بعد اسکو ادنیٰ سے ادنیٰ پیشہ اختیار کرنے اور وجہ حلال سے شکم پری کا طریق نکالنے میں تامل نہ کرنا چاہئے جیسے فخر الدولہ نے رنگریزی اختیار کرنے میں اپنی اعلیٰ جوانمردی کا ثبوت دیا۔

۳۔ محسن کے احسانات کو ہمیشہ یاد رکھو اور اگر وہ کسی مصیبت میں گرفتار ہو جائے تب جہاں تک ممکن ہو ثبات و استقلال کے ساتھ اس کی محبت میں رہو۔ جیسا کہ معتمد کے اکثر ملازموں اور شاعروں نے کیا۔

۴۔ خیال کرو کہ کیونکر پہلی سلطنتیں عروج پاتی اور بہوٹ میں گرتی رہی ہیں۔





## ملک شاہ سلجوقی

ابوالفتح کنیت 'ملک شاہ نام ہے۔ الپ ارسلان سلجوقی اس کا باپ تھا۔ الپ ارسلان سفر میں تھا کہ بستر مرگ پر بیمار ہو کر پڑا۔ ملک شاہ ساتھ تھا۔ حالانکہ اس سے پہلے سفر میں بھی باپ کیساتھ ہوتا تھا۔ باپ نے بیٹے کو بلایا۔ اپنے سامنے بادشاہ بنایا۔ پھر اراکین سلطنت اور سرداران فوج کو بلا کر اس کی اطاعت و فرمانبرداری کا حلف لیا۔ پھر نظام الملک وزیر اعظم کو بلا کر سمجھایا کہ فلاں فلاں اضلاع دوسرے بیٹوں کو تقسیم کر کے دیدے اور وہ سب اپنے بڑے بھائی کی اطاعت میں رہیں۔ الپ ارسلان مر گیا اور ملک شاہ دارالسلطنت کو روانہ ہوا۔ آگے چل کر معلوم ہوا کہ چچا مخالف ہو کر باغی بن گیا ہے۔ نظام الملک فوج لیکر آگے بڑھا۔ اسے شکست ہوئی اور گرفتار کر کے ملک شاہ کے سامنے لایا گیا۔ چچا نے معافی کی درخواست کی لیکن شاہ نے پذیرائی نہ کی۔ اس نے جیب سے ایک خریطہ نکالا جس میں سینکڑوں خطوط تھے۔ کہا جیتک میرے پاس آپکے سرداروں اہلکاروں کے اسقدر خطوط نہ پہنچے، اس وقت تک میں نے بغاوت نہیں کی۔ پس قصور صرف میرا ہی نہیں۔ شاہ نے نظام الملک کو بلایا۔ خریطہ دیکر کہا کہ ان سب کو پڑھو اور دیکھو کس کس نے کیا کیا لکھا تھا۔ نظام الملک نے خریطہ ہاتھ میں لے لیا کمرہ میں انگیٹھی خوب روشن ہو رہی تھی۔ جھٹ اس کو انگیٹھی میں ڈال دیا۔

جس وقت سے بادشاہ کے ہاتھ میں منافق سرداروں کے وہ خطوط آگئے تھے ان میں عجب طرح کی کھلبلی اور بے چینی پھیل گئی تھی سب کو مجسم موت نظر آنے لگی

تھی۔ اور دل میں سب ٹھانے بیٹھے تھے کہ اگر شاہ نے قتل کا حکم دیا تو دو دو ہاتھ کئے بغیر ہم بھی اپنی جان نہ دیں گے۔ لیکن جب نظام الملک نے سب خطوط کو آگ میں ہی ڈال دیا تو سب کی تسکین ہو گئی اور ہر ایک نے یہی چاہا کہ سب سے زیادہ وفاداری اور خدمت گزاری کا وہی اظہار کرے تاکہ احتمالی طور پر بھی ان پر شبہ نہ ہو سکے۔ پس یہی ایک سادہ اور پر معنی تدبیر تھی۔ جس سے ملک شاہ کی حکومت مستحکم ہو گئی اور آئندہ فتوحات بھی اس قدر بادشاہ کو حاصل ہوئیں کہ خلفائے متقدمین کے بعد کسی بادشاہ کو نصیب نہ ہوئی تھیں۔ اس کی حدود سلطنت کا شغریٰ سے لیکر بیت المقدس تک اور قسطنطنیہ سے لیکر بلاد خزر تک پھیلی ہوئی تھیں۔ خاص بغداد بھی اس کی زیر حکومت تھا اور خلیفہ صرف نام کا رہ گیا تھا۔ جیسے اکبر ثانی وغیرہ شاہانِ دہلی پنشن خواری کی حالت میں بھی بادشاہ کہلاتے تھے۔ اتنی بڑی سلطنت میں امن و امان ایسا تھا کہ ماورالنہر سے لیکر شام کی انتہائی سرحد تک قافلے بلا روک ٹوک آتے جاتے تھے اور ان کے ساتھ ایک سپاہی بھی حفاظت کیلئے نہ ہوتا تھا۔ اکاد کا آدمی ہزاروں کا مال لیکر لمبے لمبے سفر کیا کرتا تھا اور اسے بد امنی کا کوئی ہراس نہ ہوتا تھا۔

بادشاہ ایسا فتح نصیب تھا کہ جتنی لڑائیوں میں خود شامل ہو یا فوج بھیجی سب مظفر و منصور واپس ہوئی جس قدر فتح کا خیال تھا۔ اسی قدر آبادی ملک کا بھی دھیان رکھتا تھا۔ تمام ملکوں میں نہروں کا جال بچھا دیا۔ اور ہر ایک بڑے شہر کی فصیل تیار کرادی تھی اور جا بجا شاہراہوں پر پل بنوادیئے تھے۔ بغداد کی جامع سلطان کا بانی بھی یہی ہے۔ مکہ مکرمہ کی راہ میں بیسیوں مہمانسرائیں تیار کرادیں اور ان پر بہت زیادہ روپیہ صرف کیا۔ شکار کا تو عاشق تھا جب فرصت ملتی شکار کو چلا جاتا۔ ایک دفعہ حکم دیا کہ جتنے جانور ہم نے شکار کئے ہیں ان کا شمار کیا جاوے۔ بھول چوک چھوڑ کر دس ہزار گنتی میں آئے۔ بادشاہ نے دس ہزار دینار خیرات کئے کہ میں خدا سے عفو چاہتا ہوں کہ بہت سے ایسے

مارے گئے جو کھائے نہیں گئے اس کے بعد جو شکار کرتا ایک دینار صدقہ دیتا۔ طبیعت میں تواضع اور انکسار اس قدر تھا کہ ایک دفعہ حاجیوں کو رخصت کرنے کیلئے کوفہ سے نکلا تو کئی کوس تک ان کے ساتھ پاپیادہ ہی چلا گیا۔ جب بیڑ میں پہنچا تو وہاں ایک بہت بڑا گور خر مل گیا حکم دیا کہ جس قدر جانور ہم شکار کر چکے ان کے سب کے کھر اور سینگ اکٹھے کر کے اس جگہ ایک مینار تیار کر دیا جائے جسے دیکھ کر وحشی بھاگ جایا کریں۔

خبر آئی کہ حقیقی بھائی باغی ہو گیا۔ لشکر لے کر چلا۔ راستہ میں امام علی بن موسیٰ رضاؑ کا مشہد آیا۔ نظام الملک کو لیکر روضہ میں چلا گیا۔ ایک گوشہ میں نماز پڑھی اور دونوں نے دعا مانگی۔ باہر آکر نظام الملک سے پوچھا کہ تم نے یہاں کیا دعا مانگی کہا حضور کی فتح و نصرت کی۔ کہا میں نے تو یہ دعا مانگی ہے کہ خداوند کریم ہم دونوں بھائیوں میں سے جو رعیت کو زیادہ نفع پہنچائیو والا اور مسلمانوں کی حالت کو زیادہ درست رکھنے والا ہو اس کو فتح دے۔

ایک دفعہ ایک واعظ سے وعظ سننے لگا۔ واعظ نے بیان کرتے ہوئے یہ حکایت سنائی اکاسرہ (فارس کے آتش پرست بادشاہوں) میں ایک شکار میں تنہا رہ گیا اور ایک باغ میں جا پہنچا۔ ایک چھوٹی سی لڑکی وہاں موجود تھی اس نے پانی مانگا۔ وہ تھوڑی دیر کے بعد شربت اور برآب کا گلاس لے آئی۔ بادشاہ نے پوچھا کہ مٹھاس کس چیز کی ہے۔ کہا باغ میں نہایت عمدہ قسم کے پودے ہیں ہاتھ سے ذرا دباؤ تو رس نکل پڑتا ہے۔ اس پانی میں ڈالکر میں نے شربت بنا لیا ہے۔ کہا اچھا ایک گلاس اور لا۔ لڑکی چلی گئی۔ بادشاہ نے دل میں کہا کہ ایسا باغ ہمارے پاس ہونا چاہیے۔ ان کو معاوضہ میں کوئی باغ دے کر شاہی قبضہ کر لوں گا۔ لڑکی دیر کے بعد رونی شکل بنا کر آئی۔ کہا ہمارے بادشاہ کی نیت میں اس وقت فرق آگیا۔ بادشاہ نے کہا کیونکر۔ کہا اب کی دفعہ بڑی دقت اور زور

سے رس نکلا ہے اور وہ بھی کم۔ بادشاہ نے دل میں کہا کہ اس کی آزمائش کرنی چاہیے۔ میں اپنے ارادہ کو فسخ کرتا ہوں۔ کہا اچھا ایک گلاس اور لے آ۔ لڑکی جلدی آگئی اور ہنستی ہوئی آئی۔ کہا شکر ہے کہ بادشاہ کی نیت درست ہو گئی اور پودے پہلے جیسے بن گئے۔

ملک شاہ نے یہ سکر و اعظ کو کہا کہ اس کے ساتھ وہ قصہ بھی تو لوگوں کو سنا دینا چاہیے کہ نوشیر دان نے ایک باغبان سے (جو بادشاہ کو پہچانتا تھا) انگور کا ایک خوشہ مانگا۔ باغبان نے کہا کہ بادشاہ نے ابھی بٹائی نہیں لی، اس لئے میں خیانت نہیں کر سکتا۔ مجلس و اعظ کے حاضرین حیران رہ گئے کہ واعظ نے جس درجہ کی کہانی سنائی تھی جس سے بادشاہ کا رعیت پر حق نکلتا ہے۔ بیشک دونوں کو اپنے اپنے حقوق کی کامل نگہداشت کرنی چاہیے۔ ہمدانی لکھتا ہے کہ ایک دفعہ ایک حبشی روتا ہوا بادشاہ کے پاس آیا۔ کہا میں ایک تریوز خرید کر لایا تھا۔ دو تین فوجی ترک سامنے آئے چھین کر لیگے۔ بادشاہ نے کہا ہمارے خیمہ میں خاموش ہو کر بیٹھ جاؤ۔ پھر خادم کو بلایا۔ کہا کہ میرا دل تریوز کھانیکو چاہتا ہے کہیں سے لاؤ۔ اس نے کمپ میں تلاش کرائی۔ وہی تریوز ایک سردار کے پاس مل گیا جب اسے خبر ہوئی کہ بادشاہ کھانا چاہتا ہے تو خود لیکر حاضر ہوا۔ بادشاہ نے کہا یہ کہاں سے آیا۔ کہا چند سپاہی میرے پاس تھے لائے تھے کہا ان کو حاضر کرو۔ سردار سمجھ گیا کہ ان کو سزا ملیگی۔ آکر کہہ دیا۔ حضور وہ تو اس وقت کمپ سے باہر گئے ہوئے ہیں۔ بادشاہ نے حبشی کو بلایا۔ کہا اس سردار کو ہم تیرا غلام بناتے ہیں۔ جب تک یہ تجھے خوش نہ کرے۔ تیرا غلام ہے۔ امیر نے خیمہ سے باہر جا کر اسے تین سو روپیہ دیکر خوش کیا اور اپنا پیچھا چھڑایا۔ کہتے ہیں کہ رسد رسائی افواج کا انتظام ایسا عمدہ تھا کہ جس شہر یا قصبہ میں بادشاہ جا کر اترتا وہاں کا نرخ روز مرہ کی نسبت اور سستا ہو جاتا کیونکہ بعض مواقع پر عام لوگ کم ریٹ سے ضروریات زندگی خرید کر سکتے تھے۔ ہمدانی لکھتا ہے کہ رے میں ایک مغنیہ نہایت حسین و جمیلہ تھی۔ بادشاہ نے اسے راگ سننے کیلئے بلایا۔ مگر صورت

دیکھتے ہی مفتون ہو گیا۔ جب اپنا ارادہ اس پر ظاہر کیا تو کہا حضور مجھے غیرت آتی ہے کہ خدا نے مجھے ایسی صورت شکل عطا فرمائی ہے اور میں اس کو جہنم کا ایندھن بناؤں۔ حضور جانتے ہیں کہ حلال و حرام میں صرف ایک کلمہ کا فرق ہے اور جب حلال ایسی آسانی سے میسر آسکتا ہو تو حرام سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔ بادشاہ نے کہا سچ کہتی ہو۔ اس وقت قاضی کو بلوا کر نکاح پڑھوا لیا۔

کہتے ہیں کہ بادشاہ نے اپنی بیٹی کا نکاح خلیفہ مقتدی باللہ کے ساتھ کر دیا تھا۔ اس کے شکم سے ابو الفضل جعفر پیدا ہوا۔ ولادت کی خوشی میں تمام شہر بغداد کی آئینہ بندی اور چراغاں کی گئی۔ ملک شاہ کو اب یہ خیال پیدا ہوا کہ خلیفہ پر یہ زور ڈالے کہ جعفر کو اپنا ولیعہد قرار دے۔ خلیفہ ایسا کرنا نہ چاہتا تھا کیونکہ وہ اپنے بڑے بیٹے مستنصر کو ولی عہد بنا چکا تھا۔ خلیفہ نے پہلے انکار کر دیا۔ لیکن جب ملک شاہ نے خود بغداد میں آکر اس پر بہت زور ڈالا تو خلیفہ نے دس یوم کی مہلت غور کرنے کیلئے طلب کی۔ بادشاہ شکار کو چلا گیا۔ شکار میں اس نے کیا گور خر مارا۔ اس کے کباب بنا کر کھائے اور کھاتے ہی بیمار ہو گیا۔ بغداد میں واپس لایا گیا۔ دو روز بیمار رہ کر مر گیا۔ کہتے ہیں کہ خلیفہ نے دس یوم کی مہلت لیکر روزہ رکھنا شروع کیا اور زمین پر اپنا بستر پچھالیا افطار کی وقت دعا مانگتا کہ الہی مجھے شاہ کے تقاضا سے نجات دے۔ چنانچہ بادشاہ اس دس یوم کے اندر بیمار ہو کر مر گیا تھا۔ اس کے مرنے پر کسی قسم کا جزع و فزع اور اظہار ماتم نہیں ہوا۔ دستور تھا کہ ماتم شاہ میں سوار اپنے گھوڑوں کی دین میں کاٹ ڈالتے تھے۔ یہ رسم بھی نہیں کی گئی۔ نہایت سہولت کیساتھ بغداد سے جنازہ اصفہان لایا گیا اور مدرسہ عظیمہ میں دفن کیا گیا۔ ولادت ۹ جمادی الاول ۴۴ھ۔ وفات ۱۶ شوال ۴۸۵ھ۔ مدت سلطنت ۲۰ برس۔



## طغرل بک بانی خاندان سلجوقیہ

سلجوقی دراصل ترک ہیں اور صاحب ملک و حکومت ہونے سے پیشتر یہ قوم بخارا اور ماوراء النہر کے درمیان بود و باش رکھتی تھی۔ وہ کسی سلطنت کو خراج نہ دیتے تھے۔ اگر کوئی سلطنت ان پر حملہ بھی کرتی تو بھاگ جاتے یا محصور ہو کر مقابلہ میں حملہ آور فوج کو شکست دے کر نکال دیتے۔ سلطان محمود غزنوی نے ان کی طاقت و شجاعت اور کثرت تعداد و آزادی کو خوفناک سمجھ کر سردار قوم کو اپنی طرح طرح کی مہربانیوں سے گرویدہ بنا لیا اور اس کی آمد و رفت دربار میں ہو گئی۔ ایک دفعہ موقع مل جانے پر اسے قید کر دیا گیا اور قوم کے افراد بھی اسیر کر لئے گئے۔ اراکین دربار میں سے کسی کی رائے تھی کہ ان کو جیچون میں غرق کر دیا جائے۔ کوئی کہتا تھا کہ صرف نرا انگشت کاٹی جائے تاکہ نہ تیر چلا سکیں اور نہ ہتھیار اٹھا سکیں۔ لیکن سلطان محمود نے ان کو دریائے جیچون سے پار اتار کر چھوٹی چھوٹی بستیوں کو متفرق کر دیا اور ہلکا سا خراج بھی مقرر کر دیا۔ کچھ عرصہ تک یہ لوگ امن و امان سے آباد رہے لیکن پنجہ حکومت کے مضبوط ہو جانے پر عمال کی سخت گیری و زیادہ ستانی ان کو تنگ کرنے لگی۔ ایک ہزار گھر یہاں سے اجڑ کر علاقہ کرمان کو چلے گئے۔ بہاؤ اللہ بن عضد الدولہ وہاں کا حاکم تھا اس نے چودہ ہریوں کو خلعت دیکر سب کو اطمینان دلایا اور اپنے زیر سایہ آباد ہونیکا ارشاد فرمایا۔ اس کا نشانہ ان سے فوجی خدمت لینے کا تھا۔ لیکن دس دن گزرے تھے کہ بہاؤ الدولہ مر گیا اور یہ مہاجر قوم ویلم سے ڈر کر اصفہان کو چلی گئی۔ یہاں کا حاکم علاء الدولہ تھا اس نے بھی ان لوگوں

سے مدارات ہی کی اور فوج میں داخل کر لینے کا ارادہ کیا لیکن اتنے میں سلطان محمود کا مراسلہ پہنچ گیا۔ جس میں ان لوگوں کو ملک سے خارج یا قتل کر دینے کیلئے تاکید کی گئی تھی۔ سخت خونریزی کے بعد بچے کچھے سلجوقی آذربجان کو روانہ ہو گئے۔ ان کے جو گھر خراسان میں ہی رہ گئے تھے سلطان نے ان پر لشکر کشی کا حکم دے دیا۔ وہ خوارزم کی متصلہ پہاڑیوں میں پناہ گزیں ہو کر دو سال غزنوی فوج کا مقابلہ کرتے رہے آخر محمود نے خود حملہ کیا اور پہاڑوں کی آڑ سے نکال اپنے حلقہ حکومت سے خارج کر دیا۔ سلطان محمود اس سے تھوڑا عرصہ بعد ہی راہ روئے ملک جاودانی ہو گئے۔ سلطان مسعود کو تقویت لشکر کیلئے بہادر اشخاص کی ضرورت محسوس ہوئی اس نے ان سلجوقیوں کو جو آذربجان چلے گئے، طلب کیا ایک ہزار مرد جنگی وہاں سے مل گئے پھر خراسان کے متصل متفرق پراگندہ سلجوقیوں کو جمع کرایا۔ اور سب سے اطاعت کا حلف لیکر سابقہ وظیفہ جو شروع شروع میں محمود نے دینا تجویز کیا تھا جاری کر دیا۔ طغرل بک اور اس کا بھائی ہنوز ماوراء النہر کی جانب ہی تھے اور ملک شاہ صاحب بخارا سے چند لڑائیاں لڑ کر بہت کمزور ہو چکے تھے۔ اس وقت انہوں نے سلطان مسعود کو پہلے تو ان لوگوں کی سرکونی کا حکم دیا لیکن چند لڑائیوں کے بعد طغرل بک کو معافی دیدی اور شرط یہ ٹھہری کہ خوارزم کو فتح کر کے سلطان مسعود کی حکومت میں شامل کر دیں گے۔ اس وقت ان کی درخواست پر وہ بوڑھا چودہری یا سردار بھی جسے سلطان محمود نے شروع میں قید کیا تھا چھوڑ دیا گیا۔ سلطان مسعود کی طرف سے جنگی طاقت کے بڑھانے کی گویا اجازت ہی تھی۔ اس لئے ایک بھاری لشکر لیکر حکومت خراسان کی طرف انہوں نے رخ کیا۔ طوس رے، نیشاپور کو طغرل بک نے اور بلخ کو داؤد نے جلد فتح کر لیا۔ ابتدا میں تو یہ لوگ سلطان مسعود کے نام کا ہی خطبہ پڑھتے اور اسی کو اپنا بادشاہ ظاہر کرتے رہے۔ لیکن طاقت پذیر ہوتے رہنے کیساتھ طغرل بک مستقل بادشاہ ہو گیا اور خلیفہ قائم بامر اللہ والی بغداد نے

ان کو آزاد بادشاہ تسلیم کر لیا اور تھوڑے عرصہ میں ہی ان کی سلطنت تمام عراق پر چھا گئی۔ شہر بغداد بھی دائرہ حکومت میں آگیا۔ طغرل بک ہمیشہ افراد قوم کو عدل و تقویٰ اور احسان کی تاکید کرتا تھا اور خود بھی ان اوصاف سے متحلی تھا۔ وہ ہجگانہ نماز باجماعت مسجد میں ادا کرنے کا پابند تھا اور ہفتہ میں دو شنبہ و پنجشنبہ کو روزہ رکھا کرتا۔ صدقہ و خیرات بخرت کرتا اور جگہ جگہ مساجد تعمیر کرایا کرتا۔ وہ کہا کرتا تھا مجھے شرم آتی ہے کہ اپنے لئے تو مکان تعمیر کراؤں اور خدا کیلئے اس کے پہلو میں گھر نہ بناؤں۔ ایک نیک کام طغرل بک نے یہ کیا کہ قسطنطنیہ میں جو ہنوز یونانیوں کے قبضہ میں تھا، نماز باجماعت اور جمعہ کی اجازت مسلمانوں کیلئے ملکہ سے حاصل کر لی۔ جمعہ کے دن خطبہ میں خلیفہ قائم باللہ کا نام پڑھا گیا۔ مستنصر العبیدی خلیفہ مصر کا سفیر بھی قسطنطنیہ میں موجود تھا۔ جو اس بات سے چڑ گیا اور قسطنطنیہ کے ساتھ ان کی عداوت ہو گئی۔ قبضہ بغداد کے بعد طغرل بک خود بغداد میں داخل ہوا اور خلیفہ سے اس کی بیٹی کو اپنے نکاح کیلئے طلب کیا۔ خلیفہ نے انکار کیا۔ لیکن بہت سی خط و کتابت کے بعد اس درخواست کو منظور کر لیا گیا۔ نکاح کے بعد شاہزادی ایک سنہری تخت پر جلوہ آرا ہوئی۔ طغرل بک نے اول ملاقات میں سامنے جا کر نہایت ادب سے سلام کیا اور ایسے قیمتی تحفے پیش کئے جسے دیکھ کر شاہزادی بھی چکا چوند میں آگئی۔ طغرل بک اس کے بعد پھر مودبانہ سلام کر کے چلا آیا۔ اور شاہزادی کے منہ سے نقاب تک بھی نہ اٹھایا۔ وہ اس رشتہ سے نہایت ہی مسرور اور نہایت مفتخر تھا۔ شاہزادی کی پہلو نشینی کا فخر اسے پھ ماہ حاصل رہا اور پھر اسے رائڈ کر گیا۔

یہ نیک اور نامور سلطان ستر برس کی عمر میں بمقام رے ۴۵۵ھ کو اس دنیا سے سدہار اور ایسے خاندان کی بنا ڈال گیا جو عظمت و سطوت سلطنت کے علاوہ علم دوستی اور عمدہ اوصاف کیلئے بھی آج تک مشہور ہے۔ مرض الموت میں اس نے بیان کیا کہ



ایک دفعہ میں نے خواب دیکھا کہ مجھے آسمان کی طرف اٹھا کر لے چلے۔ کمر اور دھند کیوجہ سے نظر کچھ کام نہ کرتی تھی۔ ہاں خوشبو نہایت پاکیزہ آرہی تھی کسی شخص نے کہا کہ اب تو رب العالمین سے قریب تر ہے جو مانگنا ہو مانگ لے۔ میں نے دل میں خیال کیا کہ درازی عمر کا سوال کروں۔ چنانچہ میں نے یہی کہا۔ آواز آئی کہ تیری عمر ستر برس کی ہے میں نے کہا یہ تو کافی نہیں آواز آئی کہ عمر تو ستر برس کی ہی ہے۔ اسی طرح تیسری دفعہ بھی کہا میری مثال تو اس بھیر کی سی ہے۔ جسے اون اتارنے کیلئے ہتھکڑا گیا تو وہ سمجھی کہ ذبح کریں گے۔ اور ذبح کرنے کیلئے گرایا تو وہ سمجھی کہ اون اتاریں گے۔

طغرل بک کا فرزند زرینہ کوئی نہ تھا۔ الپ ارسلان بن داؤد جو اس کا بھتیجا تھا اس کے بعد مسند آرا ہوا۔ طغرل بک نیز دنیا بھر کے ہر ایک بانی سلطنت کی عمر کی سوانح اگرچہ جزئیات میں مختلف ہوں لیکن ان سب کی ترقی کی کلید صرف ایک اصول تھا۔ اور آئندہ بھی ہر ایک ترقی کرنے والے کو اسی اصول کا پابند ہونا پڑیگا۔ یعنی مردانگی و ہمت جب قوم میں مردانگی نہ رہے اور ہمت جاتی رہے تو زبانی لقلقے کسی کام نہیں آسکتے۔

آجکل ہندوستان میں مسلمان بھی انگریزوں کی شائستگی اور ہندوؤں کی دولت مندی کو دیکھ کر آرزو کرنے لگے ہیں کہ ہم بھی دولت مندی اور شائستگی میں اوروں کے برابر بلکہ بڑھ چڑھ کر ہو جاویں۔ لیکن کیا محض یہ آرزو جب تک اس کے ساتھ عمل بھی نہ ہو ہم کو کسی بلندی پر پہنچا سکتی ہے۔ عمل کرنے کے لئے نہ لیکچروں کے دینے اور سننے کی ضرورت ہے اور نہ کسی انجمن کے قیام اور اسکا ممبر بننے کی۔ بلکہ ہر شخص پہلے اپنی ذات سے شروع کر سکتا ہے اور اپنے کنبہ و خاندان میں آہستہ آہستہ اسے پھیلا سکتا ہے۔ فقرہ بالا سے میرا یہ مطلب نہ سمجھنا چاہیے کہ میں لیکچروں اور انجمنوں کے خلاف ہوں۔ نہیں میں تو اسکا موید ہوں۔ لیکن میرا مطلب یہ ہے کہ جو شخص کچھ کرنا چاہتا ہے وہ بہت کچھ کر سکتا ہے۔ گو اسباب ظاہری موجود ہوں یا نہ ہوں۔ بلکہ اس کے

مخالف بھی ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جو تن واحد تھے امت یعنی گروہ عظیم قرار دیا ہے۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ انہوں نے اکیلے وہ کچھ کیا تھا جو سینکڑوں اور ہزاروں کے کرنے کے کام تھے۔ ہم کو بھی اسی خلیل کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے اور ایسی ہی ہمت و مردانگی کیلئے کمر بستہ ہو نیکا جسے دیکھنے والے ہمارے حوصلہ و طاقت سے افزوں سمجھتے ہوں۔ یاد رکھنا چاہیے کہ ترقی خواہ ذہنی و دماغی ہو یا مالی و مادی ہو مردانگی کے بغیر کبھی حاصل نہیں ہو سکتی۔



## ابن تومرت مہدی الہری

ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ تومرت مغرب الاقصیٰ کے جبل سوس میں پیدا ہوا اور طلب علم کیلئے شام و عراق کا سفر کیا۔ امام غزالی۔ کیا ہر اشیٰ، طرطوسی وغیرہ مشہور فاضلوں سے استفادہ کیا اور جب علم شریعت حدیث و فقہ و اصول میں دستگاہ حاصل ہو گئی تو مکہ شریف کو ہوتا ہوا فریقہ لوٹ گیا۔

نہایت پرہیزگار، عابد، عربی اور مغربی زبان کا فصیح اور چہرہ ہر وقت تبسم ریز شجاع و دلیر تھا جب کوئی امر خلاف شرع دیکھ لیتا تو فوراً اس پر انکار کرتا اور اس بارے میں خواہ کتنی تکلیف برداشت کرنی پڑتی، اسے خوشی خوشی گوارا کر لیتا۔ مکہ شریف میں بھی اسے اسی نیک عادت کی وجہ سے اذیت اٹھانی پڑی۔ یہاں سے نکل کر وہ مصر چلا گیا۔ اور خلاف شرع اموار کا برابر انکار کرتا رہا۔ جہاں اسے یقین ہو جاتا کہ مار پیٹ کا سامنا ہے وہاں دیوانہ بن جاتا اور دیوانہ کی بڑکی طرح اصل مطلب (ہدایت) کیساتھ بے ربط مہمل جملے بھی زبان سے نکالنے لگتا۔ مصر سے وہ اسکندریہ پہنچا اور اسکندریہ سے بحری راستہ سے افریقہ کو چلا۔ جہاز پر جتنے آدمی تھے سب کو نماز کا پابند کر دیا۔ جہاز سے وہ شہر مہدویہ میں اترا۔ جہاں کا بادشاہ یحییٰ بن تمیم تھا۔ یہاں سر راہ ایک مسجد تھی۔ اس میں فروکش ہوا۔ مسجد کی فصیل پر بازار کی جانب منہ کر کے اترتا اور انہیں توڑ ڈالتا۔ لوگوں میں شور ڈالتا۔ لوگوں میں شور پڑ گیا۔ سینکڑوں اسے دیکھنے کیلئے آیا کرے۔ جب معلوم ہوا کہ اہل علم ہے تو طلبہ بھی جمع ہو گئے اور مسجد میں درس شروع ہو گیا۔ بادشاہ کو خبر ہوئی۔ فقہا کو دربار میں بلایا۔ اور ابن تومرت کو ان کے سامنے طلب کیا جب اس کا شہتہ

ورفتہ کلام سنا تو بادشاہ نے تعظیم و اکرام کیا۔ اور التماس دعا بھی کی۔ ابن تو مرت نے اصلحک اللہ لر عیتک پر اکتفا کیا یعنی خدا تم کو رعایا کے حق میں اچھا حاکم بنائے۔ اس کے بعد ابن تو مرت بجایہ اور وہاں سے املاہ پہنچا۔ یہاں اس کو عبدالمومن مل گیا۔ عبدالمومن کون تھا یہ قارئین کو آگے چل کر معلوم ہو جائیگا۔

مورخین کا بیان ہے کہ جب ابن تو مرت عراق میں پڑھ رہا تھا۔ اس نے خواب میں دو دفعہ یہ دیکھا کہ تمام سمندروں کا پانی میں پی گیا ہوں۔ اس خواب کی تعبیر اس نے یہ سمجھی کہ دنیا پر وہ ایک بڑی شان سے ظاہر ہوگا۔ انہی ایام میں اسے ایک جفر کی کتاب مل گئی جس میں یہ لکھا ہوا تھا کہ پانچویں صدی کے بعد مسجد الاقصیٰ کی پہاڑیوں میں ایک شخص پیدا ہوگا۔ وہ دعوت الی اللہ کریگا اور اس کا قیام و مدفن ایسی جگہ ہوگا جس کے نام میں ت۔ ی۔ ن۔ م۔ ل۔ حروف آتے ہیں۔ اس شخص کو ایسے شخص سے جس کے نام میں ع ب د م و م ن حروف ہونگے ممکن و استقامت حاصل ہوگی۔ ابن تو مرت کا زمانہ پانچویں صدی کے بعد ہی تھا۔ وہ خود جبل سوس کا پیدا شدہ تھا اور دعوت الی اللہ پر جو شوق و شغف اسے تھا وہ ظاہر ہی تھا۔ اس لئے اس نے خیال کیا یہ بشارت میرے حق میں ہی ہونی چاہیے مگر اب ان حروف کے شخص اور مقام کو تلاش کرنا چاہیے کتاب جفر میں ع ب د م و م ن کا حلیہ بھی درج تھا۔ ابن تو مرت نے حلیہ نقل کر لیا تھا اور اسی تلاش میں مشرق سے مغرب الاقصیٰ پہنچا تھا۔

املاہ کے بازار میں یہ چلا جا رہا تھا کہ عبدالمومن بھی بازار سے گذرا۔ ابن تو مرت کو دیکھتے ہی حلیہ یاد آگیا۔ آواز دیکر اسے ٹھہرایا۔ جب نام دریافت کیا تو اس نے عبدالمومن بتلایا۔ جس میں تمام حروف موجود تھے۔ اسے اپنے ساتھ لے گیا۔ حلیہ کے ساتھ مطابقت کی گئی تو ہو بہو ویسا ہی نکلا۔ ابن تو مرت نے کہا میں تو تیری تلاش میں ہی ہزاروں میل کا سفر کر رہا ہوں۔ اس نے کہا میں تو طلب علم کیلئے عراق

جاتا ہوں۔ ابن تو مرت بولا کہ جو علم پڑھنا ہو میں پڑھاؤں گا لیکن اب تم کو جانے نہ دوں گا۔ اب اس کے سامنے اپنا سارا راز ظاہر کر دیا اور اسے متفق بنا لیا۔ ایک شخص عبد اللہ ابو تشریسی نامی ابن مرتوت کے پاس آیا جایا کرتا تھا۔ یہ شخص بھی حسین و جمیل و فصیح و بلیغ تھا۔ ملکی زبان اور عربی ادب پہ مہارت تامہ رکھتا تھا۔ یہ بھی ان کے ساتھ شامل ہو گیا اور یہ قرار دیا گیا کہ عبد اللہ بالکل جاہل بنا رہے اور اس کے علم و فضیلت، فصاحت و صداقت سے کسی موقعہ ضرورت پر بطور اعجاز کے کام لیا جائے۔ اس کے بعد چھ شخص آہنی بازو شیر پنچہ اور شامل کر لئے اور یہ مختصر جماعت مراکش پہنچی۔ مراکش (مراکو) میں ابن تو مرت نے اپنی عادت کے مطابق خلاف شریعت امور پر اخذ و اعتراض و انکار شروع کیا اور خاص بادشاہ کے بیٹے پر بھی کھلم کھلا اعتراضات کرنے لگا۔

یہاں کا بادشاہ ابو الحسن علی جو امیر تاشفین کا پوتا تھا نہایت عادل و متواضع تھا۔ بادشاہ نے دربار میں اسے حاضر کر نیکا حکم دیا اور علمائے شہر کو مباحثہ کیلئے مقرر فرمایا۔ قاضی شہر نے گفتگو اس طرح پر شروع کی۔ ہم نے سنا ہے کہ آپ ہمارے عادل و حلیم بادشاہ کی نسبت جو مطیع حق ہے اور اطاعت الہی کو اپنے نفس پر بھی مقدم رکھتا ہے ناشائستہ الفاظ کا استعمال کرتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے اور یہ خبر کہاں تک صحیح ہے۔ ابن تو مرت نے کہا کہ جو اقوال میری جانب منسوب کئے جاتے ہیں وہ بیشک میں نے کئے ہیں اور ان کے علاوہ اور بھی کہنا چاہتا ہوں۔ لیکن تم یہ بتلاؤ کہ تم نے جو ابھی بادشاہ کی صفت میں یہ الفاظ استعمال کئے ہیں۔ ”وہ مطیع حق ہے اور اطاعت الہی کو اپنے نفس پر مقدم رکھتا ہے“ یہ کہاں تک صحیح ہے۔ میں تو جانتا ہوں کہ تم لوگ ایسے الفاظ سے ہی بادشاہ کو مغرور بناتے اور غلطی میں ڈالتے رہتے ہو۔ حالانکہ تمام بارگناہ بادشاہ کے سر پر رکھا جائیگا۔ قاضی صاحب! کیا آپ کو معلوم نہیں کہ شراب کی دوکانیں کھلی ہوئی ہیں اور خنزیر مسلمانوں کے گھروں میں جاگھتے ہیں پیہموں کا مال چھین لیا جاتا ہے

وغیرہ۔ بادشاہ نے جب یہ تقریر سنی تو اس کی آنکھوں میں پانی بھر آیا اور ندامت و حیا سے گردن کو جھکا لیا۔

حاضرین دربار اگرچہ ابن تومرت کے اوصاف و اطوار کو دیکھ کر یہ فتویٰ لگا چکے تھے کہ یہ شخص اپنے لئے سلطنت و حکومت کا خواستگار ہے لیکن جب انہوں نے بادشاہ پر اس کی جادو کلامی کا اثر دیکھا تو سب خاموش رہ گئے۔ مالک بن وہب نامی بادشاہ کا منہ چڑھا مصاحب تھا۔ اس نے بادشاہ سے کہا کہ میں حضور کو اس وقت ایک نصیحت کی بات کہنا چاہتا ہوں آپ نے اسے مان لیا تو انجام کار اسکی عمدگی ظاہر ہو جاوے گی۔ اور اگر منظور نہ فرمایا تو اس کے برے نتائج بھی تھوڑی دیر میں نظر آجائینگے۔ بادشاہ نے کہا بتلاؤ۔ کہا مجھے اس شخص میں آثار بغاوت نظر آتے ہیں۔ بہتر ہے کہ اس کا ایک دینار روزانہ مقرر کر دیا جائے۔ اس جماعت کو زیر نگرانی رکھا جائے اگر آپ ایسا نہ کریں گے تو ایک وقت سارا خزانہ بھی صرف کر نیچے بعد انتظام نہ ہو سکے گا۔ بادشاہ نے اس رائے کو پسند کر لیا لیکن وزیر نے اس کے خلاف کیا۔ کہا یہ مناسب نہیں کہ ابھی آپ جس کے وعظ پر آنسو بہا رہے تھے۔ اس کو اسیر بنانیکا حکم دیں۔ اور ذرا خیال تو فرمائیں کہ یہ شخص حضور کی اتنی بڑی سلطنت کا کر بھی کیا سکتا ہے۔ بادشاہ اس تقریر سے دب گیا اور ابن تومرت کو واپس جانے کی اجازت دی گئی۔

ابن تومرت وہاں سے نکلا تو جہان تک بادشاہ نظر آتا رہا۔ اس کی جانب پیٹھ نہیں کی۔ ہمراہیوں نے پوچھا کہ آپ اس کی تعظیم کرتے ہیں۔ کہا نہیں میں نے چاہا کہ آخر وقت تک حق باطل کو تاڑتا رہے۔ واپس آکر ابن تومرت نے ہمراہیوں سے کہا کہ جب تک دربار میں ابن وہب موجود ہے ہم خاص مراکو میں کچھ نہیں کر سکیں گے۔ یہاں سے وہ شہر مراغات میں پہنچے اور وہاں ایک شخص عبدالحق ابن ابراہیم کو ہمراہ بنا لیا۔ اس نے مشورہ دیا کہ یہاں سے ایک دن کی مسافت پر تیممل پہاڑ ہے وہاں جا کر تم خوب

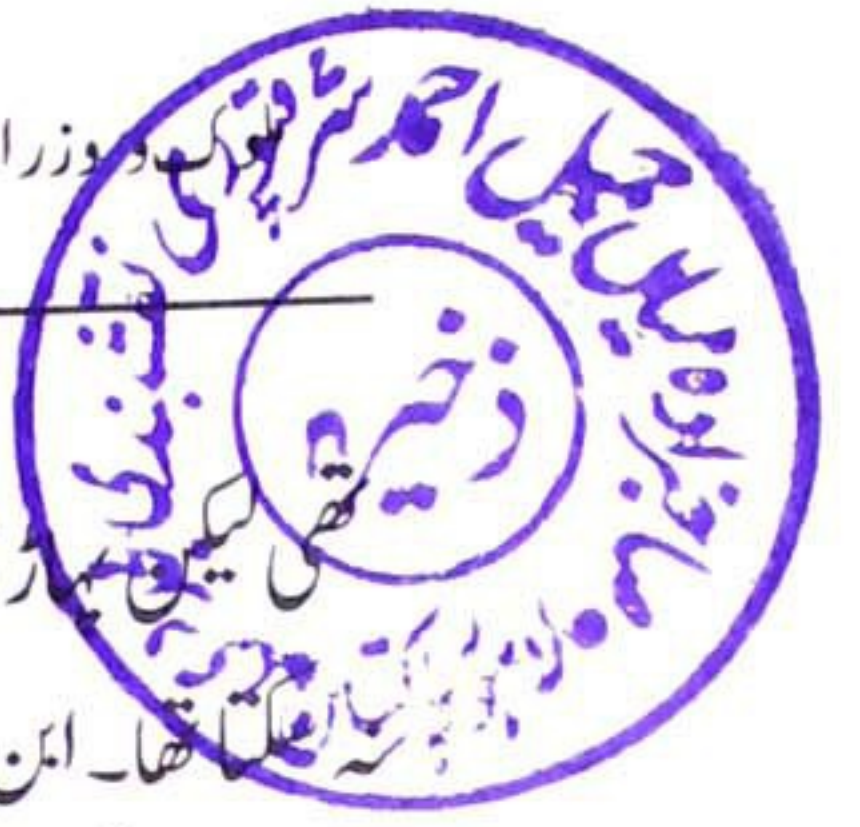
قدم جما سکتے ہو اور محفوظ بھی رہ سکتے ہو۔

ابن تو مرت کے دل میں وہی حرف تین م ل خوب نقش ہو رہے تھے تینمل پہاڑ کا نام سن کر اچھل پڑا اور اگلے روز وہاں جا پہنچا۔ لوگوں نے طالب علمانہ حیثیت دیکھ کر سر آنکھوں پر ہٹھلایا اور مسجد میں مقیم کر دیا۔ ابن تو مرت نے بہت سے حیلے نکالے اور تدبیریں بنائیں لیکن رعایاء کو اطاعت شاہی سے منحرف نہ کر سکا۔

قریب تھا کہ وہ اپنی کامیابی کے تصور میں گھل کر مر جاتا کہ اس کی نگاہ پہاڑی لوگوں کی اولاد پر پڑی۔ دیکھا کہ پہاڑی تو سانولے اور گندم گون میش چشم ہیں مگر ان کے بعضے بعضے بچے خوب سرخ و سفید اور گربہ چشم ہیں۔ پوچھا اس کا سبب کیا ہے۔ کسی نے جواب نہ دیا۔ تو مرت نے سمجھا کہ اسی پر زور دینا چاہیے۔ جب اصرار حد درجہ کو پہنچ گیا تو لوگوں نے بتلایا کہ شاہی عمدہ دار جو خراج لینے کیلئے آتے ہیں، رات کو ہمارے گھروں میں رہتے ہیں اور عورتوں کو آلودہ کر دیتے ہیں۔ ہم کو اپنے گھروں میں بھی اس شب ٹھہرنا نہیں ملتا۔ یہ ساری خرابی اس ظلم کی ہے۔

ابن تو مرت نے اس پر سخت لعنت ملامت شروع کی اور انکی حرارت و حمیت کو اکسانے لگا۔ لوگوں نے کہا کہ کوئی ہمارا حامی مددگار پیدا ہو تو ہم اس کا ساتھ دے سکتے ہیں۔ لیکن ہم خود کچھ نہیں کر سکتے۔ بولا میں تمہارا ساتھ دوں گا اور تمہارے پر اپنی جان قربان کر ڈالوں گا اور تم دیکھ لو گے کہ شاہی فوج تمہارا کچھ نہ کر سکے گی۔

اب تو مرت کے سب لوگ مطیع و منقاد ہو گئے اور تجویز یہ قرار پائی کہ جب شاہی سپاہی آجاویں تو ان کو خوب شراب پلاویں اور جب وہ نشہ میں بد مست ہو کر گر پڑیں۔ تو ابن تو مرت کو اطلاع دیجاوے۔ اسی تجویز پر عمل کیا گیا اور سب سپاہی قتل کر دیئے گئے صرف ایک بچ نکلا جس نے مرا کو جا کر اطلاع کر دی۔ اس وقت بادشاہ سمجھا کہ ابن وہب نے جو مشورہ اس روز دیا تھا وہ صحیح تھا۔ آخر فوج کشی ہوئی۔ فوج اگرچہ بہت



تھی لیکن پہاڑی راستے ایسے دشوار گزار، کٹھن اور تنگ تھے کہ ایک آدمی سے زیادہ چل سکتا تھا۔ ابن تومرت کو پہلے توقع تھی کہ شاہی فوج انتقام کیلئے آئے گی۔ اس نے تاکہ بندی کر رکھی تھی۔ جب فوج نے پہاڑ پر چڑھنا شروع کیا، اوپر سے علاقہ والوں نے پتھروں کی بارش برسادی۔ صبح سے شام تک فوج نے آگے بڑھنے کی کوشش کی۔ باوجود نقصان اٹھانے کے بھی کچھ کارگر نہ ہوئی۔ آخر محاصرہ اٹھالیا گیا اور ابن تومرت نے سمجھا کہ ابو تشریسی کے علم و فضل کو بطور معجزہ ظاہر کر دینے کا یہی وقت ہے۔

قرار داد کے مطابق نماز صبح کے بعد جب کہ تمام اشخاص مسجد میں ہی موجود تھے۔ ابو تشریسی آگے بڑھا اور جاہلانہ لہجہ میں اور ٹوٹے پھوٹے لکنت لئے الفاظ میں (جیسا کہ اس نے عادت بنا رکھی تھی) بیان کرنا شروع کیا کہ رات میں نے خواب میں دیکھا کہ فرشتے آسمان سے اترے انہوں نے میرے دل کو نکال کر چیر ڈالا۔ پھر دھودھا کر علم و حکمت و قرآن اس میں بھر دیا۔ اب میں اپنے اندر تمام علوم کو موجود پاتا ہوں۔ یہاں پہنچ کر اس کی تقریر نہایت فصیح و بلیغ و دلنشین و مردم فریب ہو گئی۔

ابن تومرت خوشی خوشی اٹھا۔ اس کے پاس آ کر کہا کہ آپ ہم کو جلد بشارت دیں کہ آیا ہم نیک راہ پر ہیں یا غلط پر پڑے ہوئے ہیں۔ سعید ہیں یا شقی ہیں۔ کہا اے ابن تومرت آپ تو مہدی القائم بامر اللہ ہیں۔ آپ کے تابعدار اہل سعادت اور آپ کے مخالف اہل شقاوت ہیں۔ تم مجھے اپنے رفیق ایک ایک آدمی کر کے دکھاؤ۔ میں بتلاؤنگا۔ کہ ان میں بہشتی کون ہے اور دوزخی کون۔ اس بہانہ سے ایک ایک آدمی طلب کیا گیا۔ جو اشخاص ابن تومرت سے آجنگ مخالفانہ رائے رکھتے تھے یا مخل انتظام خیال ہو سکتے تھے وہ قتل کر دیئے گئے۔

اس کے بعد دس ہزار پیادہ و سوار کا ایک لشکر جرار تیار کیا گیا اور عبدالمومن و ابو تشریسی کی ماتحتی میں مراکش پر حملہ کرنے کیلئے بھیجا گیا۔ ایک ماہ کے محاصرہ کے



بعد اس فوج کو اس شکست فاش نصیب ہوئی۔ عبدالمومن سچ رہا۔ ابو تشریسی مارا گیا۔ جس وقت ابن تومرت کو اس شکست کی خبر پہنچی۔ وہ بستر مرگ پر پڑا ہوا تھا۔ اس وقت بھی اس کے استقلال میں ذرہ فرق نہ آیا۔ بلکہ سب کو جمع کیا اور آئندہ کے لئے تدابیر کے متعلق وصیت کرتا رہا اور ہر روز حتمی الفاظ میں کہتا رہا کہ تم ضرور فتیاب ہو گے۔ تمہاری حکومت وسیع اور تعداد کثیر ہو جاوے گی۔ تمکو ذرا گھبرانا نہیں چاہیے۔ ایسی ہی وصیت کرتا ہوا دنیا سے چل بسا اور اس کے بعد عبدالمومن جانشین ہوا۔

ابن تومرت میں جو قابل تعریف وصف تھا۔ وہ زہد فی الدنیا تھا جس تنگی کے ساتھ طالب علمی میں گذران کرتا تھا۔ وہی چال آخر تک چلی۔ کہتے ہیں کہ بہن کات لیتی تھی اسی پر دونوں گزارہ کر لیتے تھے۔ روٹی کے ساتھ کبھی سرکہ ہوتا کبھی زیتون کا روغن۔ ایک دفعہ مال غنیمت بہت آیا اور لوگوں نے تقسیم کیلئے ابن تومرت کو تنگ کرنا شروع کیا۔ اس نے سب کو آگ لگا دی اور بلند آواز سے کہہ دیا کہ جو شخص محض دنیا کمانے کی غرض سے میرے ساتھ ہوا ہے۔ اسے ہمیشہ کیلئے مایوس ہو جانا چاہیے۔

اس شخص کے تمام واقعات میں اگر کوئی کھٹکتا ہے تو ابو تشریسی والی چال اور دعویٰ مہدویت ہے۔ کل حالات پر غور کرنے سے ہر ایک شخص صحیح نتیجہ نکال سکتا ہے۔ اس کا حلیہ صاحب کتاب ”المغرب فی اخبار اہل المغرب“ نے ان الفاظ میں لکھا ہے۔ میانہ قد گندمی گون بزرگ سر تیز نظر۔ ثریٰ پر قدم ثریا پر نگاہ۔ ابو مسلم اس کی تدابیر کے سامنے ہیچ تھا۔ شعر ذیل اکثر پڑھا کرتا تھا۔

خرجت من الدنيا وانت مجرد

تجرد عن الدنيا فانك انما

اشعار ذیل خود اس کی اپنی تصنیف ہیں۔

و خلفك القوم اذو دعوا

اخذت باعضا و هم اذناوا

و تسمع و عطاولا تسمع

فكم انت تنتهى و لا تنتهى

فیا حجر السن حتے متے تسن الحديد ولا تقطع  
متنبی کے ان اشعار کو اکثر پڑھا کرتا تھا۔

انما مرت فی شرف مردم فلا تقنع بما دون النجوم  
فطعم الموت فی امر حقیر کطعم الموت فی امر عظیم

افسوس کہ ابن تو مرت اپنی کامیابی کو مکمل نہ دیکھ سکا۔ البتہ عبدالمومن کیلئے  
وہ سٹرک بنا گیا اور اس نے کامرانی کے ساتھ حکومت اعلیٰ پر دسترس حاصل کی۔

قارئین ان حالات کو پڑھیں اور دیکھیں کہ مہدی کے نام سے دنیا میں  
بالخصوص دنیائے اسلام میں کیا کچھ ہو چکا ہے۔ مجھے اس مقام پر اس قدر لکھ دینا چاہیے کہ  
ظہور مہدی کے متعلق اگرچہ روایات بجزرت ہیں جن کا شمار درجنوں پر ہے مگر ایسی  
حدیث ایک بھی نہیں جو محدثین کے مسلمہ اصول تنقید کے مطابق صحیح مسند مرفوع کا  
درجہ رکھتی ہو۔ العلم عند الله

عبدالمومن بن علی کا باپ کوزہ گر تھا۔ ابن تو مرت کے بعد عبدالمومن کی  
فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا حتیٰ کہ وہ تخت مراکش کا زینت آرا ہوا اور ۳۳ سال کے  
بعد ۱۰ جمادی الآخر ۵۵۵ھ کو فوت ہوا۔ اس نے مندرجہ شعر پر ایک شاعر کو ایک ہزار  
پونڈ کا انعام دیا تھا۔

ما منخليفة بين البيض و لاسل مثل الخليفة عبدالمومن بن علی



## ضحاک بن قیس احنف

احنف جو علم و بردباری میں تمام عرب کے اندر ایسے ہی ضرب المثل ہیں۔ جیسا کہ حاتم طائی جو دو سخاوت میں سادات تابعین میں سے ہیں۔ انہوں نے عہد نبوی ﷺ بھی پایا مگر صرف صحبت سے مشرف نہیں ہوئے۔

ابن قتیبہ کہتا ہے کہ جب قبیلہ بنی تمیم تک دعوت نبوی پہنچی تو احنف نے اپنے قبیلہ کو کہا کہ یہ شخص مکارم اخلاق کی طرف رغبت دلاتا اور ذمائم عادات سے منع کرتا ہے۔ مناسب ہے کہ مسلمان ہو جانا چاہیے۔ اس کے بعد وہ مسلمان ہو گئے۔ مدینہ منورہ میں حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں آئے اور حضرت عمرؓ و عثمانؓ کے زمانہ میں علاقہ خراسان کی بعض فتوحات میں لشکر اسلام کے ساتھ شامل رہے۔ واقعہ جمل میں فریقین میں سے کسی طرف بھی نہ ہوئے لیکن جنگ صفین میں حضرت علی مرتضیٰؓ کے لشکر میں حاضر ہو کر جو ہر مردانگی دکھلاتے رہے۔

امام حسنؓ نے جب خلافت کو ترک کر دیا اور امیر معاویہؓ باستقلال سریر آرائے مملکت ہو گئے۔ تو احنف کی آمد و رفت امیر معاویہؓ کے دربار میں شروع ہو گئی۔ ایک روز امیر معاویہؓ نے کہا کہ جب مجھے جنگ صفین یاد آجاتا ہے تو تمہیں دیکھ کر ایک کانٹا سا میرے دل میں چبھ جاتا ہے۔ احنف نے کہا۔ معاویہ! جن عداوت سے بھرے ہوئے دلوں کے ساتھ ہم جھگڑتے تھے۔ وہ تو سینہ کے اندر پنہاں ہیں اور جن تلواروں کے ساتھ ہم لڑتے تھے۔ وہ نیام کے اندر چھپی ہوئی ہیں۔ اب اگر تم لڑائی سے نزدیک ہونا

چاہتے ہو تو ہم بھی اسے منظور کریں گے اور اگر اس سے دور ہو گئے تو ہم بھی دور رہیں گے۔ اتنا کہہ کر باہر چلے گئے۔

امیر معاویہؓ کی بہن پس پردہ سے یہ گفتگو سن رہی تھی۔ احنف چلا گیا تو اس نے پوچھا بھائی یہ کون تھا۔ جو دہمکاتا بھی ہے۔ اور بھروسہ بھی دلاتا ہے۔ کہا یہ وہ ہے کہ اگر جگڑ جائے تو بنی تمیم کے ایک لاکھ جوان فوراً جگڑ جائیں گے اور وجہ فساد کو کبھی دریافت کرنا بھی نہ چاہیں گے۔

احنف بصرہ میں رہا کرتے تھے۔ اور زیاد اپنے زمانہ گورنری عراقین میں ان کی اور حارثہ کی بہت عزت کیا کرتا تھا۔ جب عبید اللہ بن زیاد اپنے باپ کی وفات کے بعد گورنر عراقین ہوا تو اس نے حارثہ کو بلا کر کہا کہ آپ شراخیواری کی عادت چھوڑ دیں اور پھر بدستور میرے مصاحب رہیں۔ اس نے کہا کہ میں تمہارے والد کے سامنے بھی یہ کرتا تھا اور وہ میری دیگر قابلیتوں پر لحاظ کر کے میرے اس عیب سے درگزر کرتا تھا اس لئے تم کو بھی درگزر کرنا چاہیے۔ عبید اللہ نے کہا کہ میرے والد کی پرہیزگاری اور مستقل مزاجی مسلمہ تھی۔ اس لئے نہ ان کو تمہاری مصاحبت سے نقصان پہنچ سکتا تھا۔ اور نہ وہ مطعون ہو سکتے تھے۔ لیکن میں ہنوز نا تجربہ کار ہوں اور ممکن ہے کہ تمہاری بری عادت کیساتھ بھی لوگوں میں بدنام ہو جاؤں۔

حارثہ نے کہا شراب تو چھٹ نہیں سکتی۔ ہاں دربار میں آنا چھوڑ دوں گا۔ عبید اللہ نے کہا نہیں۔ آپ مفصلات میں کوئی عہدہ اپنے لئے پسند کریں۔ کہا ضلع مسرق میں بھیج دو۔ میں نے وہاں کی شراب کی توصیف سنی ہے۔ غرض حارثہ تو عبید اللہ سے یوں علیحدہ ہو گیا۔ رہا احنف۔ عبید اللہ نے اسکی کچھ زیادہ عزت و توقیر نہ کی۔ بلکہ اور لوگوں سے بھی کم تو جہی اور بے اعتنائی کا برتاؤ شروع کر دیا۔ سال کے شروع پر عبید اللہ سرداران عراق کو ساتھ لیکر امیر معاویہؓ کے سلام کو دے مشق گیا۔

امیر معاویہؓ نے ان کی ملاقات کیلئے دربار لگایا اور عبید اللہ کو حکم دیا کہ درجہ وار ہر ایک کو ہمارے سامنے لاؤ۔ عبید اللہ نے ایسا ہی کیا۔ سب سے پیچھے جو سردار دربار میں آیا وہ احنف تھا (گویا عبید اللہ ان کا درجہ سب سے کم جانتا تھا) امیر معاویہؓ تو انہیں بذات خود جانتے اور ان کی سیادت و طاقت سے پوری واقفیت رکھتے تھے۔ دیکھتے ہی بول اٹھے کہ ابو الخیر ادھر تشریف لائے۔ یہ کہہ کر اپنی مسند پر اپنے پاس بٹھلا لیا۔ جب تمام لوگ اپنی اپنی جگہ متمکن ہو چکے تو سرداران عراق نے اپنے گورنر عبید اللہ کی صفت و ثنا شروع کی۔ احنف خاموش بیٹھے رہے۔

امیر معاویہؓ نے کہا کہ تم کیوں نہیں کچھ کہتے۔ کہا اگر میں کچھ کہوں گا تو ان کے خلاف ہوگا۔ یہ سنتے ہی امیر معاویہؓ نے سرداران عراق سے فرمایا کہ میں عبید اللہ کو معزول کرتا ہوں اور تم کو تین روز کی مہلت دیتا ہوں کہ اس عرصہ میں اپنے لئے کسی لائق شخص کو گورنری کے لئے انتخاب کر لو۔ سردار باہر نکلے اور اپنے اپنے خیال کے مطابق انتخاب کرنے لگے۔ اکثر تو اپنی ذات خاص کے واسطے عمدہ کے جویاں ہوئے اور اراکین سلطنت کے ساتھ پٹس لڑانے لگے اور اکثر نے کسی کسی شخص کو نامزد کیا۔ چوتھے روز پھر دربار ہوا اور سب نے اپنی اپنی رائے کا اظہار کیا۔ احنف اب بھی خاموش تھے۔ امیر معاویہؓ نے سب کی رائے سن کر کہا کہ احنف تم بھی تو کچھ کہو۔ کہا اگر تم اپنے خاندان میں کسی کو مقرر کرنا چاہتے ہو تب تو عبید اللہ سے بڑھ کر اور کوئی شخص موزون تر نہیں۔ لیکن اگر اپنے خاندان میں سے کسی کو یہ عمدہ دینا نہیں چاہتے۔ تب جسے آپ پسند کریں۔ امیر معاویہؓ نے یہ سن کر فرمایا کہ میں عبید اللہ کو اس کے عمدہ پر بحال کرتا ہوں۔

سرداران عراق یہ سن کر نہایت پشیمان ہوئے اور افسوس کرتے تھے کہ میں نے بھی کیوں عبید اللہ کیلئے ہی رائے نہ دی۔ دربار برخواست ہوا تو امیر معاویہؓ نے

عبید اللہ کو بلا کر کہا کہ تم ایسے شخص کی عزت کس لئے نہیں کرتے جو فقرہ میں تم کو معزول اور ایک فقرہ میں محال کر سکتا ہے اور ایسے لوگوں پر اعتماد کرتے ہو جو فائدہ تو کچھ نہیں پہنچا سکتے اور نقصان رسائی میں حصہ لینے کو تیار ہیں۔ عبید اللہ کو اس روز سے ان کی وقعت معلوم ہوئی اور پھر ہمیشہ ان کی تعظیم و اکرام کرتا رہا۔

مروی ہے کہ جب امیر معاویہؓ نے یزید کو ولی عہد بنایا۔ اور باضابطہ اشتہار ولایت کیلئے دربار کیا تو لوگ آتے تھے پہلے امیر معاویہؓ کو سلام کرتے اور پھر یزید کی طرف جھک جاتے تھے۔ ایک شخص آیا۔ اس نے امیر معاویہؓ کو سلام کر کے کہا کہ اگر آپ یزید کو اپنا ولی عہد نہ بناتے تو مسلمانوں کا کام بگڑ ہی جاتا۔ احنف امیر معاویہؓ کے قریب ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ کہا احنف تم بھی تو کچھ کہو۔ کہا جھوٹ بولتا ہوں تو اللہ کا خوف ہے اور سچ کہتا ہوں تو تم سے ڈر لگتا ہے۔ امیر معاویہؓ نے کہا کہ خدا تمہیں اس اطاعت کی جزائے خیر دے۔ پھر اس شخص کو کئی ہزار روپے انعام دیئے۔ جب دربار برخواست ہوا تو وہی شخص احنف کو ملا۔ کہا جناب یوں تو میں جانتا ہوں کہ بدترین خلق ہمارا امیر اور اس کا فرزند ہے لیکن ان لوگوں نے زرو مال پر قفل لگا رکھے ہیں اور وہ قفل ایسے ہی فقرات سے کھل سکتے ہیں۔ احنف بولے کم بخت چپ رہ دو رو یہ شخص کبھی اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت نہیں پاسکتا۔

احنف کا قول ہے کہ مجھ میں تین خصلتیں ہیں ان کا اظہار اس لئے کرتا ہوں کہ شاید کوئی سبق سیکھ لے۔

(۱) میں نے کبھی کسی دو شخصوں کے درمیان دخل نہیں دیا جب تک انہوں نے مجھے شریک نہیں بنایا۔

(۲) حکام اور امراء کے دروازہ پر میں کبھی نہیں گیا جب تک کہ انہوں نے خود مجھ کو طلب نہیں کیا۔

(۳) جن چیزوں کیلئے لوگ دوڑتے پھرتے ہیں میں نے ان کے لئے کروٹ نہیں لی۔  
آپ ہی کا قول ہے کہ سراپا نفع کی چیز جس میں کچھ نقصان نہیں خوش خلقی اور  
بدی سے بچنا ہے۔ بدترین مرض جس کا کچھ علاج نہیں بد خلقی اور بد زبانی ہے۔  
انہی کا قول ہے کہ شریف کبھی خائن نہ ہوگا۔ اور عاقل کبھی جھوٹ نہ بولے گا  
اور مومن کبھی غیبت نہ کریگا۔

ان کا مقولہ ہے کہ سب سے بڑی دولت جسے باپ اپنے بیٹے کو وراثت میں  
دے سکتا ہے وہ اہل فضل و کمال کیساتھ احسان اور مروت کرنے کی عادت سکھلا  
دینا ہے۔

کہا کرتے تھے کہ زیادہ ہنسنے سے ہیبت و وقار جاتا رہتا ہے اور ہنسی و مذاق بخت کرتے  
رہنے سے مروت جاتی رہتی ہے۔

ایک شخص کہہ رہا تھا کہ مجھے کچھ پرواہ نہیں۔ خواہ کوئی میری تعریف کرے  
خواہ بجو۔ احنف نے سن کر کہا کہ تم ان مشکلات سے بچ نکلے جو مدبرین کو لاحق حال  
رہتی ہیں۔ کہا کرتے تھے کہ میرے سامنے عورتوں اور کھانے پینے کا ذکر نہ کیا کرو۔  
میں تو اس شخص کو بہت ہی برا سمجھتا ہوں جو اپنے پیٹ اور اپنے ستر کا وصف گو ہے۔  
ایک دفعہ ایک خون کے مقدمہ میں ان کو حکم بنایا گیا۔ وارثان مقتول نے  
کہا کہ ہم دو چند دیت لینگے۔ احنف بولے بہتر جیسا تم چاہتے ہو میں بھی ویسا ہی فیصلہ کر  
دوڑگا لیکن یہ سوچ لو کہ خدا نے ایک دیت کا حکم دیا ہے اور رسول خدا نے بھی ایک دیت  
پر فیصلہ کیا ہے۔ آج گو تم مدعی ہو لیکن میں ڈرتا ہوں کہ کسی وقت میں ایسے ہی مقدمہ  
میں تم مدعا علیہ بھی بن جاؤ۔ غور کرو کہ اس وقت تمہارے لئے بھی وہ دو چند کا فیصلہ ہو  
گا۔ وارثوں نے سوچ کر جواب دیا کہ سچ کہتے ہو۔ معمولی خون بہا دلا دو۔

ان سے سوال کیا گیا کہ مروت کسے کہتے ہیں۔ کہا جب خوب بھوک لگی ہوئی

ہو اس وقت اپنا کھانا دوسرے کو دیدینے کا نام مروت ہے۔  
کسی نے حلم کے معنی ان سے پوچھے۔ کہا صبر جس کے ساتھ ذلت ملی ہوئی  
ہو۔ لوگوں نے کہا آپ تو حد درجہ بردبار ہیں۔ کہا تکلیف تو مجھے ہوتی ہے۔ لیکن صرف  
اتنا فرق ہے کہ میں صبر کر لیتا ہوں۔

کہا کرتے تھے کہ حلم اور بردباری نے مجھے اتنا کام دیا ہے کہ فوج نے نہیں دیا۔  
کہا کرتے تھے کہ میں نے بردباری کی تعلیم قیس بن عاصم سے پائی ہے۔ ان کے  
برادر زادہ نے ان کے فرزند کو ماڈالا لوگ قاتل کو مشکین دیکر قیس کے پاس لے آئے۔  
قیس نے پہلے تو لوگوں کو کہا کہ تم نے لڑکے کے ساتھ بہت ہی سختی کی ہے اور اسے  
بہت ہی ڈرایا۔ پھر قاتل کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ لڑکے کو تو نے برا کیا کہ اپنی تعداد کو  
گھٹایا۔ اپنے بازو کو کمزور بنایا۔ اعداء کو ہنسایا اور قوم کو رلایا۔ لوگو! اسے چھوڑ دو اور قاتل  
کی طرف سے مقتول کی ماں کو میری جیب سے خون بہا داء کر دو۔ قاتل چھوڑ دیا گیا اور  
لوگ رخصت ہو گئے۔ اس قضیہ کے وقت نہ قیس کے ابرو میں بل پڑا اور نہ اس نے  
نشست میں اپنے پہلو کو بدلا۔

غرض احنف اکابر تابعین میں سے ہیں۔ قبیلہ بنی تمیم کے سردار تھے اور  
کل عرب میں عقل و تدبیر۔ علم و حلم کے ساتھ موصوف و ممدوح۔ حضرت عمر فاروق  
و عثمان غنی و علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم سے روایات بیان کی ہیں۔ حسن بصری اور دیگر  
اہل بصرہ سے روایت کرتے ہیں۔ مصعب بن زبیر کے زمانہ میں ان کا انتقال ۲۷ھ کو  
کوفہ میں ہوا۔

عبدالرحمن کہتے ہیں کہ لحد میں ان کا جنازہ رکھنے کیلئے میں بھی قبر میں اترا  
تھا۔ جس وقت میں نے لحد میں جنازہ رکھ دیا۔ تو کیا دیکھا ہوں کہ جہان تک میری نگاہ  
پہنچتی ہے۔ لحد وہاں تک فراخ ہو گئی ہے۔ میں نے اپنے دوسرے ساتھی سے ذکر کیا۔



اس نے کہا مجھے تو معمولی لحد کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا۔ ان کا ایک بیٹا تھا۔ جس میں باپ کی کوئی صفت بھی نہ تھی۔ کہا کرتا تھا کہ مجھے سستی اور غفلت نے اپنے باپ کے اوصاف سے محروم رکھا۔

احنف کے مذکورہ حال سے ہم بہت سے قیمتی سبق لے سکتے ہیں اور ان کے بہت سے گرانقدر اقوال کو اپنی زندگی کا رہبر قرار دے سکتے ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر ابن احنف کے اس فقرہ سے پوری عبرت پاسکتے ہیں کہ مسلمان کے اوبار کے اسباب و جوہ خواہ سینکڑوں یا ہزاروں بیان کئے جاسکتے ہیں۔ لیکن اگر ان سب کا خلاصہ ایک لفظ میں کرنا چاہو تو وہ سستی و غفلت ہے۔ یہ کون کہہ سکتا ہے کہ مسلمانوں کے دماغ نفع و نقصان کو سوچ نہیں سکتے؟ یہ کون کہہ سکتا ہے کہ مسلمانوں کی نگاہ نیک و بد میں تمیز نہیں کر سکتی؟ یہ کون کہہ سکتا ہے کہ ان کے کان آفرین و نفرین کی صداؤں اور نرم و کرخت آوازوں کو نہیں پہچان سکتے؟ یہ کون کہہ سکتا ہے کہ قدرت نے اپنی وسیع رحمت سے اکتساب خیر اور اجتناب شر کی جو قوتیں اور طاقتیں بالعموم ہر فرد بشر کو عطا فرمائی ہیں، کل مسلمان قوم ان سے محروم و عاری ہے؟ یہ کون کہہ سکتا ہے کہ اولو العزمی اور عالی حوصلگی کا مادہ ان میں بالقوہ موجود نہیں؟ نہیں ہرگز نہیں لیکن بایں ہمہ مسلمانوں کے ادبار و تنزل، پستی و افلاس کا سبب صرف ان کی سستی و غفلت ہے اور بس۔

کہتے ہیں کہ ایک قسم کا سانپ زہریلا ہوتا ہے کہ جب کسی جاندار کی اس سے چار آنکھیں ہوئیں وہیں قوت رفتار اس کی سلب ہوئی۔ انسان دیکھتا ہے کہ سانپ ہے اور میری جانب چلا آتا ہے اور تھوڑی دیر میں آکر ڈس لیگا۔ مجھے اپنی پیاری زندگی سے دست بردار ہونا پڑیگا۔ لیکن پھر بھی اس کی مقناطیسی حیوانی کشش کا ایسا مغلوب ہو جاتا ہے کہ ادھر ادھر ذرا نہیں سرکتا۔ اور کامل سکوت کیساتھ اپنے آپ کو نشانہ ہلاکت بنائے ہوئے کھڑا رہتا ہے۔

یہی حال اس زمانے کے مسلمانوں کا ہے جو افنی غفلت کی کشش مقناطیسی کے مغلوب بن گئے ہیں۔ ہماری آنکھوں کے سامنے اسی غفلت دستہ کی بدولت بیسیوں دو لتیں لٹ گئیں۔ بیسیوں حکومتیں خاک میں مل گئیں بیسیوں تاجدار سر خاک مذلت پر گرے ہوئے دیکھے گئے۔ بیسیوں خانوادہ علم و کمال کے چشم و چراغ جمال کی صف نعال میں نظر آئے۔ لیکن جو غفلت چھائی ہوئی تھی اس کے تہ بہ تہ بادل اسی طرح آفاق کو گھیرے ہوئے ہیں۔ جس طرح گھن لکڑی کو اور زنگ لوہے کو کھا جاتا ہے اس طرح غفلت انسانی قابلیتوں کا ناس کر دیتی ہے۔ جس طرح ٹھیرا ہوا پانی سٹر جاتا ہے اس طرح بیکار شخص کا دماغ اور اس کی دماغی قوتیں متعفن ہو جاتی ہیں۔

توریت میں لکھا ہے کہ جب آدم علیہ السلام کو بہشت سے دنیا پر بھیجا گیا تو انہیں کہا گیا تھا کہ تو اپنی پیشانی کا پسینہ بہا کر روٹی کھائیگا۔ اب جو شخص بیکاری کے ساتھ روٹی کھانا پسند کرتا ہے وہ خداوند کے حکم کے خلاف کرتا ہے اور اپنے ابو الالباء کی راہ کو چھوڑتا ہے۔ ایک معمولی شعر ہے جو عوام کی زبان پر مذاق اور ہنسی میں مستعمل ہوتا ہے۔

بیکار مباش کچھ کیا کر کپڑے ہی ادھیڑ کر سیا کر

میں کہتا ہوں کہ شاعر نے انسانی فطرت کی فلاسفی اس شعر میں بھر دی ہے اور بیکاری کی خوفناک تصویر پوری پوری کھینچ کر دکھلا دی ہے۔ سنیے ہوئے کپڑے کو ادھیڑنا اور پھر سینا تحصیل لا حاصل اور یہودہ کام معلوم ہوتا ہے۔ مگر شاعر بیکاری کو اس سے بھی بدتر بتلاتا ہے۔ بیشک ہم کہہ سکتے ہیں کہ کپڑا ادھیڑ کر سینے سے اس کا ہاتھ ہی رواں ہو جائیگا۔ لیکن بیکار بیٹھنے سے بتلاؤ کہ کیا فائدہ نکلے گا۔

قوم کو ترقی کی راہیں بتلانا فضول ہے اور تعلیم یا صنعت و حرفت یا تجارت وغیرہ پر توجہ دلانا بھی عبث۔ ان کو صرف ایک سبق دینا چاہیے کہ سستی چھوڑ دو۔ کام

کرنے کی عادت ہو جانے سے انسان بہت کچھ کر سکتا ہے۔ اور کاہل بن کر بیٹھے رہنے سے کچھ بھی نہیں۔

قرآن مجید کے نزول کا آغاز جس سب سے پہلے سورہ سے ہوتا ہے اسی کے الفاظ کو دیکھو کہ کس قدر ہمت و جرأت کی تعلیم دلاتا اور کس قدر اسباب و تدابیر پر عمل کرنے کی ہدایت فرماتا ہے یا ایہا المدثر قم فانذر وربک فکبر و ثیابک فطہر و الرجز فاہجر مبارک ہیں وہ لوگ جو قرآن مجید کے رموز سے مستفید ہوتے اور اپنی مساعی کیلئے سلف صالحین کی ترقیات کو نمونہ قرار دیتے ہیں۔

اند کے پیش تو گفتم غم دل ترسیدم کہ دل آزرده شوی ورنہ سخن بسیار است



## ابن کلس وزیر

ابو الفرح کنیت یعقوب بن یوسف نام۔ عزیز مصر کا وزیر تھا۔ اپنے آپ کو ہارون علیہ السلام کی نسل سے بتایا کرتا تھا اور ابتدائے حال میں یہودی المذہب تھا۔ بغداد میں پیدا ہوا اور اسی جگہ ادب و انشاء و حساب میں تکمیل کر کے اپنے باپ کیساتھ بغداد سے شام اور وہاں سے مصر پہنچا۔ استاد کافور رخشیدی کے ایک مصاحب کے پاس جا رہا تھا کافور محل بنوار ہا تھا پہلے داروغہ عمارت ہوا۔ پھر خاص عمدہ مل گیا۔ رفتہ رفتہ جب کافور کو اس کی نجابت و شہامت اور صیانت و نزاہت کے اوصاف معلوم ہوئے تو دیوان خاص میں کام کرنے لگا۔ ملکی و مالی معاملات کو ایسی خوبی کے ساتھ طے کیا کرتا کہ روز بروز اس کا وقار بڑھتا گیا حتیٰ کہ حجاب اور معزز اراکین دربار اس کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوا کرتے تھے۔ بایں ہمہ تنخواہ کا کبھی روادار نہ ہوا۔ کافور نے گر کبھی کچھ دیا بھی تو اس میں سے صرف بقدر ضرورت رکھ لیا اور باقی واپس کر دیا۔ یہاں تک کہ کافور نے حکم دے دیا کہ خزانہ سے کوئی رقم ابن کلس کے دستخط بغیر برآمد نہ ہو۔ اس وقت تک یہ یہودی ہی تھا۔

۸ شعبان ۳۶۶ھ کو اظہار اسلام کیا اور تلاوت قرآن مجید و پابندی جماعت نماز پر لزوم کر لیا اور ایک عالم قاری حافظ نحوی کو علوم شرع میں مہارت حاصل کرنے کی غرض سے اپنے پاس رکھ لیا۔

ابن الصیرفی لکھتا ہے کہ ابن کلس کی ترقی اور اعتماد کی وجہ یہ ہوئی کہ کافور کے پاس رپورٹ ہوئی کہ رملہ میں ایک سوداگر لاوارث مر گیا ہے جس کے مکان میں

۲۰ ہزار دینار مد فون ہیں اور خبر دہندہ وہ جگہ بتا سکتا ہے۔ کافور نے ابن کلس کو یہ روپیہ برآمد کرا کر خزانہ میں داخل کرنے پر مامور کیا۔ ابن کلس جب چلا تو اسے معلوم ہوا کہ فرما میں بھی ایک سوداگر لاوارث مر گیا اور قیمتی اسباب چھوڑ گیا ہے ابن کلس نے اس اسباب پر قبضہ کر نیکی بھی اجازت منگوائی۔ رملہ میں ۲۰ ہزار کی جگہ ۳۰ ہزار دینا برآمد ہوئے اور فرما کا اسباب بھی ۲۰ ہزار دینار کو فروخت ہوا۔ کافور نے یقین کر لیا کہ یہ شخص نہایت متدین اور بہت بابرکت ہے۔ جب تک کافور زندہ رہا، ابن کلس کا جاہ و جلال بنا رہا۔ اس کے مرتے ہی وزیر ابن الفرات نے حساب فہمی میں اس کو گرفتار کر لیا۔ یہاں سے منت و سماجت سعی و کوشش کے بعد رہائی ملی۔ رہا ہو کر اپنے بھائی سے قرض لیا اور افریقہ کو چل دیا۔ راہ میں اسے معز العبیدی کا غلام القاند جو ہر ملا جو دیار مصر پر تصرف و تملک کیلئے آرہا تھا۔ ابن کلس اس سے ملا اس نے اپنی عرضداشت کے ذریعے اپنے آقا معز کے پاس روانہ کر دیا جس نے دیار مصر یہ میں ہی اسے مامور کر دیا۔ جب معز کے بعد اس کا بیٹا عزیز تخت نشین ہوا تو عمدہ وزارت اس کو مل گیا۔ وزیر ہو کر نہایت عمدہ اصول حکمرانی قائم کئے اور اہل علم و ہنر کی خوب قدر دانی کی۔ ہر ہفتہ شب جمعہ کو مجلس مرتب کرتا اور فقہاء و قراء نحاۃ و شعراء قضاۃ کو جمع کرتا اور ہر ایک علم سے متعلق بحث و تکرار علمیہ کا دور شروع ہو جاتا۔

اپنے ذاتی صرف سے اپنے گھر پر کاتبان قرآن کریم، کاتبان حدیث فقہ و ادب، طب و کلام نو کر رکھ چھوڑے تھے جو ہمیشہ کتب مفیدہ کی کتابت کرتے اور نشر علوم میں ساعی رہتے۔ خوان کرم ایسا وسیع تھا اراکین سلطنت و اعیان دولت، اہل فضل و کمال، مسافرین و سائلین کے لئے جداگانہ مطبخ علاقہ کے اندر تھا کہ ہر ایک جنس ہر ایک چیز کے بازار اس کے اندر بے ہوئے تھے اور بیرونی جانب سے ایک جنگی قلعہ کے برابر مستحکم و حصین تھا۔ مرنے سے چند روز پیشتر اسے ایک کاغذ مسند پر گرا ہوا ملا۔ اٹھا کر

دیکھا تو یہ اشعار لکھے ہوئے تھے۔

احزرو امن حوادث الا زمان و تو قواطق ارق الحدثان  
قد امنتم من الزمان و تتمم رب خوف مکن فی امان  
خلاصہ یہ ہے کہ خوف امن کے اندر سے ہی نکل آتا ہے حادثات زمانہ سے  
غافل و ایمن نہ ہونا چاہیے۔

ابن کلس لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم پڑھ کر رہ گیا۔  
اس سے تھوڑے دن بعد ہی بیمار ہو گیا۔ نزع سے کچھ پہلے بادشاہ عیادت کیلئے آیا۔ اس  
کی خراب حالت دیکھ کر نہایت متاسف ہوا۔ کہا کاش اگر تیری زندگی قیمتاً مل سکتی تو میں  
سلطنت کو دے کر بھی خرید لیتا اور اگر تیرے لئے فدیہ منظور ہو سکتا تو میں اپنے بیٹے کو  
بھی تجھ پر فدا کر دیتا۔ اب جو وصیت تو کرنا چاہے اس پر میں عمل کرونگا۔ ابن کلس نے  
کہا حضور اپنے پسماندگان کیلئے کچھ عرض کرنا نہیں چاہتا کیونکہ الطاف شاہی میرے  
حال پر اس قدر مبذول ہیں کہ اس سے بڑھ کر اور توجہ دلانا ممکن نہیں البتہ میں ملکی  
معاملات کے متعلق عرض کرنا چاہتا ہوں۔

(۱) روم کے ساتھ کبھی نہ بگاڑنا۔ اور جب تک وہ سلامت روی سے رہیں ان سے جنگ  
کا جو یا نہ ہونا۔

(۲) اہل ہمدان میں اگر حضور کا خطبہ و سکہ قائم رہے تو اسی پر قناعت فرمانا۔ اس سے  
بڑھ کر اگر ان سے کچھ چاہا گیا تو نتیجہ خوب نہ ہوگا۔

بادشاہ بذات خود تجھینز و تکفین میں شریک ہو اور اپنے ہاتھ سے لحد میں اسے  
رکھا۔ اس روز اپنے سر پر چتر بھی نہ لگایا۔ حالانکہ چتر شاہی کے بغیر وہ کبھی سوار نہ ہوا کرتا  
تھا۔ تمام بازار اور عدالتیں ماتم میں بند رہیں۔

اس کی وفات کے بعد معلوم ہوا کہ ۲ لاکھ دینار سالانہ کی جاگیر ذاتی کا مالک تھا

اور ۴ ہزار غلام اس کے گھر کی معتبر خدمات پر مامور تھے۔ ۵ لاکھ دینار کا قیمتی کپڑا اور ۴ لاکھ دینار کے جواہرات گھر میں تھے۔ سوداگروں کا ۱۲ ہزار قرض دینا نکلا۔ جس کو بادشاہ نے خزانہ سے ادا کر دیا اور کفن و دفن پر دس ہزار دینار جو صرف میں آئے تھے وہ بھی سلطنت نے دیئے۔ سو سے زیادہ شاعروں نے مرثیے لکھے اور وہ سب ایک جگہ جمع کئے جا کر کتاب کی صورت میں مرتب کئے گئے۔

اس کی شاعرانہ نازک خیالی کے متعلق ایک قصہ مشہور ہے کہ بادشاہ اور وزیر کے پاس ایک ہی جنس کے عمدہ عمدہ پرندے تھے۔ ایک دفعہ ان کو پرواز کیلئے چھوڑا گیا۔ وزیر کا پرندہ آگے نکل گیا۔ بادشاہ کو نہایت ناگوار گذر اور حاسدین کو کہنے کا موقع مل گیا کہ حضور کیلئے تمام اشیاء و اسباب گھٹیا اور ادنیٰ درجہ کا آتا ہے اور جو چیز اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہے اسے وزیر اپنے گھر میں رکھتا ہے۔ ابن کلس کو بھی خبر ہو گئی اس نے ذیل کا قطعہ بادشاہ کے پاس لکھ بھیجا۔

قل لامیر المومنین الذی له العلاو النسب الثاقب  
طائر السابق لکنه جاء و فی خدمته الحاجب

ترجمہ۔ امیر المومنین سے جن کا نسب اور درجہ بلند ہے۔ عرض یہ ہے کہ پرندہ تو حضور کا ہی بڑھا ہوا تھا لیکن اس کے آگے آگے چوہدار کا ہونا ضروری تھا۔

بادشاہ نے اسے بہت پسند کیا اور مسرور ہو گیا۔ ابن کلس کا سال ولادت ۳۱۸ھ اور سال وفات ۳۸۰ھ ہے۔ بعض شخصوں نے اس کے اسلام پر شک کیا ہے اور بتلایا ہے کہ دل سے یہودی ہی تھا ان ظاہر بینوں کو دل پر حکم لگاتے ہوئے ذرا خوف نہیں آتا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ شخص حسن الاسلام تھا۔ اور معتقدات یہود کے متعلق نہایت شروبط سے رد کیا کرتا تھا۔



## ابو الطاہر محمد بن بقیہ وزیر

ابو الطاہر محمد بن بقیہ المقلب نصیر الدولہ، عزالدولہ مختیار بن معز الدولہ بن بویہ کا وزیر تھا۔ پہلے معز الدولہ کا باورچی تھا۔ جب عزالدولہ اپنے باپ کی جگہ مسند نشین ہوا تو ابن بقیہ منظور نظر عنایت ہو گیا اور رفتہ رفتہ ترقی پاتا ہوا درجہ وزارت تک پہنچ گیا۔ اگرچہ شروع شروع میں لوگوں کو ایک ایسے شخص کا جو پہلے کہیں باورچی رہ چکا ہو وزیر بن جانا ناگوار گزر ا مگر ابن بقیہ کے جو دو سخا اور کرم و عطا نے اس کے تمام عیوب پر پروہ ڈال دیا۔ کہتے ہیں کہ بیس روز میں اس نے بیس ہزار خلعت لوگوں کو عطا کئے تھے۔

ابو اسحاق کہتا ہے کہ ایک شب جلسہ میں میں بھی موجود تھا۔ ابن بقیہ نے دو سو دفعہ پوشاک بدلی پہلی پوشاک اتار کر انعام میں دے دیتا۔ ایک گویا لونڈی دیکھ کر بولی کہ حضور ان پوشاکوں میں شاید بھڑیس ہو گئی جو بدن پر کپڑے رہنے نہیں دیتیں۔ ابن بقیہ یہ سن کر ہنس پڑا۔ اس کی امارت یا اسراف کا اندازہ کرنے کیلئے دوسری روایت یہ ہے۔ کہ موم بنتی کا خرچ اس کے ہاں دو ہزار اشرفی ماہوار کا تھا۔

اس کے عہد وزارت میں عزالدولہ کی اپنے چچیرے بھائی عضد الدولہ شاہ اہواز کے ساتھ جنگ شروع ہوئی۔ پچاس دن کے محاربہ کے بعد عزالدولہ کو شکست ہوئی۔ چونکہ جنگ کا مشورہ ابن بقیہ ہی نے دیا تھا اس لئے بادشاہ نے شکست کا غصہ اسی پر نکالا اور اسے گرفتار کر کے عضد الدولہ کے پاس بھجوا دیا کہ بھائیوں میں پھوٹ ڈالنے والا یہی مایہ فساد تھا۔

عضد الدولہ جنگ سے پہلے بھی اس کے خون کا پیاسا تھا کیونکہ ابن بقیہ ہمیشہ



عضد الدولہ کو برے الفاظ میں یاد کیا کرتا اور بھرے دربار میں حقارت آمیز فقرات اس کے لئے استعمال کیا کرتا تھا اور اس کو ترہ فروش کہا کرتا۔ اس وقت تو ایسے الفاظ و فقرات سے ابن بقیہ کی غرض اپنے آقا عزالدولہ کو خوش کرنا ہوتا تھا مگر یہ کیا معلوم تھا کہ ان کا خمیازہ بھی کبھی اٹھانا پڑے گا۔ عضد الدولہ نے پہلے تو اسے تمام شہر میں تشہیر کرایا اور پھر مست ہاتھی کے پاؤں میں ڈالکر کچلوا یا اور پھر بیرون دروازہ شہر پھانسی پر لٹکوا دیا۔ الواحسٹن محمد انباری وزیر کا احسان پروردہ وصلہ خوردہ تھا۔ اس نے نہایت درد انگیز مرثیہ لکھا۔ چند اشعار شاعرانہ حیثیت سے ایسے عجیب ہیں کہ انہی کی وجہ سے میں نے ابن بقیہ کا حال انتخاب کیا۔ وہ کہتا ہے اور پھانسی پر کھلی ہوئی لاش کا سماں مدح کے پیرایہ میں دکھلاتا ہے۔

زندگی میں تھی تو بلند تھا۔ اور مرنے کے بعد  
بھی بلند ہی رہا حق تو یہ ہے کہ تو بھی گویا ایک  
معجزہ ہے۔

لوگ جو تیرے گرد کھڑے ہیں ایسے معلوم  
دیتے ہیں کہ تجھے انعامات و عطیات لینے کیلئے  
حاضر ہوئے ہیں۔

تو درمیان میں ایسا تادہ ہے اور لوگ بھی کھڑے  
ہوئے ہیں اس سے ایسا نظر آتا ہے کہ تو خطیب ہے  
اور لوگ نماز کیلئے کھڑے ہیں۔

تو نے اپنے ہاتھوں کو لوگوں کو بھٹیر ف پھیلا رکھا ہے غالباً  
انکے بلانے کیلئے ہے اور اس طرح تو اپنے ہاتھوں کو  
سخت کیلئے پھیلا کر تا تھا۔

علو فی الحیوة و فی المات  
لحق انت احدی المعجزت  
کان الناس حولک حین قالوا  
و فود نذاک ایام الصلاة  
کانک قائم فیہم خطیبا  
و کلہم قیام للصلوة

مددت بديک نحوہم احتفالا  
کمدہما الیہم بالہبات

جب موت کے بعد بھی زمین تیری برتری پر  
مٹی نہ ڈال سکی۔

تو تجھے خلا میں دفن دیا گیا۔ اور کفن کی جگہ مرگ  
کے کپڑوں سے کفنایا گیا۔

چونکہ آپکی عظمت دلوں میں جمی ہوئی ہے اس  
لئے آپ سو رہے ہیں اور معتبر چوکیدار دربان  
پہرہ دے رہے ہیں۔

جس طرح زندگی میں آپکے باورچی خانہ کی آگ ہمیشہ  
روشن رہتی تھی اس طرح اب بھی تمام رات آپکے  
قریب آگ روشن رہتی ہے۔

جس سواری پر گذشتہ زمانہ میں حضرت زید بن  
زین العابدین سوار ہوئے تھے آپ بھی اسی پر  
سوار ہوئے ہیں۔

آپکی لاش سے پہلے میں نے کوئی ایسی لاش نہیں  
دیکھی جس نے بزرگیوں کیساتھ یوں معانقے کئے  
ہوں

شاعر نے یہ مرثیہ بغداد کی گلیوں میں متفرق کاغذات پر لکھ کر پھیلا دیا۔  
شدہ شدہ عضد الدولہ تک بھی یہ اشعار پہنچ گئے۔ اس نے حکم دیا کہ اس کا مصنف معلوم  
کیا جائے۔ سال بھر تک تلاش ہوتی رہی۔ آخر صاحب ابن عباد کو جو حاکم رے تھا پتہ  
لگ گیا۔ اس نے مصنف کو وعدہ امن دے کر طلب کیا۔ جب ابوالحسن انباری سامنے آیا  
تو کہا کہ مرثیہ تو میں دیکھ چکا ہوں مگر مصنف کے منہ سے سننے کی آرزو ہے۔ انباری نے  
پڑھنا شروع کیا۔ پڑھتے پڑھتے جب ولم ارقبل جذعک قط جذعا۔ پر پہنچا

و لما ضاق بطن الاض عن ان  
تضم علال من بعد الممات  
اصاروالجو قبرل و استنابوا  
عن الا کفان ثوب السافنات  
لعظمک فی النفوس تبیت ترعی  
بحفاظ و جراس تقات

و تشعل عنذل النیران لیللا  
کذلک کنت ایام الحیوة

رکبت مطیته من قبل زید  
علاہافی اسنین الماضیات

ولم ار قبل جذعک قط جذعا  
تمکن من عناق المکرمات

تو حاکم نے اٹھ کر منہ کو چوم لیا اور پھر بادشاہ کی خدمت میں روانہ کیا۔ وہ رات کی وقت بادشاہ کے سامنے پیش ہوا۔ عضد الدولہ نے کہا کہ ایسا مرثیہ لکھنے کی جرات تجھے کیونکر پیدا ہوئی کہا، مرحوم کے سابقہ احسانات اور دیرپا عنایات نے میرے کلیجہ میں آگ بھڑکا رکھی تھی۔ چند شعر کہہ کر میں نے اسے ٹھنڈا کر لیا۔ بادشاہ جس کے سامنے شمع ہائے بلورین روشن تھے، بولا کہ شمع کے بارہ میں بھی کوئی شعر یاد ہے انباری نے کہا ہاں!

کان الشموع و قدا ظہرت من النار فی کل راسا سنانا

اصابع اعدائک الخائفین تضرع تطلب منک الا مانا

ہر ایک شمع جس کے سر پر آتش بار سنان ہے، گویا تیرے خائف و ترساں دشمنوں کی انگلیاں ہیں۔ جو گڑ گڑاتی ہوئی تجھ سے امان کی خواہاں ہیں۔

بادشاہ سن کر خوش ہوا۔ ایک کیسہ زر ایک خلعت دیکر رخصت کر دیا۔ ابن بقیہ کی لاش جب تک عضد الدولہ زندہ رہا پھانسی پر ہی لٹکتی رہی۔ لیکن اس کے مرنے کے بعد اتار کر دفنائی گئی۔ انباری نے اس بارہ میں بھی چند اشعار کہے۔

لم یلحقوا بک عارا فصلبت بلی باوا باتمک ثم استرجعوا ند ما

تپھانسی پر لٹکائے جانے سے تجھے کوئی عیب نہیں لگ گیا۔ بلکہ انہوں نے ایک گناہ کیا اور خود ہی ندامت اٹھا کر اس سے رجوع کرنا پڑا۔

لئن بلیت فلا یبل ندادک ولا تنسی و کم ہالک ینسی اذا قدما

گو آپ پر مصیبت آئی مگر آپ کی سخاوت کو تو کوئی صدمہ نہیں پہنچا اور نہ بھلائی جاسکتی ہے حالانکہ بہت سے اشخاص ایسے ہیں کہ مرنے کے بعد انہیں کوئی جانتا بھی نہیں۔

تقاسم الناس حسن اذکر فیک کما مازال مالک بین الناس منقسما

لوگوں میں آپ کی تعریف اب اس طرح پر تقسیم ہو رہی ہے جس طرح کبھی آپ کا عطا کردہ زر و مال تقسیم ہوا کرتا تھا۔

ابن بقیہ کا واقعہ شوال ۳۶ھ کو ہوا۔ اس وقت اس کی عمر پچاس ساٹھ کے درمیان تھی۔ ابن بقیہ کا قصہ سبق دے رہا ہے کہ غلط مشورے دینا، اقارب کو ایک دوسرے سے جدا کرنے کی سعی کرنا اور ناشائستہ الفاظ کا استعمال کبھی نہ کبھی ضرور برے انجام پر ختم ہوتے ہیں۔ انباری شاعر کا واقعہ ظاہر کر رہا ہے کہ اخلاص و رزق، محسن کی شکر گزاری استقلال ضرور اچھے نتائج پیدا کرتے ہیں۔ دنیا میں گو بہت سے اشخاص ایسے پائے جاتے ہیں جو خود غرضی اور مطلب براری کے سامنے خلوص اور شکر گزاری محسن کو نہایت حقارت سے دیکھا کرتے ہیں اور ان صفات کو کمزور انسانی خیال کہا کرتے ہیں۔ لیکن سچی شرافت اور حقیقی انسانیت ان لوگوں کے ساتھ کبھی اتفاق نہیں کر سکتی۔ انباری نے ابن بقیہ کو پھانسی پر لٹکائے جانے کو حضرت زید بن امام زین العابدینؑ کا مشبہ قرار دیا ہے۔ سو اس بزرگوار سید کو بھی بجرم بغاوت ہشام اموی کے حکم سے حاکم رے نے چند سال تک پھانسی پر لٹکائے رکھا تھا۔ آخر جب معلوم ہوا کہ مسلمانوں میں اس بارے میں جوش پھیل رہا ہے تو لاش کو جلا کر راکھ دریا میں بہا دی تھی۔ بنی امیہ کے بعد عباسیہ کا دور خلافت شروع ہوا اور انہوں نے بنی امیہ کے اس ظلم و ستم کا جو فرزند ان اہلبیت نبوی ﷺ پر کئے گئے تھے بدلہ لینا شروع کیا۔ مگر اس برے طریق پر کہ قبر میں سے مردہ نکالا اور راکھ کر دیا اور کہا کہ یہ زید شہید رضی اللہ عنہ کا بدلہ ہے۔ اللہ اکبر خود سرانہ حکومت کیسی کیسی خونریزیوں کا سرچشمہ رہی ہے اور مدعیان پیروی مقدس مذہب نے کیسے کیسے افعال کئے ہیں۔ قرآن مجید نے و نشاور ہم فی الامر فرما کر دارالشورے کی بنیاد ڈالی اور خلافت راشدہ کے تابان جواہر نے اس عمارت کی حفاظت کی لیکن ان کے بعد اس حکم سے چشم پوشی و سرتابی کی گئی اور مسلمانوں کو مسلمانوں کے ہاتھوں سے وہ کچھ دیکھنا نصیب ہوا کہ اعداء سے بھی ظہور میں آنے کی توقع نہ کی جاسکتی تھی۔

## نظام الملک

یہ وہی مدبر اور علم دوست وزیر ہے جس نے اپنے نام پر نظامیہ بغداد کی بنیاد ڈالی اور تین کروڑ روپیہ سالانہ کی جاگیر اس اسلامی یونیورسٹی کیلئے دواماً وقف کی یہ وہی نظامیہ ہے جہاں کے وظیفہ خوار طالب علم ہونے پر سعدی شیراز کو فخر ہے بوستاں میں فرماتے ہیں۔

ماور نظامیہ ادرار بود شب و روز تلقین و تکرار بود

یہ وہی نظامیہ ہے جس میں امام غزالی، امام نووی و فاضل اجل ابن جوزی جیسے پروفیسر تھے۔ نظام الملک بروز جمعہ ۲۱ ذیقعد ۴۰۸ھ کو نوقان ضلع طوس میں پیدا ہوئے۔ نام حسن بن علی بن اسحاق بن عباس کنیت ابو علی، لقب نظام الملک قوام الدین ہے۔ لیکن مشہور صرف نظام الملک ہو اور نام کنیت پر بھی غالب آگیا۔

ان کا باپ ایک معمولی زمیندار تھا مگر بیٹے کو حدیث و فقہ کی تعلیم اعلیٰ درجہ کی دلائی تھی۔ جب نظام الملک سن بلوغ کو پہنچا تو علی بن شاقون حاکم بلخ کے پاس جا کر نوکر رہ گیا۔ لیکن وہ درشت مزاج اور تند خو تھا۔ اس کو بہت جلد مستعفی ہونا پڑا۔ اس کے بعد وہ داؤد بن میکائیل سلجوقی کی خدمت میں رہنے لگا۔ داؤد کو رفتہ رفتہ اس کے جوہر قابلیت دیکھ کر محبت بڑھتی گئی۔ بالآخر اپنے بیٹے ارسلان کا اتالیق بنا دیا اور شاہزادہ کو بلا کر سمجھا دیا کہ اسے میرے برابر سمجھنا اور اس کے مشورہ سے کبھی تجاوز نہ کرنا۔

جب ارسلان نے سر پر تاج رکھا تو تدبیر مہام اور مہارِ انتظام کو نظام

الملک کے ہاتھ میں دے دیا۔ وہ سالہ حکومت کے بعد الپ ار سلاں مر گیا اور ملک شاہ اپنے باپ کی جگہ شاہ مقرر ہوا۔ بادشاہ کے پاس آبادی میں صرف تخت تھا اور جنگل میں شکار۔ باقی سلطنت کے سیاہ و سفید کا مالک نظام الملک ہی تھا۔ اسی جاہ و جلال کے ساتھ اپنی عمر کے آخری بیس سال پورے کئے۔ نظام الملک کی مجلس ہر وقت علماء کبار اور صوفیائے نامدار سے بھری رہتی تھی اور یہ بھی صوفیہ کی خدمت خصوصیت کیساتھ حد سے بڑھ کر کیا کرتا۔ ایک دفعہ اس کا سبب پوچھا گیا۔ کہا ابتدائے عمر کا ذکر ہے میں ایک امیر کی خدمت میں مشغول تھا۔ ایک درویش ادھر آنکے۔ فرمایا ایسے شخص کی خدمت کرنی چاہئے جس سے کچھ منفعت حاصل ہو۔ تو ایسے شخص کی خدمت میں لگا ہوا ہے جس نے کل تک کتوں کا لقمہ بن جانا ہے۔ میں اس وقت اس فقرہ کے معنی نہ سمجھا۔ درویش چلا گیا۔ اس امیر کے ہاں شکاری کتے بہت تھے۔ جو خونخواری و درندگی میں درندوں سے بڑھ کر تھے۔ یہ سب رات کو محل کے گرد چھوڑے جاتے۔ جو کوئی غریب ناواقف محل کے آس پاس مل جاتا اسے پھاڑ ڈالتے۔ رات کو امیر نے شراب پی اور حالت نشہ میں تن تنہا محل سے باہر نکل آیا۔ نہ کتوں نے مالک کو پہچانا اور نہ مالک نے اپنے آپ کو شناخت ہی کر لیا۔ کتوں نے اسے اجنبی سمجھا اور چیر ڈالا۔ تب میں سمجھا کہ وہ درویش باخدا اور صاحب باطن اور ہلصفا تھا۔ اب میں اس لئے ہر ایک کی خدمت کرتا ہوں کہ شاید کوئی رسیدہ ملجا وے۔

نظام الملک علما میں سے ابو القاسم قشیری اور امام الحرمین ابو المعالی کی تعظیم و اکرام میں نہایت غلو کیا کرتا تھا اور جب ان دونوں میں سے کوئی صاحب تشریف لے آتے تو مسند چھوڑ کر سامنے دوزانو ہو بیٹھتا۔ اس بندہ صالح کی عادت یہ تھی کہ بانگ نماز سنتے ہی سب کام چھوڑ کر نماز کے لئے کھڑا ہو جاتا۔ کہتے ہیں کہ یونیورسٹی کا بانی سب سے پہلے یہی ہوا۔ اور ہر جگہ اسی کی تقلید کی گئی۔ جس وقت اس نے تین کروڑ سالانہ کی جاگیر نظامیہ کیلئے وقف کر دی تو بعض مصاحبین نے بادشاہ کو بھڑکایا کہ دیکھئے حضور بلا

استمزاج کتنے بڑے حصہ سلطنت کو خزانہ سے علیحدہ کر دیا۔ بادشاہ نے نظام الملک کو بلا کر صاف لفظوں میں تو نہ کہا لیکن یہ کہا کہ فوجی مصارف کی بہت ضرورت ہے۔ آپ مدارس کے لئے کچھ رقم مقرر کیا کریں تو اس کا لحاظ کر لیا کریں۔ نظام الملک نے کہا کہ جو فوج آپ تیار کرتے ہیں وہ دشمنی خروج و بغاوت کے بعد زیر کرتی ہے اور جو فوج میں تیار کر رہا ہوں وہ بغاوت سے پہلے مادہ دشمنی کو خارج کر دیتی ہے آپ کی فوج کے تیر دشمن ارضی کے حملہ کی روک ہیں مگر اس فوج کے تیر دعا آسمانی قضا کو تھام دیتے ہیں۔ پھر کہا۔ جان بابا میں تو ضعیف پیر ہر م ہو گیا ہوں۔ لیکن تم ماشاء اللہ جو ان ہو ترک ہو، خوب سرخ و سفید۔ بھلا اگر تم کو نخاس میں فروخت کیا جائے تو اس تن و توش اور رنگ و روپ پر کیا قیمت پڑے۔ یہی ہزار بارہ سو درہم! اس حیثیت خلقی پر خداوند تعالیٰ نے جو اتنے بڑے ملک کا تم کو والی و بادشاہ بنا دیا ہے تو اب تم کو اس کی راہ میں اور علوم الہیہ کی ترویج میں صرف تین کروڑ سالانہ دیتے ہوئے بھی درد آتا ہے۔! بادشاہ رو پڑا۔ کہا معاف فرمائیے آپ جو کچھ کر رہے ہیں وہ عین مصلحت و صواب ہے۔

نظامیہ کی بنیاد ۱۷۵۶ء میں رکھی گئی اور ۱۷۵۹ء میں عمارت پوری ہو گئی۔ شیخ ابو اسحاق شیرازی کو پرنسپل کیلئے انتخاب کیا گیا اور انہوں نے اس تقرر کو منظور کر لیا۔ افتتاح کے دن نظام الملک تو موجود نہ تھا۔ اس کے بیٹے موید الملک نے رسم پوری کی۔ استاد ابو اسحاق کا نہایت انتظار کیا گیا۔ جب نظام الملک کو اطلاع ہوئی تو اس نے بیٹے کو لکھ بھیجا کہ تم نے غلطی کی۔ اگر افتتاح کالج میں ایک سال کا وقفہ بھی پڑ جاتا تو کچھ پرواہ نہ تھی مگر ابو اسحاق کے سوا پرنسپل کا شایاں اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ آخر بیس یوم کے بعد ان کو ہی منت سماجت کر کے رضا مند کیا گیا۔

الغرض نظام الملک وہ شخص ہے جو وزیر سلطنت بھی تھا اور عالم دین بھی۔ اس کا عمل کثرت علم سے مشید تھا اور اس کا علم مداومت عمل سے مزین تھا۔ جاجا مہمان

سرائیں، پل اور مدارس تعمیر کر دیئے تھے۔ حدیث پاک کے درس میں طالب علمانہ حاضر ہوا کرتا اور گاہے گاہے نیز بھی روایت کیا کرتا۔ کہا کرتا تھا میں جانتا ہوں کہ روایت حدیث نبوی ﷺ کی اہلیت مجھ کو نہیں لیکن تمنا ہے کہ راویان حدیث رسول ﷺ میں بروز شمار میرا شمار کیا جاوے۔

ایسے ہی اخلاق حمیدہ اور خصائل جمیلہ کی وجہ سے نظام الملک ایک ایسے ذاتی اعزاز کا مالک ہو گیا تھا جو محض ایک وزیر سلطنت کو ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ایک دفعہ خلیفہ مقتدی باللہ کے دربار میں پیش ہوا خلیفہ نے محض اس کے ذاتی اعزاز کی وجہ سے اس کو حضور میں نشست کی اجازت دیکر کہا کہ اے حسن امیر المؤمنین تجھ سے خوشنود ہے۔ خدا بھی تجھ سے خوش رہے۔

نظام الملک کبھی کبھی خداداد موزونی طبع سے بھی دل بہلایا کرتا اور شعر کہا کرتا تھا۔ ذیل کا قطعہ اسی کا ہے جو حسب حال بھی ہے۔

بعد الثمانین لیس قوۃ قد زہبت شرة الصبوة

کاننی والعصاء بکفی موسیٰ ولكن بالا نبوة

یعنی ہشتاد سالہ عمر کے بعد قوت نہیں رہتی۔ اور لڑکپن کی امنگوں کا تو نشان

بھی نہیں ملتا جب میرے ہاتھ میں عصا موجود ہے تو گویا میں بھی موسیٰ ہوں گو نبوت مجھے حاصل نہیں۔

کہتے ہیں اصفہان کے بادشاہ کے پاس جا رہا تھا۔ جب نہاوند کے قریب پہنچا تو

کہا یہ وہ جگہ ہے جہاں حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بہت سے صحابہؓ شہید

ہوئے تھے۔ مبارک ہے جس کو ان کا ساتھ نصیب ہو۔ تھوڑی دور ہی آگے چلے تھے۔

کہ ایک دیلمی لڑکا صوفیانہ لباس پہنے ہوئے سامنے آیا۔ ظاہر کیا کہ عرضی پیش کرنا

چاہتا ہے۔ نظام الملک نے قریب بلایا اور ہودج میں سے اٹھ کر عرضی لینے کیلئے ہاتھ



نکالا۔ ظالم لڑکے نے اسی وقت چھری چلائی جو سیدھی دل پر آگئی۔ اور طائر روح کی پرواز کے لئے قفس کی کھڑکی کھل گئی۔ نظام الملک شہید ہو گیا۔ قاتل بھاگ چلا تھا۔ مگر پکڑا گیا اور اسی وقت قتل کر دیا گیا۔ طناب خیمہ کے ساتھ قاتل کا سر بھی مقتول کی تدفین سے پہلے آویزاں نظر آتا تھا۔

بادشاہ تعزیت کیلئے خود اس کے کمپ میں آیا اور مرحوم کے جملہ ملازمین و اقربا کو تسلی و صبر دلاتا رہا۔ بعض کا خیال ہے کہ قاتل نے بادشاہ کے اشارہ سے ہی وار کیا تھا۔ کیونکہ بادشاہ اس کے سامنے محض شاہ شطرنج تھا اور مرحوم کی بست سالہ وزارت کے طول زمانہ نے جہاندیدہ وزیر کو مالک کے دل و دیدہ پر اور بھی زیادہ گراں کر رکھا تھا۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ واقعہ تاج الملک ابو الغنائم خسرو کی سازش سے ہوا۔ کیونکہ نظام الملک اور مرزبان میں کچھ چلی ہوئی بھی تھی اور مرحوم کے بعد وزیر بھی وہی ہوا۔ سلمان کے نزدیک یہ سب قیاسات ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس بندہ صالح کی تمنا کو دیکھا۔ دعا کو سنا۔ صحابہ کرام اور شہدائے عظام کے پہلو میں خواب راحت کی اجازت دی اور اسی مقام پر جہاں جہاد کرتے ہوئے اصحاب نبوی نے جان وی تھی اسے انصاف کرتے ہوئے نعمت شہادت ارزانی فرمائی جو حکومت و وزارت سے بدرجہا رفیع و اعلیٰ ہے۔ ابو الہیجا مقاتل بن عطیہ نے مرثیہ میں یہ قطعہ لکھا۔

کان الوزير الملك لولوة      تفبسه صاغها الرحمن من شرف  
عرت فلم تعرف الايام قيمتها      فردها غيرة منه الى الصدف  
یعنی نظام الملک وزیر ایک نفیس موتی تھا۔ جسے رحمن نے دریائے شرف سے نکالا تھا۔ اس نے دنیا کو اپنی آب و تاب دکھلائی مگر دنیا نے اس کی کچھ قدر و قیمت نہ پہچانی۔ اس لئے غیرت الہیہ نے اس کو پھر صدف میں ہی رکھ دیا۔

صدف میں رکھنے کا کنایہ منها خلقنا کم و فیہا نعیدکم سے

ہے۔ شہادت کا واقعہ ۱۷ ماہ رمضان ۳۹۵ ہجری کو ہوا۔ بادشاہ بھی اس سے ۳۵ یوم بعد مر گیا۔ حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا۔



## جعفر برکی

خلافت عباسیہ کی تاریخ میں جو قدر و منزلت اور عزت و شہرت جعفر لور اس کے خاندان وزارت کو حاصل ہوئی ہے اور جو سبق عبرت اس خاندان سے حکومت و اختیار کے شیدائیوں اور مال و زر کے فدائیوں کو حاصل ہو سکتا ہے وہ شاید دوسری جگہ سے نہ مل سکے۔

برمک پارسی نژاد شخص تھا۔ آتشکدہ بلخ کا مدت العمر پجاری رہا۔ اس کا بیٹا خالد مسلمان ہوا اور خلیفہ عبداللہ سفاح و خلیفہ منصور کا وزیر اعظم رہ کر اکراد فارس پر فوج کشی کرتا ہوا اپنی موت سے مر گیا۔ اس کا بیٹا یحییٰ ہمیشہ سلطنت کے بڑے بڑے عہدوں پر ممتاز رہا اور آخر میں بادشاہی محلات کا منتظم تھا۔ یحییٰ کے دو بیٹے تھے فضل اور جعفر۔ ہارون رشید کے وقت میں ان دونوں کو جو عروج حاصل ہوا وہ کسی وزیر کو تو کیا شاید بڑے بڑے بادشاہوں کو بھی حاصل نہیں ہوا۔

ہارون فضل کو ہمیشہ بھائی صاحب اور یحییٰ کو ہمیشہ باوا جان کہہ کر بلایا کرتا تھا۔ اس کی وجہ محبت بھی تھی اور رشتہ رضاعت بھی۔ یعنی ہارون رشید نے فضل کی ماں کا اور فضل نے ہارون رشید کی ماں کا دودھ پیا تھا۔ فضل اور جعفر دونوں بھائی اعلیٰ درجہ کے لائق اور قابل تھے اور اگر ان دونوں میں زیادہ غور کی نگاہ سے فرق و تمیز کیجاتی تو وجہ تمیز یہ تھی کہ فضل کی سخاوت جعفر سے بڑھی ہوئی تھی اور جعفر کی بلاغت فضل کی انشاء پر فضیلت رکھتی تھی۔ پہلے فضل ہارون رشید کا وزیر تھا لیکن پھر اس نے چاہا کہ جعفر کو خلعت وزارت عطاء کرے۔ یحییٰ کو بلایا۔ کہا باوا جان میں جعفر کو فضل کی جگہ

بٹھلانا چاہتا ہوں۔ اس کام کو انجام دیں۔ یحییٰ نے کہا بہتر۔ اس نے وہیں بیٹھے ہوئے فضل کو لکھ دیا۔ امیر المومنین کا ارادہ ہے کہ خاتم وزارت کو دست راست سے بدل کر دست چپ میں پہنایا جائے تم کو لازم ہے کہ تعمیل کرو۔ (جعفر فضل سے چھوٹا تھا)۔

الغرض جعفر ہارون رشید کا وزیر تھا اور علو قدر و نفاذ امر جلالت منزلت قدر و عزت کی اس حد تک پہنچا ہوا تھا کہ آج تک وزیر شاید وہ درجہ حاصل نہیں کر سکا۔ کشادہ پیشانی خندہ روئی کے ساتھ فصاحت و بلاغت کا مالک تھا۔ جو دو سخاوت کے واقعات آجکل تو کہانیاں معلوم ہوتی ہیں لیکن تاریخی طور پر تفتحص کیا جائے تو شاید ایسے شخص کو ابر گہر بار کہنا موزوں تشبیہ ہو۔

کہتے ہیں کہ ہارون رشید کو اپنی بہن عباسہ اور جعفر وزیر کے ساتھ از حد محبت تھی۔ نہ جعفر کے بغیر اسے شکیب تھا اور نہ عباسہ کے بغیر صبر۔ ایک دن جعفر کو کہا۔ کہ مجھے اتنی بڑی سلطنت میں بھی بے غش زندگی حاصل نہیں۔ جب باہر تمہارے پاس ہوتا ہوں تو عباسہ یاد آتی ہے اندر عباسہ کے پاس ہوتا ہوں تو جعفر کی یاد بے چین رکھتی ہے۔ جعفر میں چاہتا ہو کہ عباسہ کا تیرے ساتھ نکاح کر دوں تاکہ تم سامنے ہو سکو۔ مجھے یکبارگی دونوں کے پاس بیٹھنا میسر آئے مگر دیکھ میرے بغیر کبھی تم ایک جگہ جمع نہ ہونا۔ اور باہم گفتگو و کلام نہ کرنا۔ اس حکایت سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ کہاں تک جعفر کی محبت ہارون رشید کو تھی۔ ایک اور حکایت بھی ملتی ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ جعفر کو کہاں تک ہارون رشید پر اقتدار حاصل تھا۔

ابراہیم بن مہدی کہتا ہے کہ ایک روز جعفر نے احباب کا جلسہ کیا۔ ہر ایک شریک دعوت کیلئے ریشمی لباس تیار کرایا گیا تھا۔ لباس پہنایا گیا اور سب کو عطر سے بسایا گیا اور حکم دیا کہ عبد الملک بن بحر ان کو بلا لاؤ۔ اس کے سوا اور کوئی اندر نہ آئے۔ دربان نے عبد الملک تو سنا اور ابن بحر ان نہیں سنا۔ وہ جا کر عبد الملک بن صالح ہاشمی کو بلا لایا۔ اور

اندر آکر اطلاع کے وقت بھی صرف یہی کہا کہ عبد الملک آگئے۔ کہا بلاؤ۔ تو دیکھتے کیا ہیں کہ عبد الملک بن صالح جبہ و دستار میں آرہے ہیں۔ جعفر کا منہ سفید ہو گیا۔ کیونکہ ابن صالح نبیذ نہ پیا کرتا تھا۔ اور خاص خلیفہ کو جواب دے چکا تھا جب عبد الملک نے جعفر کا چہرہ دیکھا وہ بھی پہچان گیا۔ جبہ و عمامہ اتار کر اس کے حوالہ کیا اور کہا میرے لئے ایسا ہی لباس لاؤ۔ جو احباب نے پہنا ہوا ہے۔ پھر ساتھ بیٹھ کر کھانا بھی کھایا اور قدرے نبیذ بھی پی۔ کہا بخدا آج سے پہلے میں نے کبھی اسے منہ نہ لگایا تھا۔ صرف اس لئے کہ تمہاری مجلس مکدر نہ ہو جائے شریک صحبت ہو گیا ہوں۔ پھر تو خوب ہی جلسہ کارنگ جما اور نہایت مسرت و سرور کے ساتھ جلسہ ختم ہوا۔ جب عبد الملک واپس جانے لگا تو جعفر نے کہا کہ میرے متعلق کچھ کار خدمت ہو تو فرمائیے۔ عبد الملک بولا کہ امیر المومنین کے دل میں میری طرف سے کچھ خلش ہے اسے دفع کر دو۔ بولا کہ ابھی تم سمجھ لو کہ امیر المومنین تم سے نہایت خوش ہیں۔ عبد الملک نے کہا میں نے چار لاکھ درہم قرض دینا ہے۔ جعفر نے کہا یہ لو۔ روپیہ حاضر ہے اتار دو۔ مگر میں بہتر سمجھتا ہوں کہ یہی روپیہ تم کو امیر المومنین سے دلادیا جائے تاکہ تم پر ثابت ہو جائے کہ وہ تم سے خوش ہو گئے ہیں۔ اس کے سوا اور کچھ فرماؤ۔ عبد الملک نے کہا میں چاہتا ہوں کہ میرے بیٹے ابراہیم کی شادی شاہی خاندان میں ہو جائے۔ جعفر نے کہا اچھا امیر المومنین کی بیٹی عالیہ کا نکاح اس سے کرایا جاوے گا۔ عبد الملک نے کہا میں چاہتا ہوں کہ ابراہیم کو صاحب نوا بنایا جاوے راوی کا بیان ہے کہ ہم سب یہ گفتگو سن کر حیران تھے کہ جعفر کیونکر ایسے ایسے امور عظیمہ کی بابت بے دھڑک وعدہ کر رہا ہے۔ تھوڑی سی دیر کے بعد جعفر سوار ہو کر خلیفہ کے پاس گیا۔ چند منٹ تخیلہ کے بعد قاضی ابو یوسف امام محمد بن حسن اور ابراہیم بن عبد الملک طلب ہوئے۔ نکاح پڑھا گیا۔ خلعت گورنری مصر عطاء ہوا۔ روپیہ پیچھے پیچھے تھا اور علم آگے آگے۔ ہم یہ سب دیکھ کر حیران ہو گئے۔ ہم نہیں

کہہ سکتے کہ عبد الملک جیسے عقیف و با وفا متشرع کا فوراً ہی بے حجابانہ نبیذ پینا عجب خیز تھا۔ جعفر کا اس سے جملہ امور میں وعدہ کر لینا اس سے بڑھ کر حیرت میں ڈالنے والا تھا۔ یا ہارون رشید کا اتنی جلد سب باتوں کو مان کر فوراً تعمیل کر دینا دونوں سے بڑھ کر عجیب تھا۔ اس اقتدار و محبت شدید کے بعد خاتمہ یہ ہوا کہ ہارون رشید نے اس سے ناراض ہو کر جعفر کو قتل کر دیا اور فضل کو جسے بھائی کہا کرتا اور یحییٰ کو جسے لبا کہہ کر بلا تا دائم الحبس بنایا۔ مورخین کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ ہارون رشید کسی بات پر جعفر سے ناراض ہوا تھا۔ بعض کا خیال ہے کہ جب عباسہ کا نکاح جعفر سے پڑھا گیا تو جعفر تو ہمیشہ اس سے محتر ز رہا مگر عباسہ نے اپنی ساس کو کہلا کر بھجنا شروع کیا کہ کسی طرح میرے شوہر تک مجھ کو پہنچادے ورنہ میں اپنے بھائی کو تم سے برگشتہ کر دوں گی۔ بڑھیا نے مان لیا۔ ایک شب جب جعفر نشہ میں چور تھا۔ عباسہ کو بلا کر اس کے پاس بھج دیا۔ عباسہ رات بھر وہیں رہی اور چلتے وقت اس سے کہنے لگی کہ وزیر صاحب شہزادیوں کے ہتھکنڈے بھی دیکھے۔ جعفر بولا شہزادی کون۔ کہا میں عباسہ امیر المومنین کی بہن ہوں۔

خدا کی قدرت عباسہ کے ایک لڑکا پیدا ہوا اور وہ اخفائے راز کیلئے مکہ مکرمہ بھج دیا گیا۔ اسی اثناء میں یحییٰ کی بیگمات سے بگڑ گئی۔ یحییٰ ناظر محلات تھا۔ شروع شام سے ہی آمد و رفت بند کر دیتا تھا۔ اور بیگمات تند ہوتی تھیں۔ زبیدہ خاتون نے ہارون رشید سے شکایت کی۔ ہارون نے کہا کہ مجھے یحییٰ کی نسبت کوئی بھی شک نہیں ہو سکتا۔ زبیدہ بولی اگر وہ ایسا معتبر ہے تو اس کا بیٹا جعفر کیا خاک اڑا رہا ہے۔ رشید نے پوچھا کیا۔ کہا عباسہ نے بچہ جنا ہے۔ رشید نے کہا ثبوت۔ بولی مکہ مکرمہ میں خود بچہ موجود ہے۔ رشید سکر چپ ہو گیا اور چند ماہ کے بعد حج کے بہانہ مکہ مکرمہ کو روانہ ہوا۔ عباسہ نے بچہ کو یمن بھجو دیا۔ مگر رشید کو یہ امر متحقق ہو گیا اور حج سے واپس آکر جعفر کو اسی وجہ سے

قتل کرادیا۔

دوسرا مورخ کہتا ہے کہ ایک علوی نسب کو بغاوت سلطنت کے جرم میں گرفتار کر کے جعفر کے سپرد کیا گیا تھا۔ اس نے جعفر کو کہا کہ تم کیوں میرے نانا محمد ﷺ کو اپنا دشمن بناتے ہو جعفر نے اسے چھوڑ دیا۔ رشید نے کہا کہ اب وہ فتنہ و فساد برپا کریگا۔ کہا نہیں میں نے اطمینان کر لیا تھا۔ خلیفہ نے کہا بہتر تب کچھ مضائقہ نہیں۔ اس گفتگو کے بعد جعفر جب وہاں سے اٹھ کر چلا۔ تو رشید نے آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا اور آہستہ سے کہا کہ خدا مجھ کو بھی ہلاک کرے میں تجھ کو قتل نہ کروں۔

تیسرا مورخ سعید بن سالم کا قول نقل کرتا ہے کہ برا مکہ کا کچھ قصور نہ تھا۔ بات یہ ہے کہ ان کو حکومت کرتے کرتے ایک زمانہ طویل ہو چلا تھا اور طوالت سے طبیعت کا ملول ہو جانا ایک قدرتی امر ہے۔

چوتھا مورخ کہتا ہے کہ رشید کے ناراض ہونے کی وجہ ایک گمنام شخص کے اشعار ذیل تھے۔

قل لامین اللہ فی ارضہ	خلیفہ سے جس کے ہاتھ میں سب انتظام ہے یہ
ومن الیہ الحل و العقد	عرض ہے
ہذا ابن یحییٰ قد غدا مالکا	کہ جعفر یحییٰ تیرے برابر کا مالک بن گیا ہے اور تجھ میں
مثلک ما بینکما حد	اور اس میں کچھ فرق نہیں رہا۔
امرک مردودالی امرہ	آپ کا حکم اس کے حکم کے سامنے پھیر دیا جاتا ہے۔
وامرہ لیس لہ رد	اور اس کے حکم کو کوئی لوٹا دینے والا نہیں۔

وقد بنى الدارالتى مابنى الفرس  
لها مثلا ولا الهند  
الدرواليا قوت حصباؤها  
و تربها العنبر والذر  
و نحن نخشى انه وارث  
ملكك ان غيبك اللحد  
ولن يباهى العبد اربابه  
الا اذا ما سطر العبد

اس نے ایسا محل تعمیر کرایا ہے کہ ہندو فارس میں اس  
کی نظیر نہیں۔  
درویا قوت اس محل کی کنکریاں ہیں اور عنبر و کافور وہاں  
کی مٹی ہے۔  
ہمیں یہ ڈر ہے کہ جس دن آپ لحد میں جا سوائے تو  
ملک کا وارث یہی بن جائیگا۔  
غلام آقا کی برابری تب ہی کرتا ہے جب وہ نمک حرامی  
کرنے گئے۔

رشید کے دل میں اشعار پڑھ کر برامکہ کی طرف سے بدی بیٹھ گئی۔

ابن بدرون کہتا ہے کہ علیہ بنت مہدی نے ایک روز رشید سے پوچھا کہ میں  
دیکھ رہی ہوں کہ جب سے برامکہ تباہ کئے گئے ہیں حضور کامل خوش نظر نہیں آئے۔  
بدیں صورت ان کے بگاڑنے کی وجہ کیا تھی۔ بولا عزیز از جان اگر میں سمجھ لوں کہ اس  
کی اصلیت میری قمیص کو معلوم ہو گئی ہے تو اسے چاک کر ڈالوں۔ واقدی لکھتے ہیں کہ  
حج سے واپس ہو کر رشید برامکہ سے بجزا۔ صفر کی پہلی تاریخ تھی کہ جعفر کو قتل کیا گیا  
جس پر بغداد کے ایک طرف اس کا دھڑ اور دوسری جانب اس کا سر آویزاں کیا گیا تھا۔

سندی بن شاہک کا بیان ہے کہ میں رات کو کو توالی میں سویا پڑا تھا۔ کیا دیکھتا ہوں  
کہ جعفر بن یحییٰ سرپاسرخ لباس پہنے ہوئے سامنے کھڑا ہے اور یہ اشعار پڑھ رہا ہے۔

کان لم یکن بین لاجون الی الصفاء انیس ولم یسمر بمکة سامر  
گویا جوں اور صفا (مکہ کے دو مقامات) کے درمیان میں کوئی انیس بھی نہ تھا اور  
نہ کوئی داستان گو (جو داستان کے طور پر ہی ہمارا ذکر کرے)۔

بلی نحن کنا اهلها فاباءنا صروف اللیالی والجدود العواثر



ہاں! ہم اسی جگہ کے رہنے والے ہیں لیکن زمانہ کی گردش اور ہلاکت کی راہوں نے ہم کو وہاں سے نکال دیا۔

خواب دیکھتے ہی میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے ایک دوست سے ذکر کیا۔ بولا یہودہ خواب و خیال ہے۔ اور یہ کچھ ضروری نہیں کہ انسان جو کچھ خواب میں دیکھے اس کے لئے تعبیر بھی ہو۔ میں پھر پلنگ پر جا پڑا۔ مگر آنکھوں میں نیند نام کونہ تھی۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ گھوڑے کی ٹاپ اور ہنہناہٹ کی آواز آئی اور ساتھ ہی دروازہ پر بھی زور سے کھٹکھٹاہٹ ہوئی میں نے دروازہ کھلوادیا۔ سلام ایرش جو رشید کا خادم تھا اور جو مہمات عظیمہ میں ہی مامور کیا جاتا تھا اوپر چڑھ آیا۔ اسے دیکھ کر میرے تو ہوش و ہواس گم ہو گئے اور میں یہ سمجھا کہ کچھ میری آفت آئی۔ خادم میرے برابر بیٹھ گیا اور اس نے مجھے خط نکال کر دیا۔ میں نے کھول کر پڑھا تو اس میں یہ لکھا ہوا تھا:

”سندی کو معلوم ہو کہ یہ خط خاص ہمارے قلم کا نوشتہ اور ہمارے دست خاص کی مر سے مزین ہے اور سلام ایرش اسے لیکر تمہارے پاس آتا ہے۔ تم اس خط کو دیکھتے ہی یحییٰ بن خالد کے گھر کا محاصرہ کر لو۔ اسے پکڑ کر بیٹری ڈالکر جیل میں پہنچادو۔ اپنے نائب عبداللہ کو فضل کی گرفتاری کے لئے بھجودو اور خبر منتشر ہونے سے پہلے اسے بھی جیل میں بھجودو اس کے بعد اس کے عزیز واقارب کو بھی گرفتار کر لینا چاہئے۔ یحییٰ اور فضل زندان خانہ زمارقہ میں قید کئے جاویں۔ سلام تمہارے ساتھ ہے اور خدا مددگار“

ابن بدرون لکھتا ہے کہ جب رشید موضع ابنار میں آکر اترتا تو اس نے اپنے غلام یاسر کو خلوت میں بلایا۔ کہا یاسر میں نے تجھے ایسے اعتباری کام کیلئے بلایا ہے۔ جس کے لئے میں اپنے بیٹوں پر بھی بھروسہ نہیں کر سکتا۔ تجھے لازم ہے کہ جو اعتبار تجھ پر کیا گیا ہے اسے صحیح ثابت کر دکھلاؤ۔ یاسر نے کہا اگر حضور مجھے خود کشی کا بھی حکم دیں گے تو میں فوراً تعمیل کرونگا۔ رشید نے کہا۔ اچھا ابھی جاؤ اور جعفر بن یحییٰ کا سر کاٹ لاؤ۔ یاسر

سن کر بت بن گیا۔ رشید نے ڈانٹ کر کہا تجھے کیا ہو گیا؟ کہا حضور نہایت مشکل کام ہے۔ کہا نہیں ابھی جاؤ اور تعمیل کرو۔ یاسر آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ جعفر بیٹھا ہوا ہے اور ابو زکار مغنی اس کے سامنے گارہا ہے اور حسین وزہرہ جمال کنیریں ستار بجا رہی ہیں۔ یاسر ذرا پس پر وہ ٹھہرا۔ ابو زکار نے گایا۔

مایرید الناس منا ماینام الناس عنا

انما ہمہم ان یظہروا ما قد دفنا

لوگ ہم سے کیا چاہتے ہیں کہ ہماری غیبتیں کرتے ہوئے سوتے بھی نہیں۔

بیشک وہ یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے دینیوں کو ظاہر کر دیں۔

فلا تبعد فکل فتی سیاتی اس بات کو کچھ بعید نہ سمجھو کہ ہر ایک شخص پر

علیہ الموت یطرق اویغادی موت صبح یا شام نازل ہوتی ہے۔

وکل ذخیرۃ لا بد یوما ہر ایک ذخیرہ کیلئے خواہ کیسا ہی بچا کر رکھا ہو ضروری

وان بقیت تصیر الی نفاذ ہے کہ ایک روز صرف میں آئے۔

ول فودیت من حدث اللیالی

اگر تجھ پر گردش دہر سے کوئی مصیبت آئے تو میں

فدیتک بالطریف و بالتلاد

تجھ پر اپنا نیا پرانا اندوختہ فدا کر دوں گا۔

یاسر اس قدر سنکر کمرے کے اندر داخل ہوا۔ جعفر نے اسے دیکھ کر کہا کہ

یاسر! میں تمہارے آنے سے خوش ہوا۔ لیکن بلا اجازت اندر آنے سے ناراض بھی ہوں۔

یاسر نے کہا مصیبت اس سے بھی بڑھ کر آئی ہے۔ مجھے امیر المؤمنین کا حکم ہے کہ آپ کا

سر کاٹ کر اسی وقت پیش کروں۔ جعفر وزیر خادم کے قدموں پر گر پڑا۔ کہا مجھے اجازت

دو کہ میں اندر جا کر وصیت کر آؤں۔ غلام نے کہا کہ اندر جانے کی تو میں اجازت نہیں

دے سکتا البتہ وصیت آپ کر سکتے ہیں۔ جعفر نے کہا میرے بہت سے احسانات تجھ پر

ہیں اور ان کا معاوضہ تم اسی وقت دے سکتے ہو۔ یاسر نے کہا کہ میں ہر ایک خدمت کیلئے

حاضر ہوں مگر امیر المومنین کے حکم کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ کہا تم لوٹ جاؤ اور کہہ دو کہ قتل کر آیا۔ اگر خلیفہ یہ سن کر پشیمان ہو اتب گویا میری زندگی تیرے طفیل ہوگی۔ یاسر نے کہا میں واپس نہیں جاسکتا۔ جعفر نے کہا اچھا میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ اور پس پردہ ٹھہر جاؤنگا۔ اور اپنے کانوں سے خلیفہ کا کلام سنونگا۔ اگر اس نے میرے قتل پر مسرت کا اظہار کیا تو تم باہر نکل کر قتل کر دینا۔ یاسر نے کہا البتہ یہ ہو سکتا ہے۔ آخر دونوں محل تک گئے۔ رشید نے آہٹ پا کر پوچھا کون۔ کہا یاسر۔ کہا ساتھ کون ہے کہا حضور جعفر ہے اور یہ کہ کر ساتھ آیا ہے۔ رشید نے ماں کی گالی دیکر کہا کہ قتل کرتا ہے؟ یا تجھے بھی اس سے پہلے قتل کروں۔ یاسر نے باہر آکر جعفر کا سر کاٹ لیا اور سامنے جا کر رشید کے رکھ دیا۔ سر بریدہ کو دیکھ کر رشید نہایت مغموم ہو اور دیر تک ساکت رہا۔ آخر یو لایاسر! فلاں فلاں شخص کو بلاؤ۔ جب وہ آگئے تو حکم دیا کہ یاسر کی گردن اڑا دو۔ مجھ سے جعفر کا قاتل دیکھانہ جائیگا۔ کہتے ہیں جس شب کو جعفر موضع انبار میں قتل کیا گیا ہے اس کی صبح کو خراسان میں علی بن عیسیٰ گورنر کے محل پر موٹے قلم سے یہ اشتہار لکھے ہوئے دیکھے گئے۔

ان المساکین بنی برمک صب علیہم غیرا الدھر  
مسکین برامہ پر غضب نے جوش کھایا اور زمانہ بدل گیا۔

ان لنا فی امر ہم عبرة فلیعتبر ساکن ذال قصر  
ہم کو ان کے حالات کا سبق ملتا ہے اس محل میں رہنے والوں کو بھی عبرت حاصل کرنی چاہیے۔

سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہم نے جو حدیث کے بزرگ ترین حفاظ میں سے ہیں۔ جب جعفر اور برامہ کا یہ انجام سنا تو اپنا چہرہ قبلہ رخ کر کے یوں دعا فرمائی اللہم انہ کامن قد کفائی موفیة الدنيا فاکفه الاخرة۔ الہی جعفر میری دنیوی ضروریات کو پورا کرتا تھا تو اس کی ضروریات آخرت کو پورا کر دے۔

ان کی مصیبت پر جس کثرت کے ساتھ نوحہ و بکا ہوا۔ مرثیے اور قصیدے لکھے گئے، وہ قیاس و وہم سے بالاتر ہیں مرثیہ لکھنے کے جرم میں پسیوں شاعر قتل و قید ہوئے سینکڑوں وطن سے بے وطن کئے گئے۔ تاہم نمک خوردہ اور احسان پروردہ باز نہیں آتے تھے۔ یہ کہنا ذرہ بھی مبالغہ نہیں کہ زندگی میں برآمدہ کے سامنے اتنے قصائد پیش نہیں ہوئے تھے جتنے مصیبت کے بعد لکھے گئے۔

رقاشی شاعر نے پرورد مرثیہ کے آخر میں لکھا۔

اما واللہ لولا خوف و ایش خدا کی قسم اگر مخبر کی مخبری اور خلیفہ کی چشم بیدرد کا  
اعین للخلیفة لاتنام خوف نہ ہوتا۔  
لطفنا حول جذعک و استملنا تو ہم تیری لاش کے گرد طواف کرتے اور حجر اسود کی  
کمال للناس بالحجر استلام طرح تجھ کو چوما کرتے۔

محمد بن عنان کہتا ہے کہ میں نے ایک روز عید کے دن اپنی والدہ کے پاس ایک بڑھیا دیکھی جس کی حالت بہت خراب تھی۔ میں نے پوچھا ما جان یہ کون ہے کہا۔ جعفر برکی کی والدہ میں نے ادب سے سلام کیا۔ پاس بیٹھ گیا۔ پوچھا مائی صاحبہ کوئی بات سناؤ۔ کہا بیٹا ایک عید تو میں نے ایسی دیکھی کہ چار سولونڈیاں خاص میری خدمت میں دست بستہ حاضر ہیں بااں ہمہ میں سمجھی تھی کہ میرے بیٹے بڑے نالائق ہیں۔ اور ایک آج کی عید ہے۔ بحرے کی دو کھالیں میرے پاس ہیں۔ ایک کو نیچے پچھالیتی ہوں اور ایک کو اوڑھ لیتی ہوں۔ میں نے پانچ سو درہم اس کو دیئے۔ انہیں لیکر وہ ایسی خوش ہوئی کہ گویا خوشی کے مارے مر جاوے گی۔ حالانکہ کبھی کروڑوں کا اس کے سامنے شمار نہ تھا۔



## یحییٰ بن خالد برمکی

یحییٰ مہدی کے زمانہ میں ایک معتمد افسر تھا۔ مہدی نے اپنے بیٹے ہارون کی تربیت اسی کے متعلق کر دی تھی۔ جب کہ ہارون خلیفہ ہوا تو اس نے یحییٰ کی خدمات کا ان الفاظ میں اعتراف کیا۔ باوا جان آپکے ہی یمن و برکت اور عمدہ تربیت کی طفیل آج میں تخت پر متمکن ہوں۔ میں آپ کو مدار المہام مقرر کرتا ہوں۔ جس کے ہر طرح سے آپ مستحق اور لائق ہیں یہ کہہ کر اپنی خاتم خاص یحییٰ کے ہاتھ میں پہنادی۔ ندیم موصلی کہتا ہے۔

الم تر ان الشمس کانت سقیمۃ  
فلما ولی ہارون اشرق نورھا  
یمین امین اللہ ہارون ذی التلامۃ  
فہارون و الیہا و یحییٰ زیرھا  
ہارون ہمیشہ اس کی تعظیم کیا کرتا اور باوا جان کہا کرتا تھا مگر آخر میں اسے قید کر دیا اور قید ہی میں یہ بے چارہ مرا۔

مسعودی کہتا ہے کہ یحییٰ کے چاروں فرزند اگرچہ اعلیٰ اوصاف میں نہایت نامی ہوئے ہیں تاہم مجموعہً بھی اپنے باپ کے جداگانہ اوصاف کی برابری نہ کر سکتے تھے۔ نہ فضل میں وہ سخاوت تھی نہ جعفر میں وہ فصاحت۔ نہ محمد میں وہ برترین ہمت اور نہ موسیٰ میں وہ تہور و شجاعت۔ یحییٰ کا قول ہے کہ تین چیزوں سے اس کے بھجنے والے کی عقل و دانائی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ (۱) خط (۲) تحفہ (۳) قاصد۔

ندیم موصلی کہتا ہے کہ میرے والد نے مجھے سنایا کہ میں نے ایک دفعہ یحییٰ

بر مکی سے اپنی تنگ دستی کا ذکر کیا۔ وہ بولا افسوس ہے، کہ میں اس وقت کچھ امداد نہیں کر سکتا۔ کیونکہ میرے پاس بھی کچھ نہیں۔ ہاں ایک حیلہ بتاتا ہوں۔ ابھی تھوڑی دیر ہوئی کہ گورنر مصر کا نائب میرے پاس آیا تھا اور بڑی زور آور التجا سے مجھے کوئی ہدیہ قبول کرنے کیلئے کہتا تھا۔ اب میں اسے کہہ دوں گا کہ تمہارے پاس جو لونڈی تین ہزار دینار کی خرید ہے وہ مجھ کو پسند آگئی ہے۔ لامحالہ وہ تمہارے پاس پہنچے گا اور لونڈی کو خریدنا چاہے گا۔ تم تیس ہزار دینار سے کم پر راضی نہ ہونا۔ میں اپنے گھر چلا آیا اور چند گھنٹے کے بعد ایک شخص کنیز کی خریداری کیلئے پہنچا۔ میں تیس ہزار سے نیچے نہ اترتا تھا اور وہ پانچ سے شروع ہو کر رقم کو آہستہ آہستہ بڑھاتا جاتا تھا۔ جب بیس ہزار تک نوبت پہنچی تو میں صبر نہ کر سکا اور لونڈی کو اس کے ہمراہ کر دیا۔ میں اس معاملہ کے بعد یحییٰ کی خدمت میں گیا۔ اس نے مجھ سے حال پوچھا۔ میں نے کہا کہ بیس ہزار دینار سے زیادہ میں صبر نہ کر سکا۔ اس نے کہا افسوس۔ خیر تم اپنی لونڈی کو اپنے گھر لیجاؤ۔ خدا تمہیں برکت دے میرے پاس شاہ فارس کا معتمد آئیگا اور میں اسے بھی اسی کنیز کا ہدیہ قبول کرنے کو کہوں گا پس تم اس کے سامنے پچاس ہزار دینار سے کم نہ اترنا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک شخص آیا اور کنیز کی خریداری کا سوال کیا۔ میں پچاس ہزار سے کم نہ اترتا تھا۔ لیکن گفتگو ہوتے ہوتے جب خریدار تیس ہزار پر پہنچا تو میرا دل نہ رہ سکا۔ میں نے کنیز کو اسکے ہاتھ پیچ دیا۔ جب میں یحییٰ کے پاس پہنچا اور اسے حال سنایا تو اس نے کہا کہ ایک دفعہ کے بعد بھی تم کو عقل نہ آئی۔ خیر اپنی کنیز کو لیجاؤ۔ میں نے کنیز سے کہا کہ تیری طفیل پچاس ہزار دینار پا کر اب تجھے میں لونڈی نہیں رکھ سکتا۔ بلکہ تجھے آزاد کرتا ہوں۔ اپنی زوجہ بناتا ہوں۔

اصمعی کہتے ہیں کہ میں ایک روز یحییٰ کے پاس گیا۔ پوچھا اصمعی تیری بیوی بھی ہے، میں نے کہا نہیں۔ کہا کنیز بھی ہے میں نے کہا نہیں۔ ایک خادمہ ہے۔ یہ سن کر

ایک نہایت ہی حسین و ظریف لونڈی کو طلب کیا اور مجھے بخش دیا۔ میں نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ مگر لونڈی سٹ پٹائی۔ کہا حضور مجھے ایسے کر یہہ المنظر بدرو شخص کو دیتے ہیں میرے حال پر رحم کریں یحییٰ نے مجھے کہا کہ اگر تم کو اس کے عوض دو ہزار دینار دیئے جائیں تو تم خوش ہو سکتے ہو؟ میں نے کہا ہاں۔ لونڈی سے کہا اچھا اندر جاؤ۔ پس مجھے مخاطب کر کے کہا کہ میں اس کی ایک حرکت سے ناراض ہو گیا تھا اور اسے سزا دینا چاہتا تھا مگر اس کی گریہ و زاری پر رحم آگیا اور اسے معاف کر دیا۔ میں نے کہا کہ اگر حضور مجھے پہلے سے بتا دیتے تو میں کپڑے بدل کر بالوں میں کنگھی اور خوشبو لگا کر اس کے سامنے ہوتا تاکہ وہ مجھ سے نفرت نہ کرتی۔ یحییٰ اس پر ہنس پڑا اور مجھے ایک ہزار دینار اور عنایت فرمایا۔

اسحق ندیم کہتا ہے کہ یحییٰ کا قاعدہ یہ تھا کہ جب گھر سے سوار ہو کر خلیفہ کی خدمت میں جایا کرتا تو جو شخص اسے پہلے مل جاتا اسے دو سو روپیہ انعام میں دیا کرتا تھا۔ ایک دفعہ اسے ادیب شاعر مل گیا اور اس نے یہ اشعار پڑھ کر سنائے :

یاسمی الحضور یحییٰ اتحیت      لک من فضل ربنا جنتان

کل من مرفی الطریق علیکم      فله من نور لکم مایتان

مائتا درہم لمثلہ قلیل      ہی منکم للقباس العجلان

”اے یحییٰ نبی حضور علیہ السلام کے ہمنام (خوف خدا کی وجہ سے) خدا نے

تیرے لئے جنتان کو تحیہ بنا رکھا ہے۔ تمہارا طریق ہے کہ سامنے آجانے والے شخص کو دو

سو روپیہ دیا کرتے ہو مگر یہ تو شتاب ردد ریوزہ گر کا عطیہ ہے اور میرے لئے ناکافی“

یحییٰ نے کہا سچ کہتے ہو۔ تم میرے مکان پر چلو۔ جب لوٹ کر یحییٰ مکان پر

پہنچا تو اس سے حال دریافت کیا۔ کہا میں نے شادی کی ہے اور تین میں سے ایک بات

کیلئے مجھے سردست فکر ہے۔ یا چار ہزار روپیہ مہر کا ادا کروں۔ یا اس کی خدمت کیلئے

تا ادائے مہر ایک لوٹھی چھوڑ دوں۔ یا طلاق دوں۔ یحییٰ نے اسے چار ہزار روپیہ مہر کیلئے چار ہزار مکان کے لئے، چار ہزار ضروری اسباب کیلئے، چار ہزار مصارف متفرقہ کے لئے اور چار ہزار روپیہ لوٹھی غلام کی خریداری کیلئے (کل پیس ہزار) عنایت کیئے۔

محمد بن مناویر شاعر کہتا ہے کہ ہاروں رشید مع اپنے دو شہزادوں امین اور مامون کے حج کیلئے گیا۔ یحییٰ بھی مع اپنے دو فرزندوں فضل اور جعفر کے ہمراہ تھا۔ پہلے تو ہاروں نے مع یحییٰ کے لوگوں کو عطیات دیئے۔ پھر امین نے مع فضل کے لوگوں کو مال مال کیا حتیٰ کہ عرب میں اس سال کا نام ہی عام الا عطیۃ الثلاثہ ہو گیا۔ میں نے اس پر چند اشعار لکھے۔

اتانا بنوالا ملاک من ارض برمک  
سر زمین برمک میں سے چند شاہزادے یہاں پہنچے  
فیاطیب اخبار باحسن منظر  
جنکی شہرت بھی پاکیزہ ہے اور چہرہ بھی خوشنما۔  
فتظلمہ بغدا دو تجلو لنا الدجی  
بغداد میں اندھیرا پڑ گیا اور یہاں کی تاریکی اٹھ گئی جبکہ  
بمکہ ما حجواثلاثة قمر  
مکہ میں حج کیلئے تین چاند آگئے۔  
اذا ترلوا بطحا مکة اشرفت  
جب وہ اترے تو مکہ کی تمام پہاڑیاں یحییٰ اور فضل اور  
بیحییٰ و بالفضل بن یحییٰ و جعفر  
جعفر کے نور سے روشن ہو گئیں۔

خطیب نے اپنی تاریخ میں واقدی نامی شخص کا قصہ درج کیا ہے کہ میں ایک لاکھ روپیہ کے ساتھ بیوپار کیا کرتا تھا۔ یکبارگی خسارہ آنے سے میرا دیوالیہ نکل گیا۔ میں مدینہ منورہ سے بغداد پہنچا اور چند روز کی آمدورفت سے یحییٰ کے خدام و نواب سے گھل مل گیا۔ انہوں نے مجھے بتلایا کہ جب دسترخوان پھٹتا ہے تو کسی آدمی کیلئے اس وقت روک نہیں رہتی۔ تم اسی وقت جانا۔ چنانچہ میں دسترخوان پر ہی پہنچا۔ یحییٰ نے میرا حال دریافت کیا اور میں نے سب کچھ سنا دیا۔ وہ سن کر خاموش رہا۔ کھانا کھانے کے بعد میں آگے بڑھا کہ اس کے سر پر یوسہ دوں مگر مجھے روک دیا۔ جب میں وہاں سے باہر نکلا تو



سوار ہونے سے پہلے ہزار دینار کی تھیلی لیکر خادم میرے پاس آیا۔ کہا وزیر نے سلام کے بعد کہا ہے کہ اس سے تم اپنی ضروریات کو پورا کرو اور کل کو پھر آؤ۔ اگلے روز پھر میری حالت دریافت کی۔ کھانا کھانے کے بعد جب میں اس کے سر پر بوسہ دینے کو بڑھا تو مجھے روک دیا۔ جب میں وہاں سے نکل کر سوار ہونے لگا تو ہزار دینار کی ایک تھیلی لیکر خادم آیا۔ اور کہا وزیر نے کہا ہے کہ کل کو پھر تشریف لائیں۔ غرض تیسرے روز بھی مجھے ایک ہزار دینار ملے اور چوتھے روز بھی۔ تب مجھے سر پر بوسہ دینے کی بھی اجازت عطا فرمائی پھر کہا کہ میں نے تین روز تک تم کو اس لئے ہٹایا تھا کہ میری جانب سے کوئی ایسا سلوک نہ ہوا تھا۔ اب چونکہ تھوڑا بہت تمہارے پاس پہنچ گیا ہے۔ اس لئے میں نے اجازت دیدی ہے۔ اے غلام فلاں گھر رہنے کیلئے اور فلاں فرش پچھانے کیلئے ان کو دیدو۔ نیز دو لاکھ کا قرض ادا کر کے ایک لاکھ سے پھر اپنی حالت کو درست بنا لیں۔ ایک روز ابو قابوس 'حمیری کے پاس آیا اور یہ شعر پڑھ کر سنائے :

رائت یحییٰ اتم اللہ تعمتہ میں نے یحییٰ کو دیکھا کہ خدا نے اس پر نعمت کو پورا کر  
 علیہ یوتی الذی لم یوتہ احد دیا ہے اور اسے وہ کچھ دیا ہے جو کسی کو نہیں دیا۔  
 ینسے الذی من معروفہ ابد (اس میں حضرت سلیمان کی دعا کی طرف تلمیح ہے) اپنے کئے  
 الی الرجال ولا ینسی الذی بعد ہوئے احسانات کو تو بھول جاتا ہے مگر اپنے وعدہ کو کبھی نہیں بھولتا۔  
 یحییٰ نے سکر جو کچھ اس نے مانگا وہی دیا۔

حسن بن سہل کہتا ہے کہ یحییٰ کے کاتب نے اپنے فرزند کے غسل ختنہ کا جلسہ کیا۔ تمام عمدہ داروں و افسروں اور عمائد و اراکین نے اس کے پاس قیمتی تحائف بھیجے۔ اس کا ایک دوست تنگ دست تھا اس نے ایک تھیلی میں نمک اور دوسری میں خوشبودار اہنا ڈالا اور رقعہ کے ساتھ بھیج دیا۔ یحییٰ جب اس کے مکان پر دعوت کھانے گیا تو کاتب نے تمام تحائف اسے دکھلائے۔ یحییٰ نے وہ تھیلیاں دیکھ کر کہا کہ اسے دینار

کے ساتھ بھر کر واپس کرنا چاہیے۔ ان میں چار ہزار دینار آئے اور وہ اس پر جوش دوست کے پاس بھج دیئے گئے۔

ایک دفعہ ایک شخص نے اسے کہا کہ آپ احنف بن قیس سے بھی بردبار ہیں۔ یحییٰ نے کہا کہ جس وصف کا میں مستحق نہیں اسے سکر کبھی قرب نہیں بڑھ سکتا۔ اس کا مقولہ تھا کہ جب دنیا تیری طرف متوجہ ہو تب بھی خرچ کر کیونکہ وہ کم نہ ہوگی۔ اور جب دنیا تم سے منہ پھیر لے تب بھی خرچ کر کیونکہ اب وہ تیرے پاس نہ ٹھیرے گی۔ کہا کرتا تھا کہ منعم اگر اپنے احسان کو یاد دلائے تو کدورت کا باعث ہے لیکن اگر منعم علیہ اسے فراموش کر دے تو صریح کفر و تقصیر ہے۔

ایک دفعہ اسحاق موصلی نے اپنے خدام کو پکارا۔ کوئی نہ بولا۔ کہا یحییٰ برکلی سچ کہتا ہے کہ بردبار کی بردباری کا ثبوت یہ ہے کہ اس کے خدام گستاخ ہوتے ہیں۔

ایک دفعہ ہارون رشید جا رہا تھا۔ یحییٰ ہم رکاب تھا۔ کسی نے کہا کہ اے امیر المومنین میرا گھوڑا مر گیا۔ ہارون نے کہا سے پانچ سو درہم دلا دیجئے۔ یحییٰ کے چہرہ پر حکم سکر ایک تغیر معلوم ہوا جسے ہارون بھی پہچان گیا۔ محل میں جا کر یحییٰ سے اس تغیر رنگ کی وجہ پوچھی۔ کہا حضور کی زبان سے پانچ سو درہم کا نکلنا تعجب اور حقارت کا موجب ہے آپ کی زبان سے پانچ کروڑ نکلنا چاہیے۔ ہارون نے کہا کہ جب ایسا سوال کوئی شخص کرے جیسا آج گھوڑے والے نے کیا تھا۔ تب کیا کروں۔ کہا کہہ دیا کرو کہ گھوڑا دلا دو۔ غرض اس شخص کی سخاوت اور عطیہ کی حکایات جو ہمارے اس زمانہ میں داستان سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں بہت ہیں۔ قید کے متعلق جعفر کے حال میں لکھا جا چکا ہے۔ اسی حالت میں ہی مرگ مفاجات سے وفات پائی۔ مرنے کے بعد اس کی جیب سے ایک پرچہ نکلا۔ جو ہارون رشید کے پاس پہنچایا گیا۔ جس پر لکھا تھا۔ کہ مدعی عدالت میں حاضر ہوتا ہے اور مدعا علیہ بھی اس کے پیچھے پیچھے ہے۔ حاکم نہایت عادل و منصف

ہے اور شہادت یا ثبوت کی ضرورت نہیں۔ ہارون رشید پڑھ کر تمام دن روتا رہا اور چند روز تک اس کے چہرے پر رنج نمایاں تھا۔ کہا اگر مجھے برامکہ کی صفائی نیت کا یقین ہو جاتا تو میں ان کی پہلی شان و شوکت پر ان کو بحال کر دیتا ز مٹھنری کہتا ہے کہ مرنے کے بعد یچی کے بستر کے نیچے ایک کاغذ ملا۔ جس پر یہ اشعار درج تھے

و حق الله ان انظم لومه و ان الظلم مرتعة و خیم

الی دیان یوم الدین غضنے و عند الله تجتمع الخصوم

قارئین! یچی کے حال سے عبرت پکڑو اور خیال کرو کہ وہ اسلامی شوکت کہ ایک اسلامی سلطنت کا وزیر لاکھوں روپے کے عطیات متواتر اور مسلسل دیا کرتا تھا کدھر گئی۔ برامکہ کے احسان پروردہ اس کی نعمتوں کو یاد کر کے روتے ہوئے اور ہم محسن اور محسن الیہ کو یاد کر کے حسرت کرتے ہیں۔ خداوند کریم اہل اسلام پر رحمت فرمائے اور اس نکبت و ادبار قومی سے جو روز بروز ترقی پذیر ہے ہم کو نجات بخشے۔



## یحییٰ بن ہبیرہ وزیر

یحییٰ بن ہبیرہ نام 'عمون الدین لقب۔ عراق کے ایک گاؤں میں سپاہی کے گھر پیدا ہوا۔ صغر سنی میں ہی بغداد میں باپ کے پاس آ رہا اور علم کی تحصیل میں سرگرمی کے ساتھ مصروف ہو گیا۔ فقہاء اور ادباء کی خدمت میں بیٹھتا رہا۔ نحو اور ایام العرب اور تاریخ علم قرأت اور حدیث و ادب میں عمدہ دستگاہ رکھتا تھا۔ مسلم بلغ و فصیح اساتذہ کے اشعار و فقرات ازبر تھے۔ ادب ابو منصور جو اسیتقی اور حدیث پاک اجیبانی و بہتہ اللہ کاتب اور حسین بن محمد قراء سے حاصل کی تھی۔ اس کی فضیلت کا اندازہ کرنے کیلئے یہی خیال کرو کہ ابن جوزی نے اس سے روایت کی ہے۔

ابن ہبیرہ نے اپنی ملازمت اور ترقی کے متعلق عجیب قصہ بیان کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں نہایت تنگدست ہو گیا۔ میں نے سنا ہے کہ معروف کرخی کی قبر پر دعا ہوتی ہے۔ میں گیا اور دعا کر کے واپس آتا تھا کہ ایک ٹوٹی پھوٹی مسجد مجھے مل گئی۔ میں نے دل میں کہا کہ یہاں دو گانہ بھی پڑھ چلوں۔ وہاں گیا تو دیکھا کہ ایک فقیر حالت نزع میں ہے۔ میں نے کہا اگر کسی چیز کو دل چاہتا ہو تو بتلاؤ۔ کہا خر بوزہ کو دل چاہتا ہے۔ میں بازار گیا اور خر بوزہ خرید کر لے آیا۔ فقیر نے کھایا اور بہت خوش ہوا۔ پھر گھسٹتا ہوا مسجد کے ایک گوشہ میں پہنچا اور اسے کھود کر ایک برتن نکالا۔ جس میں پانچ سو دینار تھے۔ مجھے دیکھ کر کنا کہ اس کا مستحق تو ہی ہے۔ میں نے پوچھا کہ تیرا کوئی وارث نہیں۔ کہا ایک بھائی تھا۔ لیکن برسوں سے اسکا کچھ پتہ نہیں۔ میں نے ایک دفعہ سنا تھا کہ وہ

مر گیا۔ میں رصافہ کا باشندہ ہوں۔ وہاں سے جدا ہونے کے بعد میں نے بھائی کو نہیں دیکھا۔

ابن ہبیرہ کہتا ہے کہ میں نے روپے لے لئے۔ اور وہ میرے کھڑے کھڑے ہی جان بحق ہو گیا۔ میں نے تجہینز و تکفین کرائی اور فارغ ہو کر دجلہ سے پر لے کنارہ جانے کیلئے گھاٹ پر پہنچا۔ ایک شکستہ حال ملاح نے مجھے کہا کہ میرے ساتھ چلئے۔ میں اسی کی کشتی میں بیٹھ گیا۔ میں نے پوچھا تم کہاں سے ہو۔ کہا رصافہ سے۔ لڑکپن میں ہی یہاں آیا تھا اور یہیں آکر ہوش سنبھالا ہے۔ میں نے پوچھا تیرا کوئی رشتہ دار نہیں۔ بولا نہیں۔ ایک بھائی تھا مگر سالہا سال سے اس کا کچھ پتہ نہیں۔ میں نے کہا اپنا دامن پھیلاؤ۔ اس نے دامن پھیلا دیا اور میں نے پانچ سو دینار اس کے پلہ میں ڈال دیئے۔ وہ ششدر رہ گیا۔ پوچھا یہ کیسے۔ میں نے تمام قصہ اسے سنا دیا۔ ملاح نے کہا نصف تم لے لو میں نے انکار کر دیا۔ وہاں سے آکر میں نے امیدواری کی عرضی پیش کی۔ پیش ہوتے ہی خزانچی مقرر کیا گیا۔ حتیٰ کہ آہستہ آہستہ ترقی پاتا ہوا وزارت تک پہنچ گیا ہوں۔

ابن ہبیرہ کے وزیر بنائے جانے کے متعلق اس کی سوانح عمری لکھنے والے نے یہ تحریر کیا ہے کہ بغداد میں سلطان محمود سلجوقی کی طرف سے بطور نیابت مسعود خادم رہا کرتا تھا۔ (اس وقت خلیفہ بغداد کی وہی حالت تھی جو شاہ عالم کی تھی دہلی میں جو سندھیا اور آنریبل کمپنی کو اپنے وزیر کہا کرتا تھا) مسعود خادم کے گستاخانہ طریق اور شوخانہ انداز اور اندرونی سازشانہ کاروائیوں کے متعلق خلیفہ کی جانب سے چند مراسلے سلطان کو لکھے گئے۔ مگر ادھر سے کچھ جواب نہ آیا۔ مراسلات کا کاتب وزیر قوام الدین ابو القاسم تھا۔

ایک دفعہ ہبیرہ نے مراسلہ کا مسودہ تیار کیا اور اس میں سلطان کے آباد اجداد کی حسن طاعت اور تادب اور تعظیم خلفاء کا ذکر کرتے ہوئے مراسلات کا جواب نہ

دینے اور مسعود کی ناقابل برداشت حرکات کے ترقی پذیر ہونے کا ذکر کیا۔ اس مراسلہ کا جواب بہت جلد آیا جس میں سلطان نے مودبانہ الفاظ میں عذرو معافی کا اظہار کر کے لکھا تھا کہ مسعود کی کاروائیوں کا مجھے علم نہیں تھا اور اب اسے سختی کے ساتھ روک دیا گیا ہے۔

خلیفہ متقی باللہ کو اس جواب سے نہایت مسرت ہوئی اور اس روز سے ابن ہبیرہ کی قدر و وقعت اس کے دل میں زیادہ ہوتی گئی۔ حتیٰ کہ فرمان خاص اس کی وزارت کیلئے صادر ہوا۔ ابن ہبیرہ نے اس خبر کو افواہاً سنا اور تصدیق کیلئے ایوان کی جانب خود روانہ ہوا۔ وہاں پہنچ کر نہ صرف خبر کی ہی تصدیق ہوئی بلکہ خلیفہ نے باضابطہ تخت پر جلوس آور ہو کر اسے طلب کیا اور چند ساعت تک کچھ خفیہ گفتگو کرنے کے بعد رخصت کیا۔ ایوان شاہی کے دروازہ پر وہ تمام جلوس شاہی جو وزیر اعظم کے تقرر پر مرتب ہوا کرتا تھا موجود تھا۔ سواری کیلئے مشکلی گھوڑا جس کے چاروں پاؤں اور چہرہ سفید تھا سونے کے زیورات سے آراستہ موجود تھا۔ اعیان دولت اور امراء حضرات آگے آگے اور دیگر تمام عمدہ دارملکی و مالی پیچھے پیچھے تھے۔ نقارہ و علم پیش پیش تھا۔ اس جلوس کے ساتھ مسند وزارت پر متمکن کیا گیا اور فرمان تقرر سدید الدملہ عبدالکریم انباری نے پڑھ کر سنایا۔

ابن ہبیرہ عالم و فاضل تھا۔ رائے صائب اور سیرت صالح رکھتا تھا۔ اپنے عہد وزارت میں ایسی عمدگی اور خوبی کے ساتھ کاروبار چلایا کہ بالعموم عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اہل علم کی نہایت تکریم کیا کرتا اور اپنی مجلس کو اہل فضل و کمال سے آراستہ رکھتا۔ اس کی حضوری افادہ اور استفادہ سے خالی نہ ہوتی تھی۔ دفتر کے کاروبار سے فرصت ہوتی تو تصنیف بھی کیا کرتا۔

کتاب الافصاح عن شرح معانی الصحاح نو جلدوں کی کتاب ہے جس میں صحیحین کی متفقہ احادیث کی شرح لکھی ہے۔ کتاب مقصد جس کی شرح ابن خشاب نے

چار جلدوں میں لکھی ہے۔ کتاب العبادات فقہ حنبلیہ پر ایک رسالہ علم الخط پر ایک رسالہ مقصود و ممدود پر لکھا۔ نیز ابن سکیت کی کتاب المنطق کو مختصر کیا۔

ایک دفعہ اس وزیر کے پاس کسی نے بلور کی دوات جو مرجان سے مرصع تھی تحفہ بھیجی۔ چند شعراء بھی حاضر تھے۔ ابن ہبیرہ نے کہا کہ کچھ اس پر لکھو۔ ایک شاعر نے جو نابینا تھا یہ قطعہ پڑھا۔

الین لداوڈ الحدید کرامة یقدرہ فی السرد کیف یرید

ولان لک البلور وہی حجارة و معطفہ صعب المرام شدید

یعنی حضرت داؤد کے ہاتھ میں لوہا نرم ہو جاتا تھا۔ اور تمہارے ہاتھ میں بلور

جو پتھر ہے نرم ہو گیا ہے۔ پتھر کا نرم کرنا مشکل امر تھا۔

جیسا بیس مشہور شاعر بھی موجود تھا۔ وہ بولا کہ دوات کے کاریگر کی تعریف تو اس

قطعہ سے ضرور نکلتی ہے مگر دوات کی تعریف کچھ نہیں۔ وزیر نے کہا۔ اچھا تم کہو۔ وہ بولا:

صنعت من یومیک فاشتبہا علی الا نام ببلور و مرجان

فیوم سلمک مبیض بفیض یدے و یوم حربک قان بالدم القانی

یہ دوات تیرے دودنوں کے مجموعہ سے بنائی گئی ہے اس لئے سب کو بلور اور

مرجان کے مشابہ نظر آتی ہے۔ تیزی صلح کا دن تو (سیم پاشی کی وجہ سے) سفید ہے اور

یوم جنگ (خونریزی کی وجہ سے) سرخ۔

شیخ ابو الفرح اپنی تاریخ منتظم میں لکھتا ہے کہ ابن ہبیرہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے

شہادت کا سوال کیا کرتا تھا۔ مرنے سے ایک شب پہلے تک بالکل صحیح سالم تھا۔ رات کو

آرام سے سویا۔ صبح کی وقت ایک قے آئی۔ اپنے مشیر طبیبی کو بلایا۔ اس نے دواء میں رہر ملا

کر پلا دی جس کے اثر سے ابن ہبیرہ مر گیا۔

یہ مورخ لکھتا ہے کہ جس رات کی صبح کو ابن ہبیرہ مرا ہے، میں نے

خواب میں دیکھا کہ میں مرحوم کے گھر میں اس کے سامنے موجود ہوں۔ اتنے میں ایک شخص آیا۔ اور اس نے چھوٹے سے حربہ سے وزیر کو زخمی کیا۔ زخم سے فوارہ کی طرح خون نکلا اور دیوار پر جا کر گرا میں نے چاہا کہ وزیر کو سنبھالوں۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک قیمتی انگشتری گری پڑی ہے۔ میں نے اٹھالی اور انتظار میں رہا کہ کسی کو دوں۔ ایک خادم آگیا اس کے حوالہ کر دی صبح اٹھ کر میں یہ خواب ایک دوست کے سامنے بیان کر رہا تھا کہ اتنے میں ایک آدمی نے آکر اطلاع دی کہ وزیر مر گیا۔ میں مرحوم کے مکان پر گیا۔ ان کے فرزند نے مجھے غسل دینے کو کہا۔ جب میں نے بغل تک پانی پہنچانے کیلئے ہاتھ اٹھایا تو مرحوم کے ہاتھ سے انگشتری گر گئی۔ مجھے اپنے خواب واقع کی اشد مطابقت سے نہایت حیرت ہوئی۔ یہی مورخ لکھتا ہے کہ مرحوم کے ماتم میں تمام بازار بند ہو گئے تھے اور خلیفہ سے لیکر ہر ادنیٰ شخص کو اس صالح مرد کے انتقال کا افسوس تھا۔

قارئین! اس وزیر کے حالات سے مختصر طور پر دیانت و امانت کا قیمتی سبق حاصل کریں اور زباندانی و انشاء نگاری کو عزت و توقیر حاصل کر نیکا مجرب نسخہ تصور فرمادیں۔ رویائے صادقہ کا فطرت انسانی کے بہت سے تہی رازوں میں سے ایک ہونا بھی اس سیرت سے واضح ہوتا ہے۔





## معن بن زائدہ شیبانی

حاتم طائی کے بعد یہ دوسرا شخص ہے جو عرب بلکہ اسلام میں جو دو کرم کیلئے ضرب المثل ہوا۔ اس کو حاتم کے ساتھ نہ صرف سخاوت میں ہی تشبیہ ہے بلکہ شجاعت و مردانگی، طاقت و فرزانگی، فصاحت و بلاغت اور شاعری میں بھی۔ لیکن حاتم کی طرح ان جملہ اوصاف کمال پر سخاوت ہی غالب رہی اور اسی کے ساتھ زیادہ تر اس کو شہرت ہوئی۔

معن جو اپنے قبیلہ کا سردار تھا، شروع شروع میں یزید بن عمر فزاری امیر عراقین کا مصاحب تھا۔ منصور عباسی کی نبرد آزمائی میں معن نے یزید کا پورا پورا ساتھ دیا لیکن جب یزید کو فریب آمیز صلح کے بعد قتل کر دیا گیا تو معن خوفزدہ ہو کر مخفی ہو گیا۔ منصور نے اس کی گرفتاری کے اشتہار جاری کر دیئے اور انعام بھی مقرر کیا۔ معن کا بیان ہے کہ میں اپنی جان کے خوف سے ادھر ادھر مارا پھرتا تھا۔ دھوپ میں چلنے سے رنگ سیاہ ہو گیا تھا۔ اور بدن روزانہ تکا پوسے سوکھ گیا۔ ایک روز میں بغداد میں رہ کر رات کو نکلا۔ دروازہ شہر سے نکلتے ہی میں نے دیکھا کہ ایک سپاہی بھی آتا ہے۔ جب ہم شہر سے کچھ فاصلے پر پہنچے تو اس حبشی مسلح سپاہی نے میرے اونٹ کی مہار آپکڑی۔ اونٹ کو بٹھلا کر مجھے بازو سے پکڑ لیا۔ میں نے پوچھا تو کون ہے اور مجھے کیوں پکڑتا ہے۔ کہا تو اشتہاری ہے اور امیر المومنین تیری تلاش میں ہیں۔ میں نے کہا توبہ کرو۔ مجھے سے امیر المومنین کی کیا غرض ہو سکتی ہے۔ اس نے کہا تو معن بن زائدہ ہے۔ میں نے کہا کہ کجا معن اور کجا میں بیچارہ غریب۔ سپاہی بولا خیر اس کی ضرورت نہیں۔ میں آپ کو آپ

سے بھی بڑھ کر جانتا ہوں۔ جب میں نے دیکھا کہ اب رہائی محال ہے تو میں نے کہا مجھے گرفتار کر لینے سے تمہیں انعام مشتہرہ کی توقع ہو سکتی ہے۔ لیکن میں تم کو ایسی چیز دے سکتا ہوں جو زر انعام سے کئی چند زیادہ قیمتی ہو۔ اس صورت میں مجھے گرفتار کرنے پر اصرار کرنا اور بلا وجہ میرے خون کا دشمن بننا کیا فائدہ۔ وہ یوں بہتر۔ میں نے جیب سے جواہرات کا کنٹھ نکالا اور اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ سپاہی نے دیکھ کر کہا کہ واقعی یہ بہت قیمتی اور عمدہ ہے۔ مگر میں اسے تب لے سکتا ہوں جب میری ایک بات کا صحیح صحیح جواب تم دو گے۔ میں نے کہا پوچھو۔ کہا تمہارے جو دو کرم کی دنیا بھر میں بہت بڑی شہرت ہو رہی ہے۔ سچ بتلانا کہ کبھی تم نے اپنا تمام سرمایہ بھی سا نکلیں کو دیا ہے۔ میں نے کہا نہیں۔ کہا نصف۔ تہائی۔ چوتھائی۔ پانچواں چھٹا حصہ؟ میں ہر دفعہ نہیں کہتا رہا۔ سپاہی دسویں حصہ تک پہنچا۔ اس وقت مجھے نہیں کہتے شرم آئی۔ میں نے کہا ہاں دیا ہے۔ سپاہی نے کہا دسواں حصہ دیدینا کچھ چیز نہیں۔ اور نہ چنداں قابل تعریف کہ اس کی سخاوت کی دھوم پڑ جائے۔ دیکھو میں ایک پیدل سپاہی ہوں اور بیس درہم ماہوار سے میری آمدنی زیادہ نہیں۔ مگر میں اس قیمتی گلوبند کو واپس کرتا اور تمہیں چھوڑتا ہوں۔ تم کو تمہاری سخاوت کی وجہ سے چھوڑتا ہوں۔ اس گلوبند کو اپنی عالی ظرفی سے واپس کرتا ہوں۔ تاکہ تم یاد رکھو کہ دنیا میں تم سے بڑھ کر سخی موجود ہیں۔ امید ہے کہ آئندہ تم اپنی سخاوتوں پر مغرور نہ رہو گے۔ اور بڑی بڑی رقموں کا دینا تم کو ناگوار نہ ہو کرے گا۔ یہ کہہ کر گلوبند پھینک دیا اور مجھے چھوڑ کر واپس چل دیا۔ میں نے کہا سپاہی تم نے تو مجھے خوب ذلیل کیا۔ اس سے تو مر جانا زیادہ آسان تھا۔ اب آپ مہربانی کر کے یہ گلوبند جس کی مجھے بھی ضرورت نہیں ضرور لیتے جائیں۔ یہ سنکر سپاہی ہنس پڑا۔ کہا خوب اب آپ چاہتے ہیں کہ مجھے جھوٹا بھی بنائیں۔ خدا میں اسے نہ لوں گا اور اپنے احسان کو قیمت پر فروخت نہ کروں گا۔ یہ کہہ کر چلا گیا۔ معن کہتا ہے کہ میں نے اس کے بعد اس کی بہت

ہی تلاش کرائی مگر کچھ بھی پتہ نہ لگا۔

معن کچھ عرصہ تک پوشیدہ رہ کر دن کاٹتا رہا۔ ہاشمیہ کی لڑائی میں منصور کا لشکر اہل خراسان کے سامنے سے بھاگ رہا تھا اور شکست فاش کی منحوس صورت منصور کو نظر آرہی تھی کہ میدان میں یکایک معن پہنچ گیا۔ اور اس نے اپنے گروہ کو لیکر اس جوانمردی اور بہادری کے ساتھ دشمن پر حملہ کیا کہ ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور منصور درحقیقت منصور ہو گیا۔ فتح کے بعد منصور نے دریافت کیا کہ ہماری بروقت مدد کو پہنچ جانے والا یہ کون شخص ہے۔ معن نے اپنی وضع بدل رکھی تھی۔ جب خود منصور نے اس سے سوال کیا۔ تو چہرہ کھول دیا اور کہا کہ میں حضور کا مجرم معن بن زائدہ ہوں۔ منصور نہایت خوش ہوا اور اسے اپنا مصاحب بنا لیا۔ معن کی سخاوت کی داستانیں عجیب و غریب ہیں۔

کہتے ہیں کہ ایک دن اس نے تین لاکھ روپے تقسیم کئے تھے۔ سخن پروری و علمانوازی میں ممتاز تھا اور ہزاروں سے کم صلہ نہ دیا کرتا تھا۔ ایک دفعہ کسی اعرابی نے آکر دو شعر اس مضمون کے پڑھے کہ کنبہ زیادہ ہے اور آمدنی کم۔ گھر والوں نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے۔ ان کی آنکھیں میری واپسی پر لگی ہوئی ہوں گی۔ معن نے اپنی سواری خاصہ کی ناقہ اور ہزار دینار عطا کر دیئے۔ آخر عمر میں گورنر سجستان ہو گیا تھا۔ وہاں اپنے لئے محل تعمیر کرا رہا تھا کہ مزدوروں میں سے ایک مزدور نے اس کو قتل کر دیا۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ وہ خوارج میں سے ہے اور چونکہ معن نے خوارج کو شکست دیکر قاتل کے عزیز و اقارب کو بھی قتل کیا تھا اس لئے قاتل نے اپنا بدلہ لے لیا۔

اس کی وفات پر شاعروں نے ہیشمار قصیدے لکھے۔ سب سے زیادہ مشہور مروان حصہ کا جو اس کے دربار کا خاص شاعر تھا مرثیہ ہے۔ یہ مرثیہ نہایت عجیب

ہے۔ جستہ جستہ شعر ذیل میں درج کرتا ہوں۔ اشعار کے درج کرنے سے میرا مطلب اس زمانہ کی شاعری کا دکھلانا ہے جس سے قارئین! یہ اندازہ کر سکیں گے کہ عرب شاعر اگر مبالغہ بھی کرتے تھے تو کس خوبصورتی کے ساتھ۔ نیز وہ قابل مدح اوصاف کو سمجھتے تھے نہ کہ خیالات کو۔

مضی لسبیلہ معن وابقی  
مکارم لن تبید ولن تبالا  
اصاب الموت یوم معناً  
من الاحیاء اکرّمہم فنا  
وکان الناس کلہم لمعن  
الی ان راز حضرتہ عیالا  
وما عمد الوفود المثل معن  
ولا حطوا بساحتہ الرحالا  
ولم یک کثرہ ذہبا و لکن  
سیوف الہند والحلق الذلالا  
و قلنا این رحل بعد معن  
وقد ذہب النوال فلا نوالا

معن مر گیا اور اس کے ایسے مکارم باقی ہیں جو نہ فنا  
ہونگے اور نہ دوسرے ان کو حاصل کر سکیں گے۔  
جس دن معن مرا۔ اس دن موت نے تمام زندہ  
شخصوں میں سے بہترین کو لے لیا تھا۔  
قبر میں جانے تک معن سب کی پرورش کرتا رہا گویا  
تمام خلقت اسی کا کنبہ ہے۔  
معن کے برابر کسی کے پاس ڈیپوٹیشن نہیں آئے اور نہ کسی  
کے پاس دور دراز ممالک سے اتنے طالب و سائل پہنچے۔  
اس کے خزانہ میں زر و سیم جمع نہ تھا۔ صرف تلواریں  
اور حلقے تھے۔  
ہم نے سمجھ لیا کہ معن کے بعد اب کہاں جائیں  
گے۔ کیونکہ وہ سراپا جود جاتا رہا تو جود کہاں رہا۔

اس آخری شعر کی بدولت شاعر کو اکثر درباروں سے ذلت و ناکامیانی بھی  
دیکھنی پڑی۔ جس کسی کی مدح کا قصیدہ لکھ کر لیجاتا تو وہ کہہ دیتا کہ جب معن کے بعد دنیا  
میں جود ہی نہیں رہا تو اب تو ہم سے کیا لینے آیا ہے لیکن چونکہ مروان زبردست شاعر تھا  
اور محسن کی شکر گزاری نے اس کو پھل دینا تھا۔ آخر میں لوگ اس پر مہربان ہو گئے۔  
چنانچہ خلیفہ مہدی نے بھی جو ایک بار سے زیادہ اسی شعر بالا کی وجہ سے مروان کو دربار

سے نکلوا چکا تھا اس کو ایک لاکھ درہم عنایت کئے تھے۔

مروان کہتا ہے کہ ایک دفعہ جعفر بریکی نے مجھ سے مرثیہ معن پڑھوا کر سنا۔ میں پڑھتا جاتا اور جعفر رو رہا تھا۔ جب مرثیہ ختم ہوا تو جعفر نے پوچھا کہ فرزند ان میں سے کسی نے اس مرثیہ پر تجھے کچھ دیا بھی ہے۔ میں نے کہا نہیں۔ کہا اگر معن خود ان اشعار کو سن لیتا تو تمہارا کیا خیال ہے کہ وہ کس قدر انعام دیتا۔ میں نے کہا چار سو دینار۔ جعفر نے کہا شاید معن اس رقم کو دے کر خوش نہ ہوتا۔ اس لئے میں تیرے اندازہ سے دو چند رقم تو معن کی طرف سے اور اسی کے برابر اپنی طرف سے (۱۶ سو) دیتا ہوں۔ مروان نے اسی بحر و قافیہ میں فی البدیہہ اشعار کہہ کر جعفر کا شکر یہ ادا کیا اور چل دیا۔

ایک اور شاعر نے بھی اس کا مرثیہ لکھا جو نہایت مقبول ہوا۔ اس کے مضامین یہ ہیں کہ معن کی قبر سے جا کر کہہ دو کہ باران رحمت سے تو ہمیشہ بہا رہی رہی پھر اس قبر سے یہ بھی پوچھنا کہ جس سخاوت نے بحر و بر کو سیراب کر رکھا تھا تو نے اسے کیونکر اپنے اندر چھپا لیا۔ ہاں اے قبر سب سے پہلا گڑھا جس میں مکارم نے آکر خواب کیا ہے وہ تو ہی ہے۔ معن کے بعد بھی اس کی سخاوتوں کی طفیل لوگ اس طرح گزران رہیں گے جیسے رو کے پھر جانے کے بعد بہت دیر تک تر رہتی ہے۔

وزیر ابن عباد کے حال میں ہے کہ ایک شاعر نے اس کی مدح میں قصیدہ لکھا اور اس میں یہ مضمون تھا کہ شہر کے باشندوں اور مسافروں کو ایسے ایسے خلعت ملے ہیں۔ جو اور جگہ دیکھے بھی نہیں گئے۔ حضور کے غلام بھی ریشمی لباس سے ملبس ہیں مگر ان سب میں ایک میں مستثنیٰ ہوں۔ ابن عباد نے کہا کہ معن بن زائدہ سے کسی نے کہا تھا کہ مجھے سواری چاہئے تو اس نے سائل کو ایک ناقہ، ایک گھوڑا، ایک خچر، ایک گدھا اور ایک لونڈی دلادی تھی۔ میں بھی اس کی نظیر پر حکم دیتا ہوں کہ جراب اور ازار بند سے لے کر تمام اقسام کے پوشیدہ کپڑے تم کو دیئے جائیں۔

غرض معن وہ شخص تھا جس کی سخاوت سے بلا واسطہ اور جس کے قصہ ہائے جو دو سخا سے بالواسطہ ہزاروں اشخاص نے لاکھوں روپے حاصل کئے۔ لیکن کب اور کس زمانہ میں؟ جب قوم کا ستارہ عروج پر تھا۔ جب ان کے نصیب جاگتے تھے۔ جب امراء میں فضائل و مکارم پائے جاتے تھے۔ جو دولت خداداد کو صرف اپنی پروری و خر مستی کیلئے نہ سمجھتے تھے۔ جو بذل و زور و سیم سے قوم میں قابل و لائق اشخاص کا موجود رکھنا ضروری سمجھتے تھے۔ جو گورنر اور بادشاہ ہو کر بھی مساوات کے اس سبق کو جو پیاری شریعت نے سکھایا تھا فراموش نہ کرتے تھے۔ اس زمانہ میں یہ سب باتیں فراموش ہو گئی ہیں اور سرداران قوم نے اپنے افراد کو بھلا دیا ہے اور اپنے آپ کو ایک علیحدہ قوم تصور کر لیا ہے۔ لامحالہ اسی کے برے نتیجے ادنیٰ و اعلیٰ پر اپنا اثر ڈال رہے ہیں اور نکتہ و ادب چاروں طرف سے محاصرہ کرتے ہوئے مسلمانوں کی شاندار ترقیات کے دائرہ کو تنگ کرتے جاتے ہیں۔

جو دو کرم کے معنی تو خیر و وسیع ہیں۔ سب سے پہلے انسان کو اپنی ذات سے اسم نخل دور کر دینا چاہیے۔ نخیل وہی نہیں ہوتا جو خزانے کے سانپ کی طرح نہ خود کھائے اور نہ اوروں کو کھانے دے۔ بلکہ وہ شخص بھی نخیل کہا جاسکتا ہے جو سینکڑوں روپیہ ایک دن میں اڑا دیتا ہو۔ کیونکہ شرع نے اس شخص کو نخیل کہا ہے جو حقوق واجب کو ادا نہ کرتا ہو۔ پس اگر کوئی شخص نمائش و افتخار سے یا اسراف و تبذیر سے نمائش کا موم یا عیاشی و افعال میں ہزاروں روپیہ برباد کر رہا ہے۔ مگر زن و فرزند، عیال و اطفال، برادری اور قوم، محلہ، شہر، ملک، رعایا اور بادشاہ کے حقوق واجب ادا نہ کرتا ہو تو وہ نخیل ہے اور نخل کی تمام تر مواعید کا مستوجب ہے۔ خداوند کریم مسلمانوں کو اس سے بچائے۔



## شیخ ابو الفیض فیضی فیاضی

شیخ فیضی جو اپنی مختلف لیاقتوں اور انواع و اجناس علوم و فنون کی قابلیتوں کے اعتبار سے فضلاء ہند، شعراء ایران اور عرب میں گرامی نامور اور ممتاز ہے شیخ مبارک ناگوری کے گھر ۹۵۴ھ کو پیدا ہوا۔ شیخ مبارک ایک آزاد متوکل فقیر تھا جو کسی امیر کے دروازہ پر کبھی نہیں گیا۔ اپنے زمانہ میں جامع علوم منقول و معقول اور سرمایہ دار دنیا و عقبی اتنا مانا گیا تھا کہ لوگ اسے ”خدیو نشاتین“ کے لقب سے یاد کیا کرتے تھے۔ ایسے عالم کامل کو گوشہ عزلت میں اگر کوئی دلچسپ شغل ہو سکتا ہے تو پہلوٹے بیٹے کی تعلیم۔ بوڑھے باپ نے اس نونہال علم و افضال کو اس زمانہ کے رسمہ علوم بھی سکھائے اور سائنس کی تعلیم بھی دی، ادب، اخلاق، انشاء، طبیعیات و الہیات کو تکمیلی طور پر پڑھایا۔ ملا عبد القادر بدایونی لکھتا ہے کہ فیضی شعر و معمر، عروض و قافیہ، تاریخ و لغت اور انشاء میں بے نظیر تھا۔ روضۃ الادبا میں ہے کہ فیضی صرف شاعر ہی نہ تھا۔ بلکہ اعلیٰ درجہ کا فلسفی اور منطقی بھی تھا۔ خود فیضی ایک قطعہ میں لکھتا ہے۔

فیضی ام کردل و قیقہ شناس	نقش سرو عین شناختہ ام
آنچه باید شناخت داناء را	بہ یقین نے بہ طن شناختہ ام
از الہی بہ عقل دور اندیش	ملک ازما ہر من شناختہ ام
در ریاضی پچشم چرخ نورد	نظم عقد پرن شناختہ ام
را آنچه پرسی اگر بگریم راست	سخن است اینکہ من شناختہ ام

نثر رامونمو شگافتہ ام نظم رافن بہ فن شناختہ ام  
اعتدال معانی ازمن پرس کہ مزاج سخن شناختہ ام

## دیگر

ایا حریف دریں بزمگاہ فیضی را گمال مبرکہ زخیل تہی سبویان است  
کشیدہ بادہ تحقیق درخداق علم زشاخسار خردوست دستہ پویان است  
بجوہ ودشت معانی ک مرغ پر نزند بچا بچی تعقل دو اسپہ پویان است  
فقیر کے جھونپڑے میں اگرچہ ذخارف کا نشان نہ ملتا تھا مگر گنجینہ سینہ میں بہت  
سے خوش آب مکنون تھے۔ مبارک نے ان شاہوار موتیوں سے پیارے بیٹے کے سر و گردن  
کو سجا کر اسے شاہ پسند فرمایا۔

فیضی کی شہرت :- شیخ کی درسگاہ میں آنے جانے والوں معتقدوں، مریدوں اور  
شاگردوں کے ذریعہ سے فیضی کے شجر علوم نظم و نثر ذہین و ذکا کے اوصاف کی خبریں  
دربار تک متواتر پہنچتی رہیں۔ اکبر تو بڑا ہنر شناس و قدردان تھا اور علم و قلم کو ایک ہاتھ  
میں اٹھا کر چلا کرتا تھا جب قلعہ چتوڑ کی تسخیر کو نکلا تو راہ میں اسے فیضی یاد آیا۔ فوراً  
احضار دربار کا حکم صادر ہوا۔

ابوالفضل لکھتا ہے کہ تعمیل کرنے والوں نے طلب عاطفت کو مطابقت عتاب  
بنا کر حاکم آگرہ کے نام فرمان لکھ بھیجا۔ چار شنبہ ۲۰ ربیع الاول کی صبح کاذب سے پہلے پہلے  
ترک سواروں نے آکر ہمارے گھر کو گھیر لیا اور سب کو محصور کر دیا۔ بھائی صاحب  
(فیضی) ان کے آنے سے پہلے صبح کی ہوا خوری کو چلے گئے تھے اور ادھر سواروں کو یہ  
سکھا پڑھا کر بھیجا گیا تھا کہ بوڑھا (شیخ مبارک) اپنے بیٹے کو چھپالے گا اور تمہارے ساتھ



کرنے میں بہت کچھ حیلہ بہانہ کریگا مگر تم ایک نہ سننا۔ اب ادھر تو سوار سختی کر رہے ہیں۔ اور ہمیں جھوٹا بنا رہے ہیں اور ادھر گھر والے حیران و پریشان ہیں۔ اتنے میں بھائی صاحب واپس آگئے اور جاہل ترکوں پر ہمارا سچ جلد ہی ظاہر ہو گیا۔

اب ایک دقت اور ہوئی کہ سفر کا سامان گھر میں کچھ نہ تھا مگر والد بزرگوار کے مریدوں اور شاگردوں نے ملکر اس مشکل کو حل کر دیا اور بھائی صاحب طلوع آفتاب سے پہلے پہلے گھر والوں سے جدا ہو کر سواروں کے ساتھ ہو لئے۔ ہم سب گرداب غم میں ڈوبے جاتے تھے مگر ایک والد بزرگوار تھے جنہوں نے ہماری تسلی کی اور اطمینان دلایا کہ انجام بخیر ہے۔

جب فیضی ان سواروں کی حراست میں ایوان اکبری میں داخل ہوا تو اس کو انتظار حکم میں چاندی کے کٹہرے سے باہر جس کو نقری پنجرہ بھی کہا کرتے تھے۔ کھڑا کر دیا گیا۔ فیضی نے اس وقت یہ قطعہ پڑھا۔

بادشاہ ہادرون پنجرہ ام از سر لطف خود مرا جادوہ  
زانکہ من طوطی شکر خوائیم جائے طوطی درون پنجرہ

اس قطعہ کو بادشاہ نے بہت پسند کیا اور اسی روز سے فیضی کو تقرب حاصل ہو گیا۔ اس وقت فیضی کی عمر اکیس سال کی تھی۔ دربار میں اس کے علم و فضل کے لحاظ سے جو کچھ عزت ہوئی اور اس کی فضیلت نے اہل دربار اور خود بادشاہ پر جو کچھ اثر کیا ان سب کا نشان فیضی کے اس قصیدہ سے ملتا ہے جو اس نے شرف حضوری سے تھوڑے دن بعد لکھا تھا۔ یہ قصیدہ دو سو پچاس شعر کا ہے مگر میں اس کی تلخیص ۳۱ شعر میں اس طرح پر کرتا ہوں کہ کوئی مطلب نہ رہ جائے۔

رسید ہچو سعادت کشادہ پیشانی  
 چو بہر سالک توفیق جذب رحمانی  
 کہ کردے از سردانش سپہر جولانی  
 رسید بر در فردوس مرغ بستانی  
 شگفتہ دل بنیشی و شوق بناشانی  
 کہ پایہ پایہ فردو آمد ز حیرانی  
 ریاض نطق ترا از ک بود رضوانی  
 کہ اے سپہر مطیعت بامراو غانی  
 کہ لوح اجد آداب اوست طولانی  
 چہ حق کی نیست نم ز اں بزرگ حقانی  
 بہ پلہ کہ نہادند جنس رجانی  
 حدیث طائفہ شعر نیست پایانی  
 کہ سرزد از لب شان نکتہ ہائے امعانی  
 وجود دادہ طہارت ز لوث عصیانی  
 نمودہ درک و قائق بہ تیزا ذہانی  
 کشیدہ بر سر خود طیلماں کتمانی  
 مخاک ریختہ صد آبروز بے ثانی  
 کہ تازہ کرد سخن را بہ تازہ دیوانی  
 ز دل کشائیش داز من کلید جنبانی  
 چو با خدائے کلام کلیم عمرانی

سحر نوید رساں قاصد سلیمانی  
 بذوق من طلب ناگہاں اور محمود  
 شدم سوار سبک گام تو سن چالاک  
 خبر بیارگہ شہریار شدا نیک  
 اشارہ رفت کہ در پیشگاہ مجلس انس  
 بہ گونہ گونہ تفقد <sup>شہنشاہ</sup> ہواخت  
 زبان پر شش من بر کشودا کارے بھی  
 پس از ادائے زمین بوس بندگی گفتم  
 امان عہد تو استاد مہربان من است  
 و گر سبب طلبی استاد من پدراست  
 و گر بجفت کزین ناظمان معنی سنج  
 بعرض شاہ ساندم کہ اے پناہ سخن  
 بن و ران کہ ازیں پیشتر کردند  
 ہمہ حکیم مزاجان و پاک دن بودند  
 کشیدہ نقش حقائق بہ دوراندیشی  
 یکاں یکاں ہمہ بر بستر فناء خفتند  
 کنوں ہم از شعراء پیشمار اندولے  
 چوکس نماںد بعالم من آنکسم امروز  
 کنوں کلید سخن آسمان سپرد من  
 حدیث من بہ شہنشاہ بند و پرور بود

بجفت خیز و قلم از علم بخش کا مرور  
 رسید حکم کہ از نکتہ بنجی شعرا  
 زبانورے کے دگر باتو در سخن پیچد  
 چو گوئم آنکہ ز لطفش چه طرف بر بستم  
 دو دولت از در اقبال تا بمن رد کرد  
 یکے معلی شاہزاد ہائے عظام  
 نخست حضرت سلطان سلیم دریاوں  
 دگر طراز پرند امید شاہ مراد  
 دگر جہان ادب دانیال کر شفقت  
 دوم سجود ارادت کہ از میامن آل  
 بمن رسید ز فیض نواں حضرت شاہ

مسلم است ترکشور سخن رانی  
 بعرض ماہر ساں آنقدر کہ میدانی  
 سزد سب ادب گردنش بہ پیچانی  
 زہرچہ لازمہ خانی است و ترخانی  
 کشید طالع انکیسیم بہ لھیاتی  
 کہ بر نہال ادب میکنند اغصانی  
 کہ جلو خروش موجد البست عمانی  
 کہ در من فلکش مے کند گریبانی  
 کواکب شرفش میکنند خوانی  
 بانحطاط کشیدم قوائے حیوانی  
 بروح آنچه رسد از شراب ریحانی

ابوالفضل لکھتا ہے کہ فیضی سحر خیز و صلح کل تھا۔ ہمت بلند کو کتب علمیہ و مسائل حمیہ کے مطالع پر مبذول رکھتا اور شعر و شاعری کو ہمیشہ نظر حقارت سے دیکھا کرتا۔ جب اس زمین میں اسے کچھ لکھنا پڑتا۔ تو مضامین عالیہ کو چھوڑ کر ابنائے جنس کے درخور فہم بہ تکلف اسے کچھ لکھنا پڑتا جب فیضی دربار داخل ہوا ہے اس وقت مشہد غزالی لقب ملک الشعراء سے مفتخر و ممتاز تھا۔ وہ مر گیا تو فیضی کو ملک الشعراء بنایا گیا۔ دولت مغلیہ میں یہ دوسرا ملک الشعراء تھا۔ صاحب جامع التواریخ لکھتا ہے کہ شاہان مغلیہ کے دربار میں عہد اکبری میں مشہد غزالی اور شیخ فیضی، عہد جہانگیری میں طالب آملی۔ عہد شاہجہان میں ابو طالب کلیم ہمدانی ملک الشعراء تھے۔ روضۃ الادباء میں ہے کہ جس وقت فیضی نے مہابھارت کا منظوم ترجمہ ختم کیا اس وقت اکبر نے ملک الشعراء کا خطاب اسے مرحمت فرمایا۔

مہابھارت کانثر میں فارسی ترجمہ فیضی تو مطبع نولکشور سے ۱۹۰۰ء میں چھپا مگر منظوم ترجمہ جس کا حوالہ روضۃ الادبا میں ہے دیکھا نہیں گیا۔ فیضی کچھ اس لئے مشہور نہ تھا۔ کہ وہ ملک الشعراء دربار تھا بلکہ اس لئے بھی کہ ادیب لبیب فاضل اجل تھا۔ فنون علوم کے علماء اس کے دسترخوان پر بیٹھتے اور غذائے روحانی و جسمانی سے پرورش پاتے تھے۔ عرفی، شیرازی اور عبدالقادر بدایونی اس کے دست پروردہ تھے جو بعد میں احسان فراموش نکلے۔

فیضی جیسا کہ ادب عربیہ میں یدِ طولیٰ رکھتا تھا۔ ایسا ہی یونانی مسائل میں فیلسوف کامل تھا۔ سنسکرت نے اپنا پرانا دینہ اسے سپرد کر دیا تھا۔ اور اس زبان کے جو دقائق کہ وہ جانتا تھا۔ کوئی پنڈت بھی مشکل سے ان معلومات کی برابری کر سکتا تھا ان سب کے علاوہ بادشاہ کا ایسا مقرب خاص اور مشیر باختصاص تھا کہ بادشاہ کو دم بھر کی جدائی اس کی شاق و ناگوار تھی۔ بادشاہ کو اس کی ذات پر اعتبار اور اس کی لیاقت پر کامل بھروسہ تھا اور پرائیویٹ سیکرٹری کے طور پر جملہ خدمات ملکی و مالی میں اس کا دخل تھا۔ دکن کی نازک سفارت پر نائب السلطنت کے طور پر اس کو بھیجا گیا اور اس نے نہایت خوبصورتی کیساتھ معاملہ کو طے کیا۔

تصنیفات فیضی: نظم میں ایک نامکمل مجموعہ ملتا ہے جس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا کہ فیضی کا ارادہ خمسہ نظامی کا جواب لکھنے کا تھا خود اس کے شعر ہیں۔

برستہ پائے مرغ خامہ دارم بخیاں پنج نامہ

زین ہفت رباط و چار منزل بندم بہ جمازہ پنج محل

اس خمسہ میں سے نند من زیادہ مشہور ہے۔ نیز درس میں داخل اس کتاب

کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ جب یہ لکھی گئی تو اس پر اساتذہ و شعرائے ہندو ایران کی اتنی مہریں ثبت کی گئی تھیں کہ تمام کتاب میں سے ایک شعر بھی نہ پڑھا جاتا تھا۔

مرکز ادوار۔ یہ کتاب کمیاب ہے۔ خوش قسمتی سے مجھے ۱۰۶۳ھ کی لکھی ہوئی مل گئی ہے۔ یہ کتاب جیسا کہ اسکے نام سے ظاہر ہے مخزن الاسرار نظامی کے جواب میں لکھی گئی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم . گنج ازل راست طلسم قدیم  
 گنج ازل چھت کلام خدا مرا بد کر دینام خدا  
 نقد و کون است دریں مایہ درج چار کتاب است دریں آیہ مزج  
 حرف بسم اللہ کے معانی بیان کرتے ہوئے الرحمن کے الف لام کی نسبت کہتا ہے۔  
 در نگری و حدت و کثرت یکیت لام و الف در خط و حدت یکیت  
 لام بدل الف راہ مقام کردہ الف نیز بدل جائے لام  
 چند بہر حرف شوی مختلف یک ولی آموز زلام و الف  
 حمد میں کہتا ہے۔

تخہ ہست کہ مشک نگاشت  
 روز بر افروخت بہ اقبال صبح  
 در رہ دل مشعل توفیق سوخت  
 صوف صافی مترنم ازو  
 نامیہ از ابر عطایش عجم  
 عقل مقدس پر ہش پابہ گل  
 عقل کجا فکرت یزدان کجا  
 دانش ماچیت بہ علم علیم  
 ملائکہ را حوصلہ بر طاق ماند  
 نقش بدایع ہمہ یک یک نگاشت  
 پائے شب آراست نخلخال صبح  
 خانہ تقلیدز تحقیق سوخت  
 قول حکیم و کلیم ازو  
 عاقلہ از نطفہ درکش عقیم  
 فکر از دوست تحیر بدل  
 بردروا جب راہ امکان کجا  
 فکرہ محدث چہ رسدور قدیم  
 ناطقہ را سلسلہ بر شاق ماند

## توحید میں کہتا ہے

اے ہمیہ در پردہ نہاں راز تو خیر انجام ز آغاز تو  
 قدس تو آنخا کہ زند گام را راہ نہ آغاز نہ انجام را  
 در تو ہم آغاز انجام گم ہر دو بشہر قدمت نام گم

## مناجات میں کہتا ہے

خاک عدم با تو عروسی نقاب آب قدم بے تو چونقش بر آب  
 در جسد خاک تھی روح پاک طبلہ عطار کنی جیب خاک  
 در سر صبح از تو نوائے صبح در تن خاک از تو روان آب روح  
 جوش دگر بخش بہ صہبائے من شر دگر ریز بسوائے من  
 خون مرا رونق گلزار وہ خاک مرا چشمہ انوار وہ  
 نقدم اگر می بازار بخش جنس مرا چشم خریدار بخش  
 چشمہ دل کور جگرنا صبور بو کہ دہد ساقی خورشید نور

## ایضاً مناجات میں کہتا ہے

کون و مکان پر تو ذات تو اند دیدہ و دل مخو صفات تو اند  
 آمدگی سود نہ آور دگی ذات تو ہم پر وہ ہم پردگی  
 ترتیب کتاب میں تمہیداً کچھ شعر لکھ کر گریز بمدح شاہ کرتا ہے۔ بادشاہ کی  
 تعریف بادشاہ بنا کر ہی نہیں کرتا بلکہ اپنے دل میں خدا جانے کیا سمجھا اور کیا کچھ کیا۔  
 ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاعرانہ حیثیت سے اپنے لئے لقب مداحی پسند نہیں کرتا بلکہ جو  
 کچھ مدح شاہ میں کہتا ہے اس کا نام ”جوش ارادت“ رکھنا چاہتا ہے۔ اس خیال کی بنیاد  
 مقبول خیالات اور ایجاد پسند طبیعت پر ہی نہیں۔ بلکہ اس میں اہلکاری کے بہت سے  
 اسرار مخفی ہیں۔

## مدح میں کہتا ہے

سیاہ صفت ہر کہ نہ حق جداست      سایہ گو نیم کہ نور خداست  
نام کہ مانند شہان بر سرش      آمدہ طغرائے ہوا لاکبرش  
از ورق غیب سبق یافتہ      رتبہ ہمنامی حق یافتہ  
اسم مگو عین مسے است ایں      اللہ اکبر چہ معماست ایں  
صورت معنی زہم اینگختہ      کثرت و وحدت بہم آمیختہ  
قوت کونین بازوے او      گنج دو عالم بہ ترازوے او  
تحر ازل را گرش ترجمان      علم لبدرا اشخسش تو اماں  
سر چو ببالین ہوس کم نہاد      بر سر خود بار دو عالم نہاد  
جلوہ دستے و فرید دن درد      جوے جامی و فلاطون درد  
جن الفاظ پر خط ڈالے گئے ہیں ان پر نظر غائر ڈالنی چاہیے۔ خطاب بادشاہ میں کہتا ہے۔  
اے دو جہان عقل مسلم ترا      دور شہنشاہی عالم ترا  
ہست و دو منشور جہاں بانیت      چوں شریع و خط پیشانیت  
درازل از مدح تو بستند طرف      وہ قلم و نو ورق و ہفتہ حرف  
مدح ت بر قرف ازل خواندہ اند      تحت تو بردوش لبد ماندہ اند  
بر صف کو نین دلسر آمدی      دیر بمان دیر کو دیر آمدی  
اس کتاب میں یہ بیان ہیں (۱) خلوت در انجمن (۲) ستائش نفس (۳) ستائش سخن (۴)  
نیرنگی نامہ (۵) چہرہ کشائی قلم (۶) بہار آفرینش (۷) صفت پر تو دل (۸) فروغ خرد  
(۹) صنعت علم (۱۰) گونہ حسن (۱۱) ثنائے نظر (۱۲) جوش عشق (۱۳) نشاط و بیداری  
(۱۴) طلوع صبح (۱۵) کوس سفر (۱۶) خزان فنا (۱۷) ترانہ واپسین۔

خواجہ نظامی اور ملا جامی کی طرح ہر ایک بیان کے ساتھ حکایت نہیں لکھی۔

صرف تین جگہ حکایات لکھی ہیں جن کو نمائش کر کے لکھتا ہے۔ پہلی کتاب جو اس طرز میں لکھی گئی یعنی جو واقعات صحیحہ یا مضامین نفیسہ پر مشتمل اور ان تمام عیوب سے پاک ہو جو عموماً مشرقی لٹریچر میں پائے جاتے ہیں۔ وہ خاقانی کی تھنہ العرا قین ہے۔ خواجہ نظامی کی ایجاد پسند طبیعت نے اس طرز میں تھوڑا سا تغیر دے کر ایک جدت پیدا کی اور مخزن اسرار لکھی۔ یہ طرز ایسی مقبول ہوئی کہ بڑے بڑے مشہور شعراء نے اسی زمین میں طبع آزمائیاں کیں۔ طبیعت کے جوہر دکھلائے۔ امیر خسرو کی مطلع الانوار اور ملا جامی کی تھنہ الاحرار تو داخل درس ہی ہیں، عرفی شیرازی کی ناتمام مجمع الافکار اور زلالی کے کچھ متفرق اشعار بھی متداول ہیں۔

فیضی نے اس کتاب میں شاعرانہ زور دکھلانے کے علاوہ یہ بھی مد نظر رکھا ہے کہ کلام محققانہ ہو اور اسی سے شاعر کی وسعت معلومات بھی نمایاں طور پر ظاہر ہوتی ہو۔ تعجب یہ ہے کہ مرکز ادوار میں نعت رسول ﷺ کا ایک شعر بھی نہیں یہ ہرگز قرین قیاس نہیں کہ شیخ کے سامنے مخزن الاسرار، مطلع الانوار، تھنہ الاحرار رکھی ہوئی ہوں۔ جن میں متعدد نعتیں ہیں شیخ ان کتابوں کا جواب لکھنا چاہے اور مسلمان کہلائے تفسیر قرآن لکھے اور بایں ہمہ نعت رسول پاک ﷺ کا ایک شعر بھی نہ ہو۔ حالانکہ نلد من میں جس بلاغت کیساتھ نعت لکھی ہے اور جا بجا معجزوں کا ذکر کر کے خشک فلسفیوں کے انکار پر استہزاء کیا ہے، وہ ظاہر ہی ہے۔ ملا عبد القادر بدایونی نے بھی اپنی تاریخ میں اس کتاب پر کچھ اعتراض نہیں کیا۔ ملا جو اپنی تاریخ کے صفحہ کو فیضی کے کفر والحاد کا فتوے بنانا چاہتا تھا کب در گذر کرنے والا تھا۔ میرے نزدیک یہ وجہ معلوم ہوتی ہے کہ شہزادہ سلیم جو بعد میں نور الدین جہانگیر کے نام سے تخت ہندوستان پر جلوہ آراء ہوا فیضی و ابو الفضل کا پو لٹیکل تعلقات کی وجہ سے سخت دشمن تھا۔ جب بادشاہ ہوا تو اسے ان کی شہرت و لیاقت کی داستانیں ناگوار گذرنے لگیں۔



جہانگیر وہی راہ چلا جو طریق اس کے بعد عالمگیر نے داراشکوہ کے ساتھ اختیار کیا تھا۔ یعنی ابو الفضل و فیضی کے منشیانہ و شاعرانہ خیالات کو میزان فقہ و شرع میں تو لا اور کفر و الحاد کا فتویٰ لگا دیا۔ میرا خیال ہے کہ نعت کے کل اشعار نکال دیئے گئے۔ اور باقی کتاب ثبوت ارتداد کے لئے چھوڑ دی گئی۔ میرے سامنے عہد شاہجہان کی لکھی ہوئی کتاب رکھی ہے اگر عہد اکبر کی مل جاتی تو اس خیال کی تحقیق و تردید یا تصدیق بخوبی ہو سکتی۔ اسی کتاب کے مرکز ادوار کے بیان علم میں لکھتا ہے۔

خیز کہ نالیم زمر دم دروں      وزن ہر موئے بجریم خوں  
فرض بود نالہ برافراشتن      ماتم علم و علماء و اشتن  
حیف کہ گردید بصد مکر و ریو      محکمہ شرع نبیؐ جائے دیو  
اے شدہ فرماندہ شرع نبیؐ      غرہ بدہ مسئلہ قلبی  
نسخہ ابلیس سراپائے تو      دفتر تلمیس فتاوائے تو  
بر دل شان تہمت ایماں منہ      بر ملک بر سر شیطان منہ  
ان اشعار سے جس طرح پر یہ ظاہر ہوا ہے کہ فیضی علمائے وقت کی توقیر نہیں کرتا اس طرح یہ بھی نکلتا ہے کہ وہ اسلام کی ایسی حالت پر نہایت متاسف ہے اور اس درد کو اس کا دل محسوس کر رہا ہے۔ مولانا حالی نے بھی مثنوی تعصب و انصاف میں لکھا ہے۔

شیخ عیار تو زاہد پر فن      مولوی عقل کے سارے دشمن  
پیاز کی طرح نرے پوست ہی پوست      قوم کے دوست مگر ناداں دوست  
ایسے اشعار سے یہ نتیجہ نکالنا کہ شاعر علماء کو بوجہ تعلیم علوم دین برا سمجھتا ہے محض نادانی ہے بلکہ شاعر کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جو لوگ علماء بنے ہوئے ہیں وہ علوم دین سے محض نابلد و نا آشنا ہیں اور اسی لئے ضلوا و اضلوا کے مصداق ہو رہے ہیں۔

خاتمہ کتاب میں کہتا ہے۔

من کہ چنین گنج نہاں یا قتم از نظر شاہ جہاں یا قتم  
 شد چو فیض ازل انجام او مبداء فیاض نہم نام او  
 شوق کزین نامہ پر وبال داشت عقل کمال چہلم سال داشت  
 دل زتکا پوئے قلم سیر شد خواستش زود والے دیر شد  
 اس کتاب میں جانجا اپنا تخلص فیاضی لایا ہے اور کہیں کہیں فیضی مبداء فیاض  
 نہم او میں بھی اپنے تخلص کی جانب کنایتاً اشارہ کرتا ہے۔ بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا  
 ہے کہ فیضی کو تخلص کابد لانا اور فیاضی بننا مبارک نہ ہوا۔ یعنی اس سے تین ماہ کے بعد مر  
 گیا۔ لیکن یہ لکھنا درحقیقت غلط ہے کیونکہ فیضی پچاس سال کی عمر میں فوت ہوا ہے اور  
 مرکزادوار لکھنے کی وقت اس کی عمر ۴۰ سال کی تھی۔ جیسا کہ اس نے خود لکھ دیا ہے۔  
 شوق کزین نامہ پر وبال داشت عقل کمال چہلم سال داشت  
 فیضی سے فیاضی تخلص شیخ نے اسی وقت پسند کیا تھا جب ابوالفضل کو علامہ کا  
 لقب عطا ہوا تھا۔ فیضی کہتا ہے۔

اکنوں کہ شدم بعشق مرتاض فیاضیم از فیوض فیاض  
 مثنوی سلیمان بلقیس۔ یہ مثنوی نظامی کی شیریں خسرو کے جواب میں لکھنی  
 شروع کی تھی مگر تکمیل کونہ پہنچی۔ مناجات کے شعر یہ ہیں۔

الہی پر وہ تقدیس بچشاء سلیمان مرا بلقیس بنما  
 دریں بت خانہ ناقوس جویاں زبانی وہ مرا قدوس گویاں  
 ہمہ ذرت در تقدیس و تہلیل مرالب پر زافسوں عزازیل  
 چہ سازم باہتاں پیوند سازم پری در شہرہ دل در بند دارم  
 مثنوی ہفت پیکر نظامی کی ہشت بہشت کے جواب میں۔ اس مثنوی کے

متعدد اشعار اکبر نامہ میں ابو الفضل نے درج کئے ہیں۔ مثنوی آج تک دیکھنے میں نہیں آئی۔ فخریہ اشعار میں سے ایک شعر یہ ہے۔

آمد اینک ز شبستانِ غیب میکده زردست و گلستانِ نجیب  
اکبر نامہ۔ سکندر کے جواب میں یہ کتاب صرف شروع ہی کی گئی تھی کہ موت نے کتاب اور مصنف دونوں کا خاتمہ کر دیا۔

دیوان۔ انواع سخن پر مشتمل ہے۔ غزلیات، قطعات، رباعیات، افراد، مصارع، قطعات اور رباعیات نہایت کار آمد ہیں اور اکثر حالات کا ان سے پتہ لگتا ہے فیضی کی طبیعت میں عربیت کا جو زور تھا وہ دیوان میں بھی رنگ دکھلا رہا ہے۔ اکثر جگہ فارسی مصرعوں کو عربی امثال سے تضمین دیکر اپنے کلام کے سلسلہ الذہب کو مرصع بنا دیا ہے۔

حسنت چو عشق من چه عجب گر جہاں گرفت للبدران یلوح و للمشک ان ینوح  
یعنی میرے عشق اور تیرے حسن کی داستانیں دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں۔  
پیشک چاند کا کام چمکنا اور مشک کا کام خوشبو پھیلانا ہے۔

آزادہ ام زمانہ و قاصد براہ شوق تبیان لو عتی لغتی عن الشروح  
خط لکھنے اور قاصد بھیجنے کی ضرورت تب ہوتی ہے جب کسی امر نامعلوم کی خبر دینی ہو۔  
میرے سوز و گداز کا حال خود الم شرح ہے۔

ساقیء جان خیز کہ شد صبح عید صبحک اللہ بہ صبح جدید  
عرب میں اسلام سے پہلے انگریزوں کی طرح سلام کے الفاظ موقت ہوتے تھے۔ صبحک اللہ (گڈ مارنگ) کی جگہ بولا کرتے تھے۔

جان من و سلسلہ زلف تو علققت الروح بحبل الوریث  
تیری زلف کے ساتھ میری جان اس طرح اٹکی ہوئی ہے جس طرح شاہ

گ کیساتھ روح بالکل نیا خیال ہے جس میں جسمانی شے کیساتھ غیر جسمانی کے تعلق کا پورا ثبوت ہے۔

بروم تیغ تو قضا کردہ نقش انت حدید لک باس شدید  
دوسرا مصرعہ آیت وانزلنا الحدید فیہ باس شدید سے اقتباس کیا گیا ہے۔

چشم تو بس کروز خونریز خلق غمزہ بفریاد کہ ہل من مزید  
دوسرا مصرعہ یوم یقول لجہنم ہل امتلئت و تقول ہل من مزید سے اقتباس کیا گیا ہے۔

دیگر بباد در جوش است و رنداں منتظر  
ساقیا خذ ما صفادع ما کدر  
گدلم بشکست خوش عالم کہ دوست  
مطمئن عند قلب منکسر  
دیگر صنی در دل مایافتہ راہ  
نحن لا نعبد الا ایاہ  
فیضی ازبت نشکبید ہرگز  
وہو من امن الا باللہ  
دیگر نوشتہ اند بطاق رواق میخانہ  
کتابہ و من الماکل شئی حی  
بعض غزلیات ایک مضمون کی ہیں جو خاص موقع پر لکھی گئی ہیں۔

بیک دو روزمہ روزہ بروتاب مرا  
کہ بر شکست چنین رنگ آفتاب مرا  
ز تشنگی لب اور خشک بنگر اے ہمد  
وگر میرس سب دیدہ پر آب مرا  
مدار روزہ کہ از صدق نیتے کہ مراست  
کند فرشتہ بنامت رقم ثواب مرا  
بعض غزلوں سے قصیدہ کا کام لیتا ہے۔

تعالی اللہ چہ عید است ایس کہ دور آں نے بانم  
غنیمت دال بدور خسرو والا جلال الدین  
و لے از شوق محرومی سر از ذوق خالی را  
نشاط عید اسفندار ماہ جلالی را  
بادشاہ کی بیماری میں غزل لکھتا ہے۔

یارب ہماز پرو نازک نہال مارا  
چوں چشم خویش تا کے باشد ناتوانی  
بر مصحف جمالش بختائے دیدہ ما  
اے عافیت کجائی زیں خانہ سر بدر کن  
آن ماہ رابر آردازا احتراق امشت  
در خلقہ ملائک کریت تازہ گوئی  
غسل صحت بادشاہ کے بارے میں کہتا ہے۔

تا صحت است عنصر شاہ یگانہ را  
در خواب راحت اندو بیمار نکش  
گو شمع گوشہ گیر کہ از صبح عافیت  
اے عیش گریہ رفت زمن ورنہ کردے  
اے خوشدلی کی ماندی زین بزمگاہ دو  
کسی شعر میں خصوصیت ملکی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

زنام کشتی مے استوار کن فیضی  
کہیں واقعات تاریخی کو چھلکا دیتا ہے۔

فیضی بگروش قدح و مہدم کہ شاہ  
بعض غزلیں متروک نغور میں ہیں جن کے مضامین وغیرہ سے پایا جاتا ہے کہ حکیم ناصر و  
خسر و علوی بلخی کا تتبع کرتا ہے۔

ساقی دوران گزرز عہدہ سازی  
نے مے دانش ربا کہ مختشما نرا  
ساغر مے دہ بدور اکبر غازی  
ہچو سپہ آور و بسفلہ نوازی

نے مے بد خو کہ در دماغ رعونت  
 نے مے آتش منش کہ در صف مستال  
 نے مے پیباک دل کہ بر خر آرد  
 زال مے یکرنگ کز تصرف باطن  
 زآں مے صافی کہ عاکفاں صوامع  
 زال مے روشن نظر کہ باز نماید  
 زآں مے دریاء گہر کہ پاک بشوید  
 فیضی اگر در کشی زال مے بیعش  
 باد تہور و ہدبہ معرکہ تازی  
 شہرہ بود گر میس بہ شیشہ گذاری  
 ترک ہوس را ہوائے دست درازی  
 توبہ دہد چرخ راز شعبدہ بازی  
 خرقہ دل را ازو کنند نمازی  
 راہ حقیقت بعاشقان مجازی  
 از دل عارف خیال نقش طرازی  
 دور بنا شد کہ بردو کون بنازی

## بہار غزل

خاک چمن شد ز آب مشک تاری  
 قرضہ کافور ریخت شاخ شگوفہ  
 بر سر ہر شاخ جلوہ گر شد گلہا  
 از پے دو شیز گان جملہ گلشن  
 دور نظر بازی است و حسن پرستی  
 غنچہ و زرگس رسیدہ اند فراہم  
 جام مے لالہ گون و طرہ ساقی  
 آتش گل کر دباد بہاری  
 سنبل مشکین بسبوخت عود قماری  
 کردہ چو طفلان باسپ چوب سواری  
 آب صفت خاک کرو آئینہ داری  
 وقت گل افشانی است و بادہ گساری  
 کوش کہ دل رابدست دیدہ سپاری  
 فیضی اگر عاقلی زکفت بجداری

قصاید بہت کم ملتے ہیں۔ جس قدر دستیاب ہوتے ہیں وہ یا تو فخریہ ہیں یا  
 مواعظ و نصائح سے پر۔ مدحیہ قصائد بہت کم لکھے ہیں اور وہ بھی خصوصیات کیساتھ  
 بادشاہ کی مدح میں ہیں۔ میرا ارادہ ہے کہ تذکرہ عرفی میں ان دونوں کے ان قصائد کا جو  
 ایک زمین میں لکھے گئے ہیں موازنہ و مقابلہ کر کے دکھلاؤں۔ ایک فخریہ قصیدہ کا مطلع

ہے۔

اگر حضرت سلطان رہ سخن داری مباد خاموشیت بہر خویشتن داری  
قصائد کے کم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ فیضی نے دربار میں داخل ہونے سے  
پیشتر جو قصائد امرائے دولت کی مدح میں لکھے تھے۔ وہ بالآخر سب کے سب غارت کر  
دیئے۔ چنانچہ فیضی خود کہتا ہے۔

ہمت از خاک بر کشیدہ من	فیضیم شاعر تو نگر دل
طمع پیر ہن دریدہ من	گشتہ آستین ہمت گم
ہست خونناہ چھیدہ من	ایں سواد سخن کے مے نگری
مغنی خاص آفریدہ من	آفرینندہ شاہد است کہ ہست
جلوہ طبع شوخ دیدہ من	برودہ ہوش دل نظارگیاں
جنبش کلک سربریدہ من	بود در کوچہ ہائے تنگ خیال
عزل و مثنوی گزیدہ من	باشدا کنوں ز جنس ہائے سخن
عشق بستر داز جریذہ من	ہرچہ گفتم بمدح اہل و دل
از غزلہائے سر قصیدہ	ورنہ مے شد شگرف دیوانے

دیگر

کہ تا کجا بود اندازہ مساعی ما	ایا مسافر انظارہ نظم و نثر ہیں
ہنوز تا کجا ہا کشد دواعی ما	ہزار گونہ سخن از زبان اسر زد
چو امتداد پذیر دخط شعاعی ما	بآفتاب شود منتہی بوقت نظر
کہ شدر قمرزدہ کلک اختراعی ما	زہر تذکرہ اہل دیدہ منتجے است
قصیدہ و غزل و قطعہ و رباعی ما	وگر نہ در عدداز ہمگنا کم نیست

سواطع الہام۔ قرآن مجید کی تفسیر عربی زبان اور بے نقطہ الفاظ میں ہے۔ اس  
تفسیر سے فیضی کا کمال تخر دستگاہ ادب و انشاء بخوبی عیاں ہے۔ حروف مہملہ کا اتنا التزام

کیا ہے کہ نام بھی بدل ڈالے ہیں۔ سر لوح پر بسم اللہ الرحمن الرحیم کی جگہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہے۔ جس میں کوئی منقوٹ حرف نہیں۔ سورہ اخلاص میں اس تفسیر کی تاریخ لکھی ہے۔ جاہل لوگوں نے اس تفسیر کی نسبت مشہور کر رکھا ہے کہ فیضی نے ایک قرآن بنایا اور اکبر کو رسول الف ثانی قرار دیا تھا۔ یہ تفسیر مطبع نولکشور میں چھپ چکی ہے۔

موارد الکلم۔ علم اخلاق کی کتاب ہے۔ یہ بھی غیر منقوٹ حروف میں لکھی گئی ہے۔ روضۃ الادباء میں اس کتاب کی چند سطور بھی نقل کی گئی ہیں۔ فیضی نے خود بھی اس کتاب پر فخر کیا ہے۔

طبع مشکل پسند من اکثر مشکلات بدیع ملتزم است  
سلک ہائے بلاغت از کلمہ باسالیب خاص منتظم است  
گرد لیے بدیں خواہی در کتاب مور الکلم است

ان تصنیفات کے علاوہ اکبر نے ترجمہ کا محکمہ قائم کیا تو فیضی اس کا مہتمم اور افسر اعلیٰ قرار دیا گیا۔ رامائن، بیتال، پچھسی، بھاگوت، مہا بھارت اور جوگ، بشٹ و غیرہ کے جو ترجمے ہوئے وہ سب اس کے قلم سے اصلاح لیکر نکلے۔

تعلیم سنسکرت :- فیضی نے سنسکرت کیونکر پڑھی۔ یہ تمام روایت داستان نما ہے۔ مشہور ہے کہ فیضی بنارس پہنچا اور برہمن بچہ بن کر بنارس کے مشہور مہاودیا شالا میں داخل ہو گیا۔ چونکہ حافظہ تیز تھا ذہن صاف، فہم درست اور طبع سلیم۔ دل راغب اور علوم مکتبہ خصوصاً عربیت کی استعداد کی مدد۔ اس لئے تھوڑے سے عرصہ میں انتہائی تعلیم تک پہنچ گیا۔ تمام استاد اس کے عمدہ چال چلن اور اعلیٰ قابلیت کی وجہ سے نہایت درجہ محبت کیا کرتے تھے جب اس نے وطن کیلئے اپنے شفیق استاد سے اجازت چاہی تو اس نے ایک ہفتہ کے لئے اور ٹھہرا لیا اور اپنے گھر میں مشورہ کر کے یہ ارادہ کر لیا کہ



اپنی اکلوتی کنیا سے شادی کر دے۔ جب فیضی کو کہا گیا تو اس وقت اس نے صاف کہہ دیا کہ میں اس لڑکی کو ماں جانی بہن سمجھتا ہوں اور میں خود مسلمان ہوں۔ استاد یہ سن کر پیکر تصویر بن گیا اور تمثال بت ہو گیا۔ پھر آہ بھر کر کہا کہ تو نے کل ہندو دھرم کے ساتھ جل کیا۔ مگر اب بتلا کہ میرا حق استادی کیا اداء کریگا۔ فیضی نے عرض کیا۔ آپ یہ کیا فرماتے ہیں۔ میں دل و جان سے آپکی پدرانہ اور استادانہ شفقت و عاطفت کا ممنون و مرہون ہوں اور میری استطاعت سے باہر ہے کہ میں آپ کے انعام و احسان کا حق ادا کر سکوں۔ استاد نے کہا تاہم میں ایک خاص عہد لینا چاہتا ہوں کہ تو گائیتری منتر کا ترجمہ نہ کرنا۔ فیضی نے عہد کیا اور میثاق غلیظ کے ساتھ اس عہد کو موکد کیا۔ چنانچہ اس فاضل نے منتر کو اس طرح لکھ کر ترجمہ نہ کرنے کی یہی وجہ تحریر کر دی۔

فیضی کا مذہب :- یہ بیان کیا گیا ہے کہ فیضی ابو الفضل نے دنیا کو دین پر اختیار کیا اور دین کو دنیا پر نثار کر دیا۔ اکبر نے جس قدر مذہبی رنگ گرگٹ کی طرح بدلے۔ وہ سب فیضی و ابو الفضل کے اختراعات کا نتیجہ تھا۔ اکبر ان کے ہاتھ میں پتلی کی طرح تھا۔ یہ جو کچھ سمجھا دیتے اکبر دنیا کی شیخ پر اسی ایکٹ کو دکھلا دیتا۔ مذاہب جلالی اور دین الہی کے بانی مہانی بھی یہی تھے اور اکبر کو آفتاب پرستی بھی انہوں نے ہی سکھائی تھی۔ جن لوگوں کا یہ بیان ہے وہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ فیضی و ابو الفضل کو یہ ملحدانہ خیالات اپنے باپ شیخ مبارک سے وراثت میں ملے تھے۔

قارئین! کسی شخص کے مذہب پر رائے نہایت مشکل کام ہے اور مردہ شخص کو ملحد و مرتد بنانے کی سعی کرنا تو بے سود بھی ہے اس لئے اس روایت کو تسلیم نہیں کر سکتا۔ یہ سچ ہے کہ دونوں بھائی نورتن میں داخل تھے اور بادشاہ کی خلوت کے ہمراز تھے لیکن یہ سمجھنا کہ اکبر کے مذہبی خیالات کی مہارانی کے ہاتھ میں تھی، محض غلط ہے۔ اکبر کو تحقیقات مذہب کا شوق تھا اور پولیٹیکل وجوہ سے وہ ہندوؤں سے زیادہ ترمیل ملاپ

کو ضروری سمجھتا تھا۔ اور غالباً ہماری گورنمنٹ برطانیہ کی طرح سمجھا ہوا تھا کہ ہندوستان جسے ملک کشت زار مذاہب میں گورنمنٹ کو اپنا طریق عمل لاندہی رکھنا چاہیے۔ ان سب وجوہ کے ساتھ ہی وہ جاہل تھا اور ہر فرقہ کے منطقی و فلسفی دلائل کا سننا اور ایک دوسرے پر راج و مرجوح سمجھنا اس کے لئے مشکل تھا۔ اس لئے عمر بھر مذہب کو بھی وہ شاہی رنگ رلیاں سمجھتا رہا۔ لیکن ہم جب اکبر کے انجام کو دیکھتے ہیں تو ہر ایک تاریخ میں لکھا ہوا ملتا ہے کہ مرنے سے تین روز پیشتر اس نے قاضی اسلام کو بلایا۔ اپنے گزشتہ اعمال و اقوال افعال سے توبہ کی۔ عمر رفتہ پر اظہار ندامت کیا اور کلمہ شہادت پڑھ کر حاضرین کو اپنے متشہد کا گواہ بنایا۔ تو پھر کیونکہ یہ خیال ہو سکتا ہے کہ نورتن کے ان روشن اور قیمتی رنگوں نے دراصل ضمیر کی راستی اور اپنی لازوال روح کو ظاہر پر شمار کر دیا تھا۔

یہ مان لینا آسان ہے کہ فیضی ہاں میں ہاں ملا نیوالوں میں ضرور تھا۔ لیکن یہ یقین کرنا نہایت مشکل ہے کہ اسکے دلی معتقدات بھی اسلام کے خلاف تھے۔ نلد من میں جس بلاغت و فصاحت اور وسعت بیانی و زور کلامی کے ساتھ اس نے رسول کریم ﷺ کی نعت لکھی ہے اور عام مسلمانوں بلکہ عجز کی طرح ایمان بمعجزات کا اظہار کیا ہے اس کے مقابلہ میں ایسی روایتیں محض فضول معلوم ہوتی ہیں۔ ہاں میں ہاں ملاتے رہنے کا ثبوت اس کے اکثر اشعار میں سے ملے گا۔

آئینہ باسکندر و باکبر آفتاب

قسمت نگر کہ درخور ہر جوہرے عطا است

اس میخند معائنہ در آفتاب

او میخند معائنہ خود در آئینہ

رباعی

از جبہ شاہنشہ والا پیدا است

نور کے زمر عالم آراء پیدا است

اس نکتہ زینات اسما پیدا است

اکبر کہ بافتاب دارد نسبت

ایسے ایسے اشعار کو میزان فقہ میں تو لانا شاعرانہ مذاق سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ اشعار میں یہ لوگ دلی معتقدات نہیں بلکہ طبیعت کی شوخی اور فکر کی تیزی دکھلایا کرتے ہیں۔ شیخ سعدی جیسے ثقہ اور محدث ایک جگہ لکھتے ہیں۔ ”بازن خویش ہم پہلو بودم خوابوئے کرمانی آمد، و در مد، گفتم کیستنی، گفت منم، گفتم بازن خویش ہم سختم، ز نم بر آشفقت کہ مروک چہ میگونی، گفتم آخر شاعر ینستم بہر تو قافیہ گذارم“

اگر مذکورہ بالا اشعار یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ فیضی نے اکبر کو آفتاب پرستی سکھلائی تو عرفی شیرازی کو کیا کہو گے جس کے قصائد میں آفتاب ردیف کا پورا قصیدہ ہی موجود ہے وہ جہا تک میرا خیال ہے اس قصیدہ کے سوالور کوئی قصیدہ اس نے بادشاہ کی مدح میں لکھا ہی نہیں۔

ذہانت و طباعی :- سینکڑوں لطائف ایسے مشہور ہیں جن سے فیضی کی ذہانت و طباعی ظاہر ہوئی ہے۔ میں اس جگہ صرف دو پراقتصاد کرتا ہوں۔

۱۔ سلطنت ایران کا سفیر آیا اور مراسلہ بادشاہ کے ہاتھ میں دیا۔ بادشاہ نے خود ہی کھول لیا۔ سرنامہ نیچے اور پایاں اوپر۔ سفیر کے لبوں پر ذرا سی مسکراہٹ نظر آنے لگی۔ فیضی جھٹ بول اٹھا۔ ”در حضرت ما سخن مگو سید کہ پیغمبر ما نیز امی بود“

۲۔ شاہ عباس صفوی کے دربار میں طاہر وحید نے ایک رباعی پڑھی۔ رباعی اس قدر مقبول ہوئی کہ فوراً مراسلہ تیار ہوا اور ایک سفیر اردستان اکبر کی خدمت میں روانہ کیا گیا۔ مراسلہ کا دربار بڑے تزک و احتشام سے ہوا۔ رباعی پڑھی گئی۔

زنگی بہ فردانی لشکر نازد رومی بہ سان و تیغ و خنجر نازد

اکبر بہ خزائن پرازر نازد عباس و ذوالفقار حیدر نازد

عباس صفوی شیعہ تھا۔ یہ رباعی سنتے ہی اکبر نے گوشہ چشم سے فیضی کی جانب دیکھا۔ فیضی کھڑا ہو گیا اور فی البدیہہ رباعی پڑھ دی۔

دریا گہر فلک باختر نازد

فرودس بہ سلسبیل و کوشر نازد

عباس بہ ذوالفقار حیدر نازد

کونین بذات پاک اکبر نازد

سفیر اور عباس کو کھسیانا ہونا پڑا۔ اور شعرائے ایران نے فیضی کی روانی طبیعت

کا اقرار کیا۔

وفات :- اب ہم اس بے نظیر جامع کمالات فاضل کے تذکرہ کو جو شعر و معرہ عروض و قافیہ 'تاریخ و نعت اور ادب و انشاء میں اپنا ثانی نہ رکھتا تھا (اور اہلکارانہ قابلیتیں ان سب پر مستزاد) ختم کرتے ہیں۔ بادشاہ کے تقرب و مصاحبت کو فیضی تو غالباً مساعدت نخت نیوری طالع اور بلندی اقبال تصور کرتا ہو گا۔ لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ دربارانہ زیست سے اس کے علم و فضل سے بہت کم فائدہ دنیا کو پہنچا۔ عدیم الفرصت تو تھا ہی۔ عمر نے بھی وفانہ کی۔ پچاس سال کی عمر میں شنبہ دہم صفر ۱۰۰۴ ہجری کو چند روز بیمار رہ کر انتقال کیا۔ اکبر بیماری کا حال سن کر عیادت کیلئے خود آیا۔ سر بالین بیٹھ گیا اور فیضی کا سر تکیہ سے اٹھا کر اپنے زانوں پر رکھ لیا۔ فیضی کو پکارنا شروع کیا۔ نہایت محبت اور قلق کے لہجہ میں چند بار کہا۔ "فیضی! آنکھیں کھول۔ دیکھو میں تیرے پاس آیا ہوں۔ حکیم علی گیلانی کو ساتھ لایا ہوں" مگر فیضی پر ایسی گہری یہوشی طاری تھی کہ نہ اس نے آنکھ کھولنی تھی نہ کھولی۔ ابو الفضل لکھتا ہے کہ مرنے سے چار روز پیشتر مجھ کو کہا بادشاہ سے ۴ یوم کی رخصت لیکر میرے پاس ہی بیٹھ رہو۔ میں نے رخصت لے لی۔ چوتھے روز ہی انتقال ہو گیا اور پشین گوئی صحیح نکلی۔ صاحب جامع التواریخ لکھتا ہے کہ شیخ فیضی اور کمال جید حکیم ہمام کا بہ ترتیب ذکر ایک ماہ کے اندر انتقال ہوا۔ سکندر اشک حسرت رینخت کا فلاطوں ز عالم شد



## عبدالحمید کاتب

عبدالحمید اپنی فصاحت و بلاغت اور انشاء و کتابت کیلئے وہی شہرت عربی زبان کے سحر پردازوں میں رکھتا ہے جو علامہ ابو الفضل فارسی کے انشاء نگاروں میں۔ یا اس سے بھی بڑھ کر۔ کیونکہ عبدالحمید کو موجد طرز خاص تسلیم کیا گیا ہے۔ عبدالحمید ابتدا میں مکتب پڑھایا کرتا تھا۔ لیکن آخر میں مروان بن محمد آخر ملوک بنی امیہ کا میر منشی بن گیا تھا۔ اس نے انشاء کی اصلاح سالم مولیٰ ہشام بن عبدالملک سے لی تھی۔ علم اور ادب کا امام اور خطوط و رسائل اور فرامین طرز خاص کا موجد تھا۔ طول و طویل لکھتا اور ہر فقرہ میں بلاغت و جدت کا ثبوت ہوتا۔ اس کے بعد جتنے انشاء نگار ہوئے سب نے اس کی طرز کو اختیار و پسند کیا۔ یہ پہلا شخص ہے جس نے حمد کے متعلق خطوط میں التزام کیا تھا۔

ایک روز کسی افسر نے ایک حبشی غلام اس کے پاس ہدیہ میں بھیجا۔ چند احباب بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے کہا کہ ایک مختصر خط میں اس کی رسید لکھو جس سے بھیجنے والے کی مذمت بھی نکلے۔ عبدالحمید نے قلم اٹھا کر لکھ دیا۔ ”دنیا میں سیاہ رنگ سے بدتر کوئی رنگ اور ایک سے کمتر کوئی عدد ہوتا تو میں بھی ہدیہ پیش کرتا“۔ ایک شخص آیا اور اس نے کسی کے نام سفارشی خط چاہا۔ عبدالحمید نے اس کے ہاتھ پر لکھ دیا۔ اس نے آپکو امید گاہ اور مجھے شفاعت خواہ سمجھا۔ میں اپنا کام کئے دیتا ہوں امید ہے کہ آپ بھی اس کے خیال کو سچا ثابت کریں گے“ عبدالحمید کہا کرتا تھا۔ ”بہترین انشاوہ ہے جس کے

الفاظ مردانہ اور معانی معشوقانہ ہوں“ کہا کرتا۔ ”قلم وہ شجر ہے جسے الفاظ کے پھل لگتے ہیں اور فکر وہ بحر ہے جس سے درحکمت نکلتے ہیں۔“

عبدالحمید نے صرف ایک ہی گھوڑا اپنی سواری میں رکھ چھوڑا تھا اور ہمیشہ اسی پر سوار ہوا کرتا تھا۔ مروان نے اس کی وجہ پوچھی۔ کہا ”کھاتا کم ہے اور لمبا زمانہ کٹا چکا ہے۔“ پوچھا رفتار کیا حال ہے کہا، ”صرف ایک چابک اس کا ہمرکاب ہوتا ہے اور صرف جائے مقصود اس سے آگے۔ جب کبھی میں نے اسے چابک لگایا تو اس پر ظلم کیا ہے۔“

جب مروان کو بنو عباس کی متواتر فتوحات سے یقین ہو گیا۔ کہ سلطنت نہ رہے گی تو عبدالحمید کو کہا بہتر ہے کہ تم ظاہر اباغی بن کر دشمن سے جا ملو۔ تمہارے فضل و مال کی کسے حاجت نہیں۔ وہ جلد تم پر بھروسہ کر لیں گے۔ پھر اگر تم مجھے کسی طرح کا نفع پہنچا سکو گے تو بہت خوب ہو گا ورنہ تمہاری عزت و آبرو تو بہر حال بنی رہے گی اور یہ بھی میرے لئے کچھ کم اطمینان کا موجب نہ ہو گا۔ عبدالحمید نے کہا کہ میں حضور کے ارشاد کو سمجھا۔ میرے لئے اس کے دونوں پہلو خراب ہیں اور حضور کیلئے دونوں صورتیں اچھی۔ میں جز صبر اور کیا کر سکتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ یا آپ کو فتح دے اور مجھے کامران بنائے یا حضور کیساتھ میرا بھی فیصلہ چکائے۔ پھر یہ شعر پڑھا۔

استرو فاء تم اظہر عذرہ فمں لی بعدر بوسع الناس ظاہرہ

چند روز کے بعد مروان پکڑا گیا اور قتل ہوا تو عبدالحمید بھاگ گیا۔ ایک گاؤں میں پہنچا اس کا نام پوچھا تو معلوم ہوا ابو صیر۔ عبدالحمید الی اللہ المصیر پڑھ کر ٹھہر گیا۔ وہیں اس کا دوست ابن لطفیع تھا۔ اس کے پاس جا ٹھہرا۔ سوار تعاقب میں تھے۔ وہ سراغ لیتے ہوئے اس کمرہ میں پہنچے۔ دونوں احباب بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے پوچھا۔ تم میں سے عبدالحمید کون ہے۔ یکبارگی دونوں کے منہ سے آواز آئی میں۔ ابن

المقفع نے میں کہنے میں اس لئے جلدی کی کہ اس کی آفت جھیل لوں اور عبد الحمید نے اس لئے کہ میری مصیبت کا نشانہ میرا دوست نہ بن جائے۔ سوار حیران تھے کہ کسے گرفتار کریں۔ عبد الحمید نے کہا کہ تم کو حلیہ بھی بتلایا گیا ہو گا اور یہ ایسے نشانات ہیں جو دوسرے شخص میں ہرگز نہ پائے جائیں گے۔

سواروں نے غور اور تامل کے بعد اسی کو گرفتار کر لیا۔ سفاح عباسی کے سامنے اسے حاضر کیا گیا۔ اس نے عبد الجبار کو توال کے سپرد کر دیا۔ اس سنگدل گرگ طبع نے جس برے طریق پر اس کی جان لی ہے اس سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ طشت میں آگ بھر کر اس کے سر پر رکھ دیا جاتا۔ آگ بجھ جاتی تو اور ڈال دیتے۔ دماغ ہنڈیا کی طرح پکا۔ اور اس مستقل مزاج کاتب بلخ نے تلخ موت کا ذائقہ کشادہ پیشانی سے چکھا۔ یہ واقعہ ذی الحج ۱۳۲ھ کا ہے۔ عبد الحمید کو ابو الفضل بتلایا گیا تھا۔ سو تلخ انجامی اور جو انمردی میں بھی دونوں کے اندر وجہ تشبیہ موجود ہے۔

عبد الحمید نے ایک وصیت اہل کاران دربار کے نام لکھی تھی۔ ذیل میں اس کا ترجمہ لکھا جاتا ہے۔ یہ آج سے ایک ہزار یا گیارہ صدی پیشتر کے خیالات ہیں ان کے مقابلہ میں چٹرفیلڈ وغیرہ کے خیالات کا موازنہ کرنا چاہیے۔

اے اہل قلم! خدا تمہیں آفات سے بچائے۔ توفیق خیر دے اور راہ ہدایت دکھلائے۔ یاد رکھو کہ انبیاء اور ملوک کے بعد نسل انسانی کی چند صفیں ہیں (گو بلحاظ نوع وہ سب ایک ہیں) ہر ایک صنف کے اسباب معاش جدا ہیں اور اب زرق جدا۔ خدا نے تم کو اہل قلم و اہل علم بنایا اور بہترین صف میں ٹھیرایا۔ محاسن سلطنت کا انتظام اور امور سیاست کا قیام تم لوگوں پر ہی منحصر ہے تمہارا نیک رویہ سلطنت کو مخلوق کی بہبود کا ذریعہ بناتا۔ اور آبادی ملک کا سبب بنتا ہے۔ ملک اور اہل ملک کا تمہارے بغیر چارہ نہیں۔ تم ماکان سلطنت کیلئے ان کے سننے والے کان، دیکھنے والی آنکھیں، بولنے والی زبان

اور کام کرنے والے ہاتھ ہو۔ خدا تمہاری اس برتری کو جو تمہیں دیگر اصناف پر ہے قائم رکھے۔ اور جس دسترخوان پر تمہیں بٹھایا گیا ہے۔ اس سے ذائقہ یاب ہونے کی توفیق دے۔ میں اس تحریر میں ان کی صفات کا ذکر کروں گا۔ جس کی ضرورت تم کو خود اپنے لئے بھی ہے اور اپنے آقا کا بھروسہ حاصل کرنے کے لئے بھی۔

اہلکار کے لئے ضرور ہے کہ بردباری کی جگہ حلیم اور جزور سی کے موقع پر فہیم۔ جہاں آگے بڑھنا چاہیے۔ بڑھ جائے اور جہاں ہٹنا چاہیے ہٹ جائے۔ فسق و فجور کا دشمن اور عدل و انصاف سے مزین ہو۔ راز کا بہت چھپا نیوالا اور سختیوں میں پورا اترنے والا ہو۔ ہر امر و ہر طریق کی مناسبات کا شناسا ہو۔ فنون علم میں سے ہر فن میں کمال رکھتا ہو اگر کمال نہ رکھتا ہو تو بقدر ضرورت ہر ایک میں اسے دخل تو ضرور ہو۔ وہ اپنی صائب رائی اور وسیع تجربہ کاری سے ہونے والی صورتوں کو ہونے سے پہلے اور معاملات کے انجام کو خاتمہ سے پیشتر معلوم کر سکتا اور ہر ایک تدبیر نکال سکتا ہو۔

ہاں اے اہل قلم صنوف آداب کے میدان میں آگے بڑھنے کیلئے نکلو اور تفقہ فی الدین حاصل کرو۔ پہلے قرآن مجید اور فرائض سیکھنے چاہئیں اور پھر عربیت (کیونکہ زبان دانی کا معیار یہی ہے) خوش خطی ضروری چیز ہے اور تحریر کا زیور بھی ہے۔ تحریر میں اشعار کا استعمال اور عرب و عجم کے واقعات تاریخیہ کے حوالہ اور عادات و خصائل اہل ملک سے استدلال بھی ضروری ہے اور اسی سے ہمت بلند کا پتہ چلتا ہے۔ دیکھنا علم حساب سے بے خبر نہ رہنا۔ محاصل و مخارج کی جان یہی علم ہے طمع کسی بڑی چیز کی ہو یا چھوٹی کی۔ بالکل چھوڑ دینی چاہیے۔ اسی سے افسر بگڑتے اور ذلیل ہوا کرتے ہیں۔ تمہیں لازم ہے کہ اپنے پیشہ کو کمینہ پن سے بچاؤ۔ اور اپنے آپ کو غیبت، چغلی اور دوزخی سے پاک و صاف رکھو۔ تکبر چھچھورا پن اور لاف زنی سے قطعاً پرہیز چاہیے۔ ان سے عداوت تو ضرور ہو جاتی ہے اور محبت کبھی بھی نہیں۔ اہل علم کے ساتھ للہی محبت رکھو۔ جو کچھ



اہل فضل و کمال کو شایاں ہے اس کے لئے باہمی نصیحت کرتے رہو۔ اگر تم میں سے کوئی شخص گردش زمانہ میں آجائے تو اس کے ساتھ نرمی و محبت اور سلوک سے دریغ نہ کرو اور اگر کسی کو پیرانہ سالی و ضعف قویٰ نے ملنے جلنے سے معذور کر دیا ہو تو خود جا کر اس سے ملتے رہو اور اہم معاملات میں اس سے مشورہ لیتے رہو۔ اس کی وسعت معلومات اور تجربہ سے فائدہ اٹھانے میں پس و پیش نہ کرو اور اپنے آقا کے ساتھ اس کے فرزند و برادر سے بڑھ کر سلوک کر کے دکھلاؤ۔ اگر کسی کام سے نیک نامی اور خوبصورتی نکلتی ہو تو اسے آقا سے منسوب کرو اور جس سے نقص یا مذمت نکلے اسے دیگر اسباب سے۔ اگر آقا کی حالت میں تغیر آجائے تو اس وقت تم کو لغزش و ذلت سے بچنا چاہیے۔ اور اس کا ساتھ دینے میں غم و اندوہ نہ کرنا چاہیے کیونکہ اوروں کی بہ نسبت تم بدنام بھی جلد ہو سکتے ہو۔

(میں اسی بات کو پھر دہلشین کرانا چاہتا ہوں) کہ جو تمہاری ضرورت کا متکفل رہا اور ہمیشہ تمہاری تربیت کا اس نے خیال رکھا تو اس کے ساتھ تنگی و ترشی ناکامی و بدبختی میں بھی اس طرح رہنا چاہیے جس طرح نعمت و دولت ترفہ و احسان کی حالت میں تھے۔ یہ خصلت بہت بڑھ کر ہے۔ خدا جس کے نصیب کر دے۔ جب کوئی شخص تمہارا مخالف ہو جائے۔ یار عایا کا بڑا معاملہ آپڑے اس وقت اپنے دل کو خدائے عز و جل کی طرف لگا کر مراقبہ کرنا چاہیے اور اس کی طاعت کو اپنے نفس پر حاکم کر لینا چاہیے۔

اہلکار کو لازم ہے کہ ضعیف کار فیتق ہو اور مظلوم کا انصاف کرے۔ یاد رکھو کہ مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے اور وہی شخص خدا کو زیادہ پیارا ہوتا ہے جو اس کے کنبہ پر زیادہ مہربان ہے۔ لازم ہے کہ حکومت عدل کے ساتھ کرے۔ اشراف کی عزت کرتا رہے۔ آبادی ملک اور آمدنی سلطنت کی ترقی میں کوشاں رہے۔ رعایا کیساتھ محبت رکھے

بردباری اور تواضع کا اظہار کرے۔ حقوق سلطنت کو پورا کرنے اور محاصل کی تشخیص میں نرم برتاؤ کرے۔ جب کسی نئے شخص کے تعلقات تمہارے ساتھ شروع ہوں تو اس کی عادت پر خوب غور و پرداخت کرو۔ پسندیدہ عادات میں ساتھ دو اور ناپسندیدہ کو بہترین تدابیر سے درست بناؤ۔ اس چابک سوار کو دیکھو۔ جس کا کام گھوڑے کو سدھانا ہے۔ وہ سب سے پہلے اس کے مزاج سے واقفیت حاصل کریگا۔ اگر گھوڑا لات چلانے والا ہے تو سوار ہوتے ہوئے اسے چابک نہیں لگاتا اور اگر سیدھا کھڑا ہونی والا ہے تو اسے روکے رکھتا ہے اور جب دیکھتا ہے کہ نہیں رکتا تو زیر بند لگا دیتا ہے۔ اگر گھوڑا سرکش ہوتا ہے تو بہ نرمی و آہستگی اس کو طبیعت پر چھوڑ کر سیدھا کر لیتا ہے اور جب خوگر ہونے لگتا ہے تو پورا پورا سدھا لیتا ہے۔ اس مثال میں اس شخص کے لئے جس نے بنی آدم پر سیاست کرنی ہو بہت سے دلائل ہیں۔ بلکہ مدبر کا کام اس سے بھی زیادہ نازک ہے کیونکہ چابک سوار کا تعلق ایک حیوان سے ہے جسے فہم و خطاب و معرفت صواب اور قدرت جواب حاصل نہیں (اور جو تھوڑی سی سمجھ ہے بھی وہ بھی محدود) برخلاف مدبر کے جس کا تعلق اپنے ہی جیسے بنی نوع سے پڑتا ہے۔ پس ضروری ہے کہ نرمی کے ساتھ غور کرے اور کامل فکر و رویت کے بعد حکم دے۔ تم ان لوگوں کے ساتھ جن کا سابقہ تم سے پڑتا ہے صلح جوئی و امن خواہی سے چلو اور حلم و برداشت رکھو۔ سب تمہارے موافق ہو جائیں گے اور برادرانہ محبت و شفقت قائم ہو جائے گی۔ یہ بھی یاد رکھو کہ مکان، لباس، سواری، خورد و نوش، نوکر چاکر اور سلاحات وغیرہ میں ضرورت اور آسائش سے بڑھ کر تجاوز نہ کرو۔ کیونکہ خواہ تم کیسے ہی اعلیٰ عمدہ پر ہو، تاہم ایک خادم ہو۔ جس کی تفصیر خدمت قابل معافی نہیں ہے۔ یا ایک محافظ ہو۔ جسے ضایع کرنے کا کوئی اختیار نہیں۔ میانہ روی کو اپنی پرہیزگاری کا معین بناؤ اور فقرہ بالا پر اچھی طرح سے کار بند رہو۔ میں تم کو بہبودہ آرائش پسندی کے برے انجام اور اسراف کے

خوفناک خاتمہ سے ڈرانا چاہتا ہوں۔ ان دونوں کا لازمی نتیجہ فقر و ذلت ہے۔ جو شخص ان کو پسند کرتے ہیں وہ انہی کو خوار و نگوں سا رہتے ہیں۔ معاملات کی حالت یہ ہے کہ آپس میں ملتے جلتے ہوا کرتے ہیں اس لئے پچھلے تجربہ سے سامنے آئے ہوئے معاملہ میں کام لینا چاہیے اور تدبیر کی وہ راہ اختیار کرنا چاہیے جس پر واضح اور سچی دلیل قائم ہو سکے۔ نیز جو انجام خیر ہو۔

یاد رکھو کہ تدبیر کیساتھ ایک آفت بھی لگی ہوئی ہے یعنی مدبر کی مصروفیت! جس کی وجہ سے وہ اپنے علم و تجربہ سے کام نہ لے سکے۔ پس شایان یہ ہے کہ اپنی جگہ بیٹھ کر بولنے سے پہلے پورا غور کرے اور سوال و جواب میں مختصر و پر معنی الفاظ استعمال کرے اور دلیل کے ہر ایک پہلو پر نظر دوڑائے۔ اس طریق سے کام اچھا بھی ہو گا اور زیادہ مصروفیت سے آرام بھی ملے گا۔ معہذا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق و امداد کا بھی ملتجی رہے کہ اسے ایسی غلطی میں جس کا ضرر مادی و عقلی و اخلاقی ہو جا پڑنے سے محفوظ رکھے۔

کسی شخص کو لائق و کارکن دیکھ کر تم ایسا خیال نہ کرو کہ یہ صرف اپنی چالاکی و تدبیر سے ایسا ہو گیا ہے۔ ایسا خیال کرنا تو اللہ تعالیٰ کیساتھ حسن ظن سے تعرض کرنا ہے اور بمنزلہ اس امر کے ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے نفس پر ہی چھوڑ دے۔ جو ہرگز کافی نہیں ہو سکتا۔ یہ بھی نہ چاہیے کہ تم اپنے آپ کو دیگر شریک الخدمت اہلکاروں سے علم و تجربہ میں بڑھ کر سمجھتے رہو اور دل میں کہا کرو کہ شطرنج تدبیر کا کھلاڑی ہمارے برابر کوئی بھی نہیں دو شخصوں میں زیادہ تر عاقل وہ ہے جو عزور کو پس پشت ڈال کر اپنے رفیق کے طریق و تدبیر کو بہتر سمجھتا ہو اور دونوں کو لازم یہ ہے کہ نعمت ہائے ربانی کے فضل کا شناسا ہو۔ مگر نہ اپنی رائے پر اترائے اور نہ اپنے آپ کو بڑا ٹھیرائے اور نہ اپنے بھائی یا مصاحب یا شریک الخدمت کو حقیر سمجھے۔ میں اپنی تحریر کو حمد الہی پر جو سب پر فرض ہے ختم کرتا ہوں۔ کون

ہے جسے عظمت الہی کے سامنے تواضع اور عزت الہی کے سامنے ذلت اختیار کرنی نہ چاہیے۔ یا اپنے دل و زبان کو ذکرِ نعمت ہائے ربانی میں تر زبان نہ رکھنا چاہیے؟



## ابو بکر محمد بن زکریا رازی

یہ مشہور و نامی طبیب عنقوان شباب تک جاہل رہا۔ لڑکپن میں عود بجاتا اور گایا کرتا تھا۔ جب داڑھی نکل آئی اور گلے کا سیلا پن جاتا رہا تو کہا جو آواز ریش و برودت میں سے نکلتی ہے وہ دوسرے کو خوش نہیں کر سکتی۔ الغرض خنیاگری و نغمہ سرائی کو چھوڑ کر پڑھنا شروع کیا اور طب و فلسفہ کی جانب کامل توجہ سے مصروف ہو گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ جب اس نامی طبیب نے پڑھنا شروع کیا اس وقت وہ چہل سالہ تھا۔ طب میں اس کا استاد حکیم ابوالحسن علی بن زین الطبری ہے جو پہلے عیسائی تھا اور پھر مسلمان ہو گیا تھا۔ فرودس الحکمۃ اسی کی تصنیف ہے۔

محمد بن زکریا اپنے زمانہ میں طب کا امام تھا۔ دور دور سے لوگ اس کے پاس علم پڑھنے اور علاج کرانے کیلئے آیا کرتے تھے۔ طب میں جس قدر کتابیں اس نے تصنیف کی ہیں وہ سب نافع اور فوائد جلیلہ کی جامع ہیں۔ جو مسئلہ اطبا کے نزدیک مختلف فیہ سمجھا جاتا ہے اس میں ابن زکریا کا قول محکم تصور کیا جاتا ہے۔ اس کی تصانیف میں سے کتاب الاعصاب، کتاب الجامع، کتاب الحاوی، بہت بڑی کتابیں ہیں۔ موخر الذکر کتاب تیس ضخیم جلدوں میں ہے۔ کتاب چھوٹی ہے لیکن مسائل علمیہ اور عملیہ اس میں بھی چیدہ چیدہ درج کئے ہیں۔

آخر عمر میں یہ مشہور فاضل نابینا ہو گیا تھا اور اس کا سبب بھی اس کی ایک مصنفہ کتاب تھی جو صناعت کیمیا پر لکھی گئی تھی اور جس میں کیمیا کے صحیح ہونے کی

دلائل اور چاندی سونا بنانے کے نسخے اور ترکیبیں متعدد درج ہیں۔ حکیم اس کتاب کو لیکر بغداد سے خراسان پہنچا اور منصور بن نوح بادشاہ کے حضور میں اسے پیش کیا۔ بادشاہ نے کتاب کو تعجب کی نگاہوں سے دیکھا اور حکیم کی بہت ہی تعریف کی نیز ایک ہزار اشرفی صلہ میں عطا فرمائی۔ کچھ دن کے بعد بادشاہ نے کہا کہ جو کچھ اس کتاب میں درج ہے میں اس کا تجربہ کرنا چاہتا ہوں۔ حکیم نے کہا اس کے لئے ہزاروں روپیہ چاہئیں۔ پھر خاص خاص آلات ہوں۔ وہ تمام ادویہ چیدہ اور عمدہ ہوں۔ پھر نہایت محنت کے بعد کچھ نتیجہ نکل سکتا ہے بادشاہ نے کہا یہ سب کچھ مجھے منظور ہے اور تمام سامان کا مہیا کر دینا میرا ذمہ ہے۔ ابن زکریا خاموش ہو گیا اور بادشاہ نے اپنی بات پر زور دینا شروع کیا۔ آخر حکیم سے مجزا قرار عجز اور کچھ نہ بن پڑا۔ بادشاہ نہایت خفا ہوا۔ کہا میں نہ سمجھتا تھا کہ ایک ایسا شخص جو طب و فلسفہ میں شہرت یافتہ ہے اپنی مصنفہ کتاب میں ہمیشہ کے واسطے جھوٹ کا پھیلا نا پسند کریگا اور خلق خدا کو ایسی مشقت و تعب میں ڈالنا چاہے گا۔ جس میں کچھ منفعت نہ ہو۔ خیر تصنیف کتاب میں جو محنت اور وقت تم نے صرف کیا اس کا صلہ تم لو دیا جا چکا لیکن اب اس جھوٹ پھیلانے کا سزا تم کو دی جائے گی۔ اس کے بعد حکم دیا کہ کتاب کو حکیم کے سر پر اتنی دفعہ مارو کہ کتاب پارہ پارہ ہو جائے۔ کہتے ہیں کہ اسی ضرب کے صدمہ سے حکیم کی آنکھوں میں پانی اتر آیا اور بینائی جاتی رہی حکیم نے بھی کچھ علاج نہ کیا۔ کہا دنیا کو دیکھ کر طبیعت سیر ہو گئی ہے اب بینائی کو کیا کرونگا۔

یہ قصہ ان لوگوں کیلئے سبق عبرت ہے جو کیمیا سازی کی دھن میں عمر گراں کو برباد کر دیتے ہیں اور بالآخر خانہ خراب ہو جاتے ہیں (اس حکیم کے مقولے یہ ہیں (۱) جب تک غذا سے علاج ہو سکتا ہے اس وقت تک دو لہ دو۔ (۲) جب تک مفرد دوا سے کام چل سکتا ہے مرکب ادویہ کا استعمال نہ کرو۔ (۳) جب طبیب عالم لور ہو مرلیض اس کی اطاعت کرتا رہے تو

سمجھ لو کہ مرض جلد جاتا رہے گا (۴) مرض کا علاج ابتدا ہی میں کرنا چاہیے۔ کیونکہ اس وقت تک طاقت بنی ہوئی ہوتی ہے۔ اس مشہور حکیم نے اسے کو انتقال کیا تھا۔







# قاضی القضاة



## قاضی شریح

کبار تابعین میں سے تھے۔ زمانہ جاہلیت بھی پایا تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے ان کو کوفہ کا قاضی مقرر فرمایا۔ ۷۵ برس برابر قاضی رہے۔ اس عرصہ میں صرف تین سال قضاء سے باز رہے۔ یہ زمانہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے فتنہ کا تھا۔ آخر میں حجاج بن یوسف نے ان سے استعفاء لے لیا۔ اس کے بعد کبھی دو شخصوں کے جھگڑے میں گفتگو تک نہ کی۔ رائے صائب، عقل صحیح ذکا و فطنت، رسم و رواج سے پوری معرفت کی مجموعی شان سے ان میں قضاء کی اعلیٰ قابلیت تھی۔

ابن عبد اللہ کہتے ہیں کہ قاضی شریح نہایت عمدہ شاعر تھے اور مساوات امر میں سے ایک تھے۔ جو چار شخص ہیں۔ عبد اللہ بن زبیر، قیس بن سعد عبادہ اور احنف بن قیس (جو بردباری میں ضرب المثل ہیں)۔ طبیعت میں مزاح بھی تھا۔

ایک شخص نے عورت کے رخصت کرانیکا دعویٰ کیا۔ تکمیل مسل کے بعد مدعی کو کہا کہ میں تیری ماں کے بیٹے (یعنی تیرے) حق میں فیصلہ کرتا ہوں اور اس بارے میں تیری خالہ کی بہن کے بیٹے (خود مدعی مراد ہے) کی شہادت کافی سمجھتا ہوں۔ کہتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنی خلافت میں ان کو معطل کرنا چاہا تھا لیکن لوگوں نے کہا کہ فاروقؓ کے مقرر کردہ قاضی کے سوا ہم دوسرے پر رضامند نہیں۔ اس لئے حضرت علی مرتضیٰؓ خاموش ہو گئے۔ بعض کہتے ہیں کہ

حضرت علی مرتضیٰ نے جامع مسجد میں سب لوگوں کے سامنے ان کی لیاقت کا امتحان لیا اور جب ان کی قابلیت و جوہر کے اوصاف معلوم ہوئے تو افضل الناس یا افضل الحزب کا خطاب عطا فرمایا۔

ایک دفعہ انہوں نے اپنی بیوی کو مارا پھر اس حرکت پر نادام ہوئے تو اشعار ذیل تصنیف کئے۔

اریت رجلا یضربون نساء ہم فثلت یمینی یوم اضرب زینبا  
الضربها من غیر ذنب اتت بہ فما العدل منی ضرب من لیس مذنباً  
فرینب شمس و النساء کواکب اذا ما طلعت لم تبق منهن کوکبا

میں نے دیکھا کہ لوگ اپنی اپنی عورتوں کو مارا کرتے ہیں۔ چنانچہ میرا ہاتھ بھی زینب کو مارنے لگا۔ کیا میں اسے بلا قصور کے مارتا ہوں۔ بلا قصور کو مارنا تو عدل میں داخل نہیں۔ زینب تو آفتاب ہے اور دیگر عورتیں ستارہ۔ عورتیں اس کے سامنے یوں چھپ جاتی ہیں جیسے آفتاب کے سامنے کوکب۔

کہتے ہیں زیاد بن سمیہ نے امیر معاویہؓ کو لکھ بھیجا کہ عراق کا نظم و نسق تو میں نے بخوبی کر دیا اب حجاز کو میرے دست راست کا ماتحت بنا دے تاکہ اسے بھی عمدہ انتظام کے ساتھ تیرے لئے خاص بنا دوں۔ عبداللہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما مکہ معظمہ میں قیام پذیر تھے۔ دعاء کی کہ خداوند ہمیں زیاد کے پنچہ سے بچا۔ خدا کی قدرت اس کے ہاتھ پر طاعون کے آثار نمایاں ہو گئے۔ زیاد نے طبیبوں کو جمع کر کے مشورہ کیا تو سب نے ہاتھ کو کاٹ ڈالنے کا مشورہ دیا۔ پھر قاضی شریح بلائے گئے اور مشورت اطباء کے متعلق ان کی رائے دریافت کی گئی۔ فرمایا آپ کے لئے زرق معلوم اور اجل محتوم ہے اور میں پسند نہیں کرتا کہ آپ زندہ رہیں اور دست راست آپ کے ساتھ نہ ہو۔ یا اگر موت قریب آچکی تو آپ خدا کے حضور میں دست بریدہ پہنچیں اور جب اس بارے

میں سوال کیا جائے تو یہ کہنا پڑے کہ قضائے الہی سے بھاگنے کیلئے میں نے ایسا کیا تھا۔ خیر زیاد تو طاعون سے اسی روز مر گیا لیکن عام لوگ جن کو زیاد سے بعض دل تھا۔ شریح کو ملامت کرنے لگے کہ اس کا ہاتھ کیوں قطع نہ ہونے دیا۔ قاضی صاحب نے فرمایا کہ اس نے مجھ سے مشورہ لیا تھا۔ اور مشورہ میں امانت کا حکم ہے۔ اگر یہ حکم نہ ہوتا تو میں دل سے تو پسند کرتا تھا کہ ہر روز اس کا ایک ایک عضو قطع کیا جاتا۔

مولانا شبلی نے الفاروق میں قاضی شریح کی تقرری قضاء کا واقعہ یوں درج کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک شخص سے پسند کی شرط پر ایک گھوڑا خریدا اور امتحان کیلئے ایک سوار کو دیا۔ گھوڑا سواری میں چوٹ کھا کر داغی ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے اسے واپس کرنا چاہا۔ گھوڑے کے مالک نے انکار کیا۔ اس پر نزاع ہوئی اور شریح ثالث مقرر کئے گئے انہوں نے کہا کہ اگر گھوڑے کے مالک سے اجازت لیکر سواری کی گئی تھی تو گھوڑا واپس کیا جاسکتا ہے ورنہ نہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ حق یہی ہے اور اسی وقت شریح کو کوفہ کا قاضی مقرر کر دیا۔

ایک دفعہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ پر ایک غیر مذہب نے قاضی شریح کی عدالت میں مقدمہ دائر کیا۔ حضرت علیؓ اس وقت خود خلیفہ اسلام تھے۔ فریقین طلب ہوئے۔ قاضی شریح نے حضرت علیؓ کو عدالت میں تعظیم دی تو جناب ممدوح نے فرمایا کہ قاضی یہ تمہارا پہلا ظلم ہے۔ اللہ اکبر جس مبارک زمانہ میں بادشاہ وقت ایک غریب رعایاء کے برابر عدالت میں حاضر کیا جاسکتا ہو، اس کی آزادی کا کیا ٹھکانا ہے اور جہاں بادشاہ وقت کو بے موقع تعظیم دینا بھی قابل گرفت حرکت سمجھ کر اس کا ظلم بتایا جاتا ہو وہاں عدالت کرنا کیسا مشکل امر ہے۔

قاضی شریح نے ۸۷ھ میں ۲۰ برس کی عمر میں وفات پائی۔

## امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ

یعقوب نام ابو یوسف کنیت۔ قاضی القضاة خطاب۔ ۱۱۳ھ کو پیدا ہوئے۔ ہنوز آغوشِ مادر میں شیر خوار تھے کہ باپ نے انتقال کیا۔ بے کس ماں چرخہ کات کر اپنی گذران اور اس یتیم یاد ر یتیم کی پرورش کیا کرتی۔ جب کچھ ہوش سنبھالا تو ماں نے ایک ٹھہیرے کی دوکان پر ظروف مسی کا بنانا سکھنے کیلئے بیٹھلایا۔ قریب ہی حضرت امام اعظمؒ کا درس تھا۔ یہ دوکان سے اٹھ کر درس میں جا بیٹھتے۔ دکھیا ماں کو جب دوکاندار سے معلوم ہوتا کہ اس کا بچہ دوکان سے غائب ہے تو وہ حلقہ درس میں سے اٹھا کر ان کو لے جاتی۔ امام رحمۃ اللہ علیہ نے چند بار اس طرح ملاحظہ فرمایا اور ابو یوسف بھی چند روز تک درس سے غیر حاضر رہے۔ حتیٰ کہ امام نے خود ان کو طلب فرمایا اور غیر حاضری کا سبب پوچھا۔ کہا ماں کی اطاعت اور معاش کی ضرورت مجھے غیر حاضر رہنے پر مجبور کرتی ہے۔ اس وقت امام رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بہت سے لوگ بیٹھے تھے۔ ان کو بٹھلا رکھا۔ جب سب چلے گئے تو سو روپیہ ان کے حوالے کئے اور فرمایا کہ درس میں آیا کرو۔ جب یہ خرچ ہو لیں تو پھر مجھ سے کہہ دینا۔ ابو یوسف فرماتے ہیں کہ میں نے تو زبان سے کبھی نہ کہا کہ آج روپیہ ختم ہو گئے لیکن جس روز وہ ختم ہو جاتے خدا کی قدرت اسی روز امام رحمۃ اللہ علیہ مجھے روپے دے دیتے۔ غرض امام رحمۃ اللہ علیہ نے ایسی شفقت اور ایسی تربیت کیسا تھ ان کو روحانی و جسمانی فوائد و فیوض سے مالا مال بنا دیا کہ عمر کے آخری حصہ میں انہوں نے دین اور دنیا دونوں سے کافی تمتع اٹھایا۔

ابو یوسفؒ خود ہی فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میری ماں مجھے حلقہ درس سے اٹھانے کے واسطے آئی اور جھنجھلا کر امام رحمۃ اللہ علیہ سے کہنے لگی کہ لڑکے کو تو خراب کرتا ہے۔ میں کہتی ہوں کہ یہ بے پدر بچہ آنہ دو آنہ کا روزگار سیکھ لے تو اچھا ہے اور تو اسے کتابوں میں لگا لیتا ہے۔ امام نے فرمایا کہ یہ علم پڑھ کر روغن پستہ کیساتھ فالودہ کھایا کریگا۔ بڑھیا غصہ میں باہر نکل گئی اور گلی میں جا کر کہا کہ یہ بوڑھا سٹھیا گیا ہے جو ایسی باتیں کرتا ہے۔

ابو یوسف کہتے ہیں کہ میں ایک روز (قاضی القضاة بن جانے کے بعد) ہارون رشید کے پاس سے اٹھنے لگا۔ اس نے کہا یعقوب بیٹھ جاؤ۔ آج ہمارے ہاں ایک چیز تیار ہوئی ہے جو ہمیشہ نہیں ہوتی۔ تم بھی کھا کر جانا۔ میں نے پوچھا وہ کیا ہے۔ کہا روغن پستہ والا فالودہ۔ میں سن کر ہنس پڑا۔ رشید نے وجہ پوچھی۔ میں نے ٹالنا چاہا مگر جب اس نے نہایت اصرار کیا تو میں نے تمام قصہ سنا دیا۔ خلیفہ بھی نہایت متعجب ہوا اور بولا بخدا علم میں دینی اور دینوی فوائد دونوں ہی ہیں۔ پھر ابو حنیفہؒ پر رحمت بھیج کر کہنے لگا کہ جو کچھ وہ سر کی آنکھوں سے نہ دیکھ سکتے تھے اسے چشم دانش سے دیکھ لیتے تھے۔

تنوخی نے خلیفہ ہارون رشید کے پاس ابو یوسف کی رسائی ہونے کی وجہ یہ لکھی ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ کے انتقال کے بعد ابو یوسف کوفہ سے بغداد چلے آئے تھے۔ ایک فوجی سردار کو حنثِ یمین (قسم کا ٹوٹنا) کے متعلق ایک مسئلہ کی ضرورت پڑی۔ انہوں نے فتویٰ دیا کہ قسم نہیں ٹوٹی۔ اس نے شکرانہ میں بہت سا روپیہ پیش کیا اور اپنی ہمسائیگی میں مکان رہنے کو دیدیا۔ ایک روز فوجی افسر خلیفہ کے پاس گیا۔ دیکھا مغموم بیٹھا ہے۔ وجہ دریافت کی۔ کہا ایک مسئلہ کے متعلق مجھے خلش ہو رہی ہے۔ کسی فقیہہ کو لاؤ۔ یہ سردار امام ابو یوسفؒ کو لے گیا۔ خود ان کا بیان ہے کہ جب میں ایوان کے دروازہ میں داخل ہوا تو ایک کمرہ میں ایک حسین نوجوان قید دیکھا۔ اس نے میرے

سامنے گڑ گڑاتے ہوئے ہاتھ پھیلائے مگر میں اس کا مدعا کچھ نہ سمجھا۔ اندر گیا تو خلیفہ نے پوچھا کہ بادشاہ کسی زانی پر اپنے ذاتی معاینہ پر حد شرعی جاری کر سکتا ہے؟ میں نے کہا، نہیں۔ خلیفہ نے سنتے ہی سجدہ کیا۔ پھر دریافت کیا کہ تم کہاں سے کہتے ہو۔ میں نے کہا کہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے ادر والحدود بالشبہات یعنی جب شبہ ہو جاوے تو ملزم پر سزا شرعی جاری نہ کرو۔ ہارون رشید نے پوچھا کہ معائنہ کے بعد کیا شبہ رہ سکتا ہے میں نے کہا کہ معاینہ بھی ایک قسم کا علم ہے اور کوئی شخص اپنے ہی علم سے مجرم کو سزا نہیں دے سکتا۔ خلیفہ نے مکرر سجدہ شکر کیا اور مجھے انعام کثیر دے کر رخصت کیا۔ خلیفہ نے اس نوجوان کو آزاد کر دیا اور اس نے بھی بری ہو کر میرے پاس بہت کچھ بھیجا اور اس واقعہ کے بعد خلیفہ میرے حال پر مہربان ہوتا گیا حتیٰ کہ مجھے قاضی القضاة بنا دیا۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ابو یوسف ہنوز طالب علم ہی تھے کہ سخت مریض ہو گئے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ان کی عیادت کو گئے۔ ہم بھی ساتھ تھے۔ جب واپس ہو کر ان کے گھر سے نکلے تو امام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر یہ جوان مر گیا تو روئے زمین کا عالم ترس شخص مرے گا۔

حماد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک روز زفر میرے والد (امام ابو حنیفہ) کے دست چپ اور ابو یوسف دست راست پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک مسئلہ میں بحث کرنے لگے۔ ابو یوسف کی دلیل کو زفر کاٹ دیتے اور زفر کی دلیل کو ابو یوسف غلط ٹھہرا دیتے تھے۔ یونہی ظہر کا وقت آ گیا۔ جب موذن نے اذان دی تو امام اعظم نے دونوں کو خاموش کر دیا۔ اور زفر سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ جس شہر میں ابو یوسف ہو گا وہاں سردار نہیں کھلا سکتے۔ مطلب یہ کہ ابو یوسف کو ڈگری دی اور جملہ شاگردان امام میں ابو یوسف کے بعد زفر کا ہی درجہ تھا۔ طاہر بن احمد زبیری کہتے ہیں کہ ایک شخص ابو یوسف



کے پاس آیا اور دیر تک خاموش بیٹھا رہا۔ انہوں نے پوچھا فرمائیے بولا روزہ دار روزہ کب افطار کرے۔ فرمایا آفتاب غروب ہو جانے کے بعد۔ وہ بولا آفتاب آدھی رات تک غروب نہ ہو۔ ابو یوسف ہنس پڑے۔ کہا آپکا خاموش رہنا ہی درست تھا۔ پھر یہ قطعہ پڑھا۔

عجب لازرء الغبی بنفسه و صمت الذی قد کان بالقول اعلما  
و فی الصمت ستر للغبی و انما صحیفة لب المرء ان یتکلما  
مجھے بیوقوف کی بیہودہ گوئی اور اپنے آپ کو خود ذلیل کرنے پر اور واقف شخص  
کے خاموش رہنے پر بہت تعجب آتا ہے۔ حالانکہ بیوقوف کیلئے خاموشی ستر و پردہ ہے  
اور دانا کیلئے بولنا ہی سرمایہ دانش ہے۔

شیخ سعدی نے اسی کے حاصل مطلب کو اس شعر میں ادا کیا ہے۔  
دو چیز تیرہ عقل است دم فرد بستن بوقت گفتن و گفتن بوقت خاموشی  
دوسرے شعر میں اسی مطلب کو ایک اور پیرایہ میں ادا کیا ہے۔  
کمال است در نفس انساں سخن تو خود را بگفتار ضائع مکن  
کتاب الجلیس والا نیس میں ہے کہ امام ابو یوسف خط لکھ رہے تھے ایک شخص  
برابر بیٹھا ہوا زدیدہ نگاہ سے پڑھنے لگا۔ جب خط لکھا جا چکا تو انہوں نے پوچھا کوئی غلطی  
تو کہیں نہیں رہ گئی۔ اس نے (سادہ لوحی سے) کہا نہیں۔ ایک حرف بھی نہیں۔ فرمایا  
خدا تجھے جزائے خیر دے کہ مجھے پڑھنے کی تکلیف سے بچا دیا۔

یحییٰ بن عبدالصمد کہتے ہیں کہ خلیفہ نے ایک باغ کا دعویٰ ابو یوسف کی  
عدالت میں دائر کیا بظاہر خلیفہ سچا معلوم دیتا تھا مگر درحقیقت مدعا علیہ جو ایک غریب  
شخص تھا۔ حق پر تھا، ایک روز خلیفہ نے کہا کہ آپ نے میرے مقدمہ میں کچھ فیصلہ نہ  
دیا؟ انہوں نے مصلحتاً کہا کہ مدعا علیہ یہ کہتا ہے کہ مدعی حلف اٹھائے کہ اس کے

گو اہوں نے صحیح شہادت ادا کی ہے۔ خلیفہ نے کہا کیا مدعی سے ایسا حلف لینے کا قاعدہ ہے؟ ابو یوسف نے کہا ہاں۔ امام ابن ابی لیلیٰ کا یہی مذہب تھا۔ خلیفہ نے کہا مجھے حلف نہ دلاؤ۔ میں دعویٰ سے دست بردار ہوتا ہوں۔ امام ابو یوسف کو معلوم تھا کہ خلیفہ حلف نہ اٹھائیگا اس لئے غریب مدعا علیہ کو بچانے کی واسطے یہ تقریر کی تھی۔

ایک کتاب کا مصنف کہتا ہے کہ ہارون رشید کا گزر شہر مبارک (بغداد اور واسط کے درمیان لب دجلہ پر ایک شہر کا نام ہے) سے ہوا۔ وہاں کے قاضی نے لوگوں کو کہا کہ خلیفہ اور قاضی القضاة کے سامنے میری تعریف کرو۔ انہوں نے انکار کر دیا۔ یہ قاضی خود ہی لباس بدل کر سر پر راہ کھڑا ہو گیا۔ جب خلیفہ کی سواری برابر آئی تو کہا اے امیر المؤمنین ہمارا قاضی بہت ہی اچھا اور بہت ہی سچا ہے۔ وہاں سے آگے بڑھ کر دوسرے راہ پر جا کھڑا ہوا اور اسی طرح نعرہ لگایا۔ ہارون رشید نے ابو یوسف کی طرف دیکھ کر کہا کہ جس قاضی کی تعریف ایک شخص کے سوا کوئی دوسرا نہیں کرتا وہ بیشک اچھا نہ ہوگا۔ ابو یوسف نے کہا حضور کو تعجب ہوگا کہ یہ قاضی خود ہی ہے جو اپنے منہ سے اپنی تعریف کر رہا ہے۔ ہارون رشید ہنس پڑا۔ کہا بے شک اسے کبھی معزول نہ کرنا چاہئے۔ پھر ابو یوسف سے پوچھا کہ کیا تم ایسے لوگوں کو ہی قاضی مقرر کیا کرتے ہو۔ کہا مدت تک امیدوار رہا اور سخت لاچار تھا۔ اس لئے میں نے اسے یہ جگہ دیدی۔

ایک دفعہ ہارون رشید نے پوچھا ہم نے سنا ہے کہ جو لوگ تمہارے سامنے آکر شہادت دیتے ہیں اور تم ان کی شہادت مان بھی لیتے ہو۔ یہ بناوٹی ہوتی ہیں۔ ابو یوسف نے کہا ہاں یہ میرا قول ہے۔ رشید نے پوچھا کیونکر۔ کہا جو لوگ مستور الحال یا امانتدار ہیں وہ نہ ہم سے واقف اور نہ ہم ان سے آگاہ۔ اور جن شخصوں کا جھوٹا عہد نامہ ظاہر ہو چکا ہے وہ نہ ہمارے سامنے آسکتے ہیں اور نہ ہم ان کی شہادت قبول کر سکتے ہیں۔ پس یہ بناوٹی لوگ ہی رہ گئے۔ ہارون بولا سچ ہے اصلیت یہی ہے۔ ہلال بن یحییٰ کہتے ہیں کہ ابو یوسف

تفسیر مغازی اور ایام کے حافظ تھے اور فقہ تو ان کے اقل علوم میں سے تھی۔ طلحہ بن محمد بن جعفر کہتے ہیں۔ ابو یوسف مشہور الامر الفضل شخص ہیں۔ ان کے زمانہ میں ان سے بڑھ کر فقیہہ اور کوئی نہ تھا۔ علم و حکمت اور قدر و عظمت میں اعلیٰ درجہ پر پہنچے ہوئے تھے۔ یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے فقہ حنفیہ میں اصول تحریر کئے اور مسائل کو لکھ کر پھیلا یا۔ عمار بن ابو مالک کہتے ہیں کہ اگر ابو یوسف نہ ہوتے تو کوئی شخص ابو حنیفہ اور ابن لیلیٰ رحمۃ اللہ علیہا کا نام بھی نہ جانتا۔ انہیں نے دونوں کے اقوال کو پھیلا یا اور ان کے علم کو شائع کیا۔ خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ ابو یوسف فقیہ عالم اور حافظ (حافظ سے متقدمین کی تصنیفات میں حافظ الحدیث ہوتا ہے) تھے انہوں نے حدیث ابو اسحاق شیبانی، سلیمان تیمی، یحییٰ بن سعد انصاری، اعمش ہشام بن عروہ، عطاء بن سائب اور محمد بن یسار وغیرہ اس طبقہ کے علماء سے سنی تھی۔ یہ پہلے محمد بن ابی لیلیٰ کے پاس بیٹھا کرتے تھے۔ آخر میں ابو حنیفہ کی محبت کو سب پر اختیار کر لیا تھا۔ یہ پہلے شخص ہیں جن کو قاضی القضاة کا خطاب ملا۔ نیز پہلے شخص ہیں جنہوں نے علماء کیلئے ممیز لباس تجویز کیا۔ ابن عبدالبر ان کے ذہن کے متعلق لکھتے ہیں کہ پچاس ساٹھ حدیثوں کو ایک دفعہ سن کر حفظ کر لیتے تھے۔ طبری کہتے ہیں کہ بعض اہل حدیث نے ان سے روایت کرنے میں پرہیز کیا ہے۔ کیونکہ ان کے مزاج میں رائے کو بہت دخل تھا۔ لیکن یہ بھی متحقق ہے کہ ابن معین اور امام ابن جنبل اور علی بن مدائن کو ان کی ثقاہت میں کچھ اختلاف نہیں تھا۔

ابو یوسف سے بھی روایت ہے کہ ایک دفعہ اعمش نے مجھ سے ایک مسئلہ پوچھا۔ میں نے بتلا دیا۔ انہوں نے کہا کہ تم نے کہاں سے جواب نکالا ہے۔ میں نے وہ حدیث جو انہی سے سنی تھی پڑھی اور وجہ استدلال بیان کی۔ اعمش بولے بخدا یہ حدیث تو مجھے اس وقت سے یاد ہے کہ تو ہنوز پیدا بھی نہیں ہوا ہوگا۔ لیکن یہ آج ہی سمجھ میں آیا

کہ اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی نکلتا ہے۔ ابن حزم طاہری اور اسی کے قول کے موافق شاہ ولی اللہ دہلوی لکھتے ہیں کہ فقہ حنفیہ کے تمام ممالک میں پھیل جانے کی وجہ یہ ہوئی کہ ابو یوسف قاضی القضاة ہو گئے تھے اور قاضیوں کا تقرر ان کے حکم سے ہوتا تھا۔ وہ اسی شخص کو مقرر کرتے جو فقہ حنفیہ کے موافق فیصلے کیا کرتا۔ ابن حزم لکھتا ہے کہ مذہب مالکیہ بھی مصر اور افریقہ میں اس طرح یحییٰ بن یحییٰ اندلسی کے ذریعہ اور حکومت کی تائید سے پھیلا تھا۔

قاضی ابو یوسف کا سلسلہ نسب تین واسطوں سے سعد بن اجتہ سے جا ملتا ہے جو رسول خدا ﷺ کے صحابی اور انصاری تھے۔ ان کا انتقال ۱۹۲ھ کو شہر بغداد میں ہوا۔ ان کا فرزند یوسف بھی اپنے باپ کی زندگی میں بغداد کے حصہ مشرقی کا قاضی تھا اور علم و فضل میں مسلم شخص ان کے حالات سے قوم اور خصوصاً طلباء علم کو سبق حاصل کرنا چاہتے کہ ہمارے متقدمین اور آئمہ ہدیٰ نے کبھی مفلسی اور تنگدستی کا مقابلہ کرتے ہوئے کیسے علم کو حاصل کرنا ضروری خیال کیا تھا اور پھر خداوند کریم ان کی محنتوں کا کیسا عظیم الشان نتیجہ دیتا تھا۔ کسی نے سچ کہا ہے۔

کسب کمال کن کہ عزیز جہاں شوی      کسب کمال ہیج ز نیر زد عزیز ما



## قاضی ابو عبد اللہ احمد بن ابی داؤد

سلسلہ نسب اکیس واسطوں سے معد بن عدنان تک ملتا ہے۔ مروت اور فتوحات کیلئے مشہور تھا۔ پہلے ماموں رشید کا مصاحب رہا۔ اس کے بعد معتصم کے عہد میں قاضی القضاة ہو گیا۔ ماموں رشید کے دربار میں پہنچنے کی بابت دو روایتیں ہیں۔

(۱) ایک روز ماموں نے قاضی یحییٰ کو بلا بھیجا کہ تم اسی وقت میرے پاس چلے آؤ اور جتنے آدمی پاس بیٹھے ہوئے ہوں ان کو بھی ساتھ لاؤ۔ ابن ابی داؤد بھی جو قاضی یحییٰ کا دوست تھا بیٹھا تھا۔ ساتھ ہی گیا۔ جب سلسلہ کلام شروع ہوا تو ماموں نے ابن ابی داؤد کے طرز کلام اور خوبی گفتار کو نہایت پسند کیا اور کہا تم آج تک ہمارے دربار سے کیوں دور رہے ابن ابی داؤد لکھتا ہے کہ میں یہ تو کیا کہتا کہ قاضی یحییٰ نے ہی مجھے پیش نہیں کیا لیکن یہ کہہ دیا کہ ہر ایک امر کیلئے وقت مقرر ہے۔ حکم دیبلاروک ٹوک ہمیشہ حاضر ہوا کرو۔

(۲) جب ماموں رشید خراسان سے بغداد پہنچا تو قاضی یحییٰ کو کہا کہ میرے لئے مصاحبین پسند کرو۔ قاضی صاحب نے پس شخص انتخاب کئے۔ خلیفہ نے کہا ان میں سے بھی انتخاب کرو۔ قاضی صاحب نے دس رکھے۔ خلیفہ نے کہا ان میں سے بھی انتخاب کرو۔ قاضی نے پانچ رکھے۔ ابن ابی داؤد ہر ایک انتخاب میں شامل تھا۔

ماموں رشید جب تک زندہ رہا ابن ابی داؤد کی نہایت توقیر کرتا رہا۔ مرتے ہوئے جب اپنے بھائی معتصم کو وصیت کرنے لگا تو یہ بھی کہا کہ ابن ابی داؤد کو ہر ایک مشورہ میں شریک رکھنا کیونکہ اس میں مشورت کی اہلیت پائی جاتی ہے۔

معتصم نے والی بنتے ہی قاضی یحییٰ کو معزول کر کے ابن ابی داؤد کو قاضی القضاة

بنادیا اور کوئی ملکی راز یا ذاتی کام خلیفہ کا ایسا نہ تھا جس میں ابن ابی داؤد کی رائے شامل نہ ہوتی۔ لازون بن اسمعیل کا قول ہے کہ میں نے آج تک کوئی شخص نہیں دیکھا جو دوسرے کی ایسی اطاعت کرتا ہو جیسے خلیفہ معتصم قاضی ابن ابی داؤد کی کرتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ تھوڑی سی رقم کے متعلق خلیفہ سے درخواست کجاتی ہے اور وہ نامنظور ہوتی ہے۔ مگر ابن ابی داؤد آتا ہے اور لاکھوں روپوں کے مصارف کی منظوری اہل عرب و عراق وغیرہ کیلئے حاصل کر لیتا ہے۔

مرزبانی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ ابن ابی داؤد قنسرین میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ تاجر تھا۔ بیٹے کو سفر میں ساتھ رکھتا اور علم پڑھاتا۔ فقہ اور کلام میں درجہ عالی اس کو نصیب ہوا تھا۔ چونکہ ہیاج بن علاء سلمی کے ساتھ یارانہ تھا اس لئے معتزل المذہب ہو گیا تھا۔ ابو العیناء کا قول ہے کہ ابن ابی داؤد نامی شاعر اور نہایت فصیح و بلیغ ہے اور ہم نے کسی رئیس کو اس سے بڑھ کر فصیح اور بہت زیادہ بولنے والا نہیں دیکھا۔

ابراہیم بن حسن کہتا ہے کہ ہم مامون رشید کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ذکر چل پڑا کہ لیلۃ العقبہ کو انصار میں سے کس کس نے بیعت کی تھی۔ کوئی کسی کا نام لیتا کوئی کسی کا اتنے میں ابن ابی داؤد بھی آگیا۔ مامون نے اس پوچھا۔ اس نے فوراً سب کے نام کنیت معہ ان کے نسب کے بیان کر دیئے۔ مامون نے کہا اگر کسی فاضل کو پاس بٹھانا ہو تو ابن ابی داؤد جیسا چاہیے۔ ابن ابی داؤد بولا کہ جب کوئی حاکم مجلس علم منعقد کرے تو امیر المؤمنین جیسا چاہیے جو ہمارے قول کو سمجھتے ہیں اور خود ہم سے بڑھ کر علم رکھتے ہیں۔ ابن ابی داؤد کا قول ہے کہ کوئی شخص کامل نہیں کہلا سکتا جب تک اسے یہ درجہ نصیب نہ ہو کہ بادشاہ اس کو مفلسانہ حالت میں ہی منبر پر بٹھلا دے اور وزیر جیسا عمدہ دار جو اس کا دشمن ہو وہ نیچے بیٹھا ہوا ہو۔

اسحاق بن ابراہیم موصلی کہتا ہے کہ پہلے خلفاء کے دربار میں دستور یہ تھا کہ

جب تک خلیفہ کسی کو نہ بلائے کوئی شخص بول نہ سکتا تھا۔ لیکن ابن ابی داؤد ہی وہ پہلا شخص ہے جس نے دربار میں خلیفہ کیساتھ گفتگو کرنے میں ابتدا کی۔ ابو العیناء کہتا ہے کہ افشین (حاکم عدالت العالیہ) اور ابو القاسم بن عیسیٰ کی آپس میں دشمنی تھی۔ افشین نے اس پر ایک مقدمہ قائم کیا اور مستوجب قتل ٹھہرا کر قتل کا حکم دے دیا۔ جب قاسم پکڑا گیا اور جلاد منگو الیا گیا، تب ابن ابی داؤد کو خبر ہوئی۔ اسی وقت سوار ہو کر افشین کے مکان میں پہنچا اور اپنے احباب کو ساتھ لیتا گیا۔ کہا میں امیر المومنین کا حکم لے کر آیا ہوں۔ فرمایا کہ قاسم کو کوئی سزا نہ دیجائے جب تک ہمارے سامنے پیش نہ ہو لے۔ پھر ساتھ والوں کو کہا کہ تم گواہ رہو، میں نے امیر المومنین کا حکم پہنچا دیا اور قاسم اب تک زندہ صحیح و سلامت ہے اتنا کہا کر معتصم کے پاس پہنچا۔ کہا میں جسے حضور کی جانب سے ایک حکم پہنچایا ہے جو مجھ کو حضور نے نہ دیا تھا۔ لیکن خدا میری نیت خیر تھی اور میں امید کرتا ہوں کہ امیر المومنین اس حکم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مستحق ٹھہریں گے۔ پھر سارا قصہ سنا دیا۔ معتصم خلیفہ نے اس کی رائے کو پسند کیا اور حکم پر سخت عتاب کیا۔

ابو العیناء نے یہ بھی لکھا ہے کہ ایک دفعہ خلیفہ معتصم محمد بن جہم بر مکی پر نہایت خفا ہوا اور قتل کا حکم دیدیا۔ منہ پر گردنی باندھی گئی تھی اور جلاد نے تلوار نکالی تھی کہ ابن ابی داؤد بھی پہنچ گیا۔ کہا حضور اسے قتل تو کرتے ہیں مگر اس کے مال و دولت پر تصرف نہ کر سکیں گے۔ حالانکہ یہ مالدار بہت ہے۔ خلیفہ نے کہا کیوں؟ ہم کو کون روک سکتا ہے۔ کہا خدا اور رسول خدا ایسے مصروف کو ناجائز ٹھہراتے ہیں اور امیر المومنین کا عدل اس کو ناپسند کرتا ہے۔ کیونکہ قتل کے بعد مال وارث کو ملنا چاہیے۔ حضور کیوں ایسا نہیں کرتے کہ اس کی خیانت کی تحقیقات کی جاوے اور پورے ثبوت کے بعد اس کا مال و اسباب ضبط کر لیا جاوے۔ خلیفہ نے کہا بہتر ہے اسے زنداں میں بھجوا دیا

جائے اور اس کی تحقیقات شروع ہو۔ بالآخر آفت مال پر ٹل گئی اور جان بچ گئی۔ جاہظ کہتا ہے کہ خلیفہ ایک شخص پر جو دو آہ فرات کا باشندہ تھا خفا ہوا۔ اس کو بلایا۔ اس کے قصور اسے بتلائے پھر قتل کا حکم دیدیا۔ ابن ابی داؤد یوں لا حضور اسے تو معزولی کی تلوار پہلے ہی قتل کر چکی ہے اور یہ بیچارہ محض مظلوم ہے۔ خلیفہ چپ کر گیا۔

ابن ابی داؤد لکھتا ہے کہ مجھے زور کا پیشاب آرہا تھا جسے میں روک نہ سکتا تھا۔ لیکن میں سمجھا تھا کہ میں اٹھا اور یہ شخص مارا گیا۔ میں نے کپڑے کو نیچے رکھ کر پیشاب کر لیا اور جب تک اس کی رہائی کا حکم نہ ہو ا بیٹھا رہا۔ پھر جب وہاں سے اٹھ کر آنے لگا تو خلیفہ کی نظر میرے بھیجے ہوئے کپڑوں پر پڑ گئی کہ ابو عبد اللہ! جہاں تم بیٹھے تھے کیا یہاں پانی تھا۔ میں نے کہا نہیں۔ بلکہ بات یہ ہے سارا قصہ سنا دیا۔ خلیفہ خوب ہنسا۔ کہا بارک اللہ! تم نے خوب کیا۔ پھر ایک لاکھ درم کے انعام دیئے جانے کا حکم دیا۔

ابو العینا لکھتا ہے کہ خلیفہ معتصم خالد بن یزید بن مزید پر خفا ہوا اور معزول کر کے اسے بغداد بلا لیا اور سخت عقوبت کا ارادہ کیا۔ ابن ابی داؤد نے اس کی سفارش بھی کی لیکن خلیفہ نے منظور نہ کی اگلے روز دربار ہوا جس میں خالد کی سزا کا حکم جاری ہونا تھا۔ ابن ابی داؤد اپنی نشست کو چھوڑ کر بہت نیچے بیٹھا۔ خلیفہ نے کہا تم وہاں کیوں جا بیٹھے۔ کہا مجھے یہاں ہی بیٹھنا چاہیے۔ پوچھا کیوں؟ کہا لوگوں کا خیال ہے کہ اب میرا وہ درجہ نہیں رہا کہ اگر میں قریب بیٹھ کر کسی کے بارے میں سفارش کروں تو وہ منظور کی جائے گی۔ خلیفہ نے کہا اپنی جگہ بیٹھو۔ کہا میری عرض بھی قبول ہوگی یا نہیں۔ کہا ہاں۔ قاضی اٹھ کر اپنی جگہ آ بیٹھا کہا۔ حضور نے خالد کو معاف تو کر ہی دیا۔ جب ہی مجھے یہاں بٹھلایا ہے لیکن لوگوں کو یہ ثابت نہ ہو گا کہ امیر المؤمنین دراصل بھی اس سے خوشنود ہو گئے ہیں یا نہیں۔ اس لئے بہتر ہے کہ اسے خلعت سے ممتاز کیا جاوے۔ خلیفہ نے خلعت کا حکم دیدیا۔ پھر کہا حضور اس وقت خالد اور اس کے ہمراہیوں کی ایسی حالت ہے کہ



چھ ماہ تک اپنی حالت کو درست کریں گے۔ اس لئے اگر ان کے چھ ماہ کے گزارہ کا انتظام ہو جاوے تو صلہ بھی ہے اور صدقہ بھی۔ خلیفہ نے یہ بھی منظور کیا۔ خالد دربار سے خلعت و مال لے کر نکلا اور لوگ باہر کھڑے ہوئے خیال کرتے تھے کہ اس کا تن بے سر اور سر بے تن ہی نظر آئے گا۔ ایک شخص یہ حالت دیکھ کر اٹھا کہ اے سردار عرب! تمہاری رہائی پر سب شکر گزار ہو رہے ہیں۔ خالد بولا، چپ کر سردار عرب تو ابن ابی داؤد ہے۔

الغرض یہ شخص مروت و فتوحات، پاسداری و وفا اور صلہ و احسان رسائی میں ضرب المثل ہوا۔ افسوس ہے کہ تعصب مذہبی کی وجہ سے اسی شخص نے مسئلہ خلق قرآن میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو محنت و مصیبت میں گرفتار کرایا تھا۔ ابن ابی داؤد معتصم اور واثق باللہ کی خلافت میں قاضی القضاة رہا۔ متوکل کے شروع زمانہ خلافت میں اس پر فاج گرا۔ محرم ۲۴۰ھ میں ۹۰ سال کی عمر میں انتقال کیا۔



## مفتی صدر الدین صدر الصدور

صدر الدین صاحب آخرین فضلائے دہلی ہیں جو صدر ۱۸۵۷ء سے پہلے دہلی کے چشم و چراغ اور ہندوستان کیلئے مایہ ناز ہو چکے تھے۔ یہ کشمیری الاصل تھے۔ آباؤ اجداد سے علم گھر کی لونڈی بنا ہوا تھا۔ دہلی میں پیدا ہوئے۔ علوم منقول میں مولوی فضل امام صاحب خیر آبادی کے شاگرد تھے۔ اور علوم منقول میں شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی کا تلمذ بھی رکھتے تھے صرف و نحو، منطق، معانی و بیان، ادب و انشاء، فقہ حدیث و تفسیر اور علوم حکمت و ریاضیات میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے اور جملہ علوم کا درس دیا کرتے۔ دہلی میں جو اعزاز ان کا تھا وہ کم کسی شخص کو حاصل ہوا ہوگا۔ لال قلعہ کے بادشاہ کے سوا اور کوئی ایسا شخص نہ تھا جو ان کے مکان پر حاضر نہ ہوتا ہو۔ طلباء تحصیل علم کیلئے اہل دنیا اپنے معاملات میں مشورہ و صلاح کے لئے انشا نگار اصلاح انشا کیلئے اور شعرا مشاعرہ کیلئے اہل دولت بتقریب مقدمات اور اہل علم بھت اکتساب کمالات، غرض ہر طبقہ کے لوگ حاضر باش رہتے تھے۔ شاہی میں مختلف عہدوں پر ممتاز رہے اور بالآخر مفتی سلطنت اور دہلی و نواح دہلی کیلئے اعلیٰ حاکم دیوانی بنے جسے صدر الصدور کہا کرتے۔ باوجود اشغال کثیرہ طلبہ کو پڑھانے کا نہایت شوق تھا۔ جامع مسجد دہلی کے نیچے دار البقاء نام مدرسہ جاری کر رکھا تھا۔ وہاں کے سب طالب علموں کو لباس و خوراک اپنے ہاں سے دیتے اور بعض کو مزید برال و وظیفہ بھی۔

ایک دفعہ صدر الصدور صاحب کا ارادہ کلکتہ جانے کا ہوا۔ شاہ عبدالعزیز

صاحب نے ان کو مولوی امین اللہ کے نام جو ایک مدرسہ کے مہتمم تھے خط لکھ دیا۔ اس خط کے چند الفاظ درج ذیل کئے جاتے ہیں۔ جس سے ظاہر ہو گا کہ شاہ عبدالعزیز جیسے نامور فاضل کے خیالات اپنے نام بردار شاگرد کی نسبت کیا تھے۔

دریں دلا مولوی صدر الدین صاحب کہ از فضلائے نامدار این بلدہ ماہولہ اندر و در اکثر فنون عقلی و نقلی از عربیت و ادب و اصول و فقہ و کلام و ہم فنون فارسی مہارت تمام دارند۔ و اکثر مراجعت تحقیقات نفیہ علوم و فقیر خانہ نمودہ اند و معہذا نسبت ارادت و اتحاد با فقیر موروثی دارند و جدا مجد ایشاں از فضلائے معتبر و خلص اصحاب و تلامذہ و در پنجاب حضرت والد ماجد فقیر بودہ اند۔

القوم اخوان صدق بینہم سبب من المودۃ لم يعدل بہ النسب  
 عارم دار الامارت کلکتہ بتقریبات چند در چند اند۔ انشاء اللہ تعالی ملاقات سامی خواہند نمود مراعات جہات مذکورہ در حسن تلقی و اعزاز اکرام ایشاں مہما ممکن مد نظر سامی باشد“

نواب صدیق حسن جو کثرت تصانیف میں اپنے معاصرین سے بہت بڑھے ہوئے ہیں۔ تحریر فرماتے ہیں کہ میں دو سال تک ان کی خدمت میں حاضر رہا۔ ان کی محبت مرہبانہ اور عطوفت بزرگانہ اب تک مایہ افتخار ہے۔ زیارات بزرگان دہلی کی وقت میں ہر کاب اور فضلائے عصر کی تشریف آوری کے وقت میں حاضر باش در گاہ ہوتا تھا۔ مفتی صاحب کو شعر و سخن سے کچھ ایسی الفت تھی کہ بایں ہمہ پیرانہ سالی اس مذاق میں ذرا فرق نہ آیا۔ عربی فارسی اردو میں خود بھی شعر و غزل کا شوق فرمایا کرتے اور دیگر شعراء کے کلام سے بھی حظ اٹھایا کرتے۔ تخلص آزر دہ تھا اور کلام میں بھی ولولہ محبت اور نوحہ مصیبت اس قدر بھرا تھا کہ تخلص کی موزونی کابین ثبوت تھا۔ شعر خوانی کا انداز بھی غضب کا دردناک اور موثر تھا اور اس کا انداز وہی لوگ بہ خوبی کر سکتے ہیں

جنہوں نے اپنے کانوں سے ان کے کلام کو سنا ہے۔

آنریبل سید احمد کے آثار الصنادید میں ان کی غزلیات فارسی اور گلشن بے خار میں کلام اردو کے نمونے درج ہیں۔ چند اشعار یہاں بھی درج کرتا ہوں۔

و کنا کفصنہ بانة قد تالفا  
علی درحة حتی استظالا و اینعا  
بغنیہا صدح الحمام مرجعا  
و یسقیہا کاس السحائب مترعا  
سلیمین من خطب الزمان اذا سطا  
خلیین من قول الحسود اذا سعا  
ففار قنی من غیر ذنب جنیته  
و القبقلبی حرقت و توجعا  
عفا اللہ عنہ ما جناہ فاننی  
حفظت الہ العمد القدیم و ضیعا  
ہماری مثال ان دو شاخوں کی سی تھی جو ایک درخت پر لپٹ گئی ہوں اور برابر گویا ہو گئی ہوں۔  
جنہیں کبوتر نے پیارے نغموں سے خوش کیا ہو اور  
سحاب نے چھلکتے ہوئے پیالوں سے مسرور بنایا ہو۔  
نہ دستبر دزمانہ کا ڈر تھا۔ نہ حاسدوں کی چغمل خوری کا  
غم۔

اس حالت میں بلا کسی قصور کے وہ مجھ سے جدا ہو گیا  
اور مجھے درد و سوزش میں چھوڑ گیا۔  
خدا اس کے گناہ کو معاف کرے۔ میں تو اپنے عہد پر  
قائم ہوں۔

یہ ایسے شعر معلوم ہوتے ہیں کہ وفات زوجہ پر لکھے گئے ہوں۔  
فارسی کی غزل یہ ہے۔

خواہم دم دعا بدعا ناگر یستن  
از اشک ریزی مژہ خالی نشد ولم  
واعظ اگر بیاد قدے گر یہ نارواست  
رنشور شدن چو برق بود باطپیدنم  
در عیشن بیقرارم و در غم بہ پیچ و تاب  
دل را ہمیشہ خندہ من خون کند چو چشم  
شد بس کہ بے اثر بہ دعا ہا گر یستن  
خواہم چو زخم از ہمہ اجزا گر یستن  
باز از چہ روست زپے طوبی گر یستن  
اے ابراہا گر یستن ما گر یستن  
خندیدنم شبیہ بود باگر یستن  
بشا قدم جگر۔ قلم آسا گر یستن

موجے بزن کہ ترکتم ابر بہار را اے دیدہ تاجے ہمدارا گریستن  
 اے دل بیا کہ خاک کنم ابر و برق را از تو نخوں طپیدن و ہزنا گریستن  
 یہ غزل عرفی کی مشہور غزل کے جواب میں ہے جسکا مقطع ضرب المثل ہے۔  
 عرفی اگر بہ گریہ میسر شدے وصال صد سال سے تو ان بہ تمنا گریستن  
 ایک دفعہ مفتی صاحب محکمہ نزول کے افسر ہو گئے۔ کام کی کثرت تھی۔ طلبہ  
 کے سبق میں تاغے ہونے لگے۔ ایک شاگرد نے تاریخ لکھی اور مادہ تاریخ میں کمال کر  
 دکھایا۔

ہاتف بدست چپ سربیننی فشرده گفت بیماری نزول بہ صدر الصدور شد  
 مفتی صاحب صدر الصدور تھے۔ ان کی عدالت میں ایک ساہوکار نے مرزا  
 غالب پر رقم قرضہ کا دعویٰ دائر کیا۔ مرزا صاحب کو جواب دعویٰ کیلئے عدالت میں بلایا  
 گیا تو انہوں نے جواب دعویٰ کی جگہ یہ شعر پڑھ کر سنایا  
 مفت کی پیتے تھے مئے اور یہ سمجھتے تھے کہ ہاں رنگ لائیگی ہماری فاقہ مستی ایک دن  
 مفتی صاحب نے مدعی کو ڈگری دیکر تمتد عویہ خود ادا کر دیا۔

برائے نام سلطنت مغلیہ کے آخری میں دور میں ایسے فاضل کمالات اور  
 مصدر فیوض و احسانات کی نظیر پیش کرنے سے تاریخ ساکت ہے۔ تمام عمر عیش و  
 رفاہت میں گذری مگر عمر کے آخری بارہ سال نہایت کٹھن تھے عذر ۱۸۵۷ء کے بعد  
 ان پر جرم لگایا گیا کہ انہوں نے باغیوں کو گورنمنٹ کیساتھ جنگ کرنے کے جواز کا  
 فتویٰ دیا تھا اس جرم میں تمام گھر بار اور جائیداد منقولہ و غیر منقولہ ضبط سرکار ہوئی اور  
 مفتی صاحب بھی چند ماہ تک قید رہے لیکن پھر کسی نیک اور زحمتی حاکم نے ان کو رہا کر  
 دیا۔ اگرچہ معاش کی کوئی صورت نہ رہی تھی لیکن کیا مجال کہ وضعداری میں ذرا فرق آ  
 جائے یا حرف شکوہ و گلہ زبان تک آئے۔ انہی ایام میں ایک شاگرد کو خط میں لکھتے ہیں۔

الحمد للہ تاحل سررشتہ آمد و شد انفاس درست دارم و اوقاف عمر باقیمانده (چنانکہ دل میخواست) در گذراست۔

بے غم عشق تو صد ز عمرے کے گذشت پیش ازیں کاش گرفتار غمت مے بودم  
اللہ تعالیٰ توفیق طاعت و امتثال احکام تشریحی از او امر و نواہی و تسلیم احکام  
ارادی از صبر و رضا و موافقت و فنا رزانی فرماید۔ و تبشست و استقامت بر اں عطا نماید۔ و  
پائے ہمت ازیں جادہ صواب و طریق مستقیم نہ لغزاند۔ در اوقاف خاصہ از دعائے حسن  
خاتمت و نکوئی عاقبت مہابلہ نردو۔

ہمت نگر ک ہر ورق دفتر امید صد پارہ کردہ ایم وہ خوناب شستہ ایم  
شکر و سپاس ایزدیزبے مثال رآن و ہر لمحہ مودی میکنم۔ کہ تلمیح و تاسفے بر زوال زحارف دنیا  
کہ عبارت از اسباب و سامان تعیش۔ و سازد برگ ز نیت حیات دنیوی بود اصلا بخاطر م  
خطور نمیکند۔ مگر بشریت دوا پیر مون دل پیر ماست یکے سر انجام زاد و راحلہ کہ برائے  
سفر حجاز و اقامت آنخادر اوقات باقی حیات مستعار کہ ساعتے پیش نیست کافی و پسند پاشد  
دوم دست بہم دلون بعضے کتب دینیہ از تفسیر و حدیث و علمے کہ نافع در دین است نہ لغویو  
علی و ثاثر انوری۔

سال ولادت لفظ چراغ اور سال وفات لفظ چراغ دو جہاں سے نکلتا ہے۔ اکا سی  
سال کی عمر میں ۱۲۰۵ھ کو جس خاک سے نکلے تھے اسی کے پیوند ہو گئے۔ دہلی میں مدفون  
ہیں۔ مرزا غالب و مومن اور نواب حسرتی وغیرہ نے ان کی مدح میں قصاید تحریر کئے ہیں۔



شعراء وادباء





## حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ

حسان بن ثابت بن منذر بن حرام عرب فحطانیہ میں سے ہیں۔ ابو الولید کنیت تھی۔ ۵۶۲ء میں (یا ساٹھ سال قبل از ہجرت) یثرب میں پیدا ہوئے اور ابتداء ہی سے شعر و سخن کی طرف متوجہ ہو گئے۔ قبل از اسلام مدینہ اور تمام حجاز کے شاعروں کا طریق یہ تھا کہ عرب متضرہ بادشاہوں کی جو شام میں آل غسان تھے اور عراق میں آل منذر) مدح کیا کرتے تھے۔ حضرت حسان شاہان غسان کی طرف متوجہ تھے۔ بصرے میں عمرو بن حارث اور حارث بن ابو شمر اور بلقاء میں جبکہ بن الالبہم ان کے خاص مدوح تھے۔ ان کی اور ان کے خاندان کی تعریف میں بڑے بڑے پرزور قصیدے لکھا کرتے تھے جبکہ کے دربار میں ایک دفعہ نابغۃ الذبیانی اور علقمہ بن عبدہ (جاہلیت کے مشہور و مسلم شعراء) کے ساتھ مشاعرہ اور مطارحہ کا اتفاق ہوا تو جبکہ نے اعتراف کیا کہ حسان بھی ان دونوں سے کم نہیں۔ پھر تین سو دینار اور دس پارچہ کا خلعت دیکر حکم دیا کہ ہر سال تم کو اس قدر انعام مل جایا کریگا۔

جبکہ (ملک بلقاء) اور حارث (والئی بصری) میں باہم کچھ چشمک بھی تھی اور قرابت بھی۔ شاعر اس کے دربار میں بھی جایا کرتے اور اس کے دربار میں بھی۔ لیکن ایک کا ذکر دوسرے کے دربار میں ہرگز نہ کیا کرتے۔

حضرت حسان کہتے ہیں کہ میں حارث کے دربار میں کبھی نہ گیا تھا۔ ایک دفعہ اس کی مدح میں قصیدہ لکھا اور بصری پہنچا۔ دربار میں حاضر ہونے کیلئے گیا تو مجھے سردار

ڈیوڑھی میں ملا۔ کہا بادشاہ تمہارے آنے سے خوش ہے اور وہ ضرور تمہارے سامنے  
 جبلہ کا ذکر چھیڑے گا۔ لیکن دیکھنا تم کہیں اسے برا کہنے لگ جاؤ۔ بلکہ وہ تم کو آزماویگا۔ اگر  
 تم نے اس کی برائی کی تو تم سے نفرت کرنے لگے گا اور اگر تم نے اس کی تعریف لمبی  
 چوڑی کی تو اسے ناگوار گذرے گی۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ اس ذکر کو ٹال دینا اور اگر  
 تمہاری موجودگی میں کھانا آجائے تو تم کھانے پر نہ بیٹھنا۔ کیونکہ بادشاہ کا مزاج ایسا ہے  
 کہ اسے درہم و دینار کا خرچ کر دینا تو ناگوار نہیں ہوتا۔ مگر کھانا کھلانا نہایت شاق گذرتا  
 ہے۔ غرض جب تک خصوصیت سے تم کو حکم نہ دے اس وقت تک دسترخوان پر نہ  
 بیٹھنا اور اگر حکم بھی اس نے دیدیا تو تب بھی برائے نام ہی کھاتے رہنا۔ حضرت حسانؓ  
 کہتے ہیں کہ میں اس سردار کا شکریہ ادا کر کے اندر پہنچا۔ بادشاہ نے مجھے وطن و اہل  
 وطن اور معیشت وغیرہ کے متعلق سوالات کئے۔ جن کے میں جواب دیتا رہا۔ اسی  
 سلسلہ میں جبلہ کا بھی ذکر کیا۔ کہا تم نے ہم کو تو چھوڑ ہی رکھا ہے اور جبلہ کا ہی ہو رہا  
 ہے۔ بتلاؤ کہ وہ کیسا ہے۔ میں نے کہا جبلہ اور آپ ایک ہی ہیں۔ یہ سن کر خاموش ہو  
 گیا۔ پھر کھانا آیا اور بادشاہ نے بڑے بڑے لقمہ اٹھا کر کھانا شروع کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد  
 مجھے اشارہ کیا کہ شریک طعام ہو جاؤ۔ میں بھی ساتھ بیٹھ گیا اور برائے نام کھاتا رہا۔ اس  
 کے بعد گونا گوں شراب لائی گئی اور روم کے مطرب اپنے اپنے ساز لیکر حاضر  
 ہو گئے۔ دور شراب شروع ہوا۔ بادشاہ نے مجھے جام لینے کے لئے کہا۔ میں نے انکار  
 کر دیا۔ اسنے مکرر کہا تو میں نے جام لے لیا اور جب کچھ سرور ہو گیا تو اپنے اشعار سنانے  
 شروع کئے جو حارث کو بہت ہی پسند آئے۔ اس طرح میں چند روز وہاں ٹھہرا رہا۔ ایک  
 روز سردار ڈیوڑھی نے مجھے اطلاع دی کہ تابعہ آگیا۔ بادشاہ اس کے سامنے کسی شاعر کی  
 عزت نہیں کرتا۔ اس لئے یہ مناسب ہے کہ تم اجازت حاصل کر لو۔ میں نے اجازت  
 حاصل کی۔ حارث نے ۵۰۰ دینار ایک خلعت اور دو گھوڑے مجھے عطا فرمائے اور میں

وہاں سے چلا آیا۔

غرض اسلام سے پہلے انکا یہی حال تھا کہ بلقاء اور حوران اور عراق میں گشت لگایا کرتے اور ملوک و امراء سے بڑے بڑے صلہ و انعام حاصل کرتے تھے اور ان انعامات کی وجہ سے ایسے متمول ہو گئے تھے کہ چاندی کے برتنوں میں کھانا کھایا کرتے تھے۔ جب رسول خدا ﷺ مدینہ میں ہجرت کر کے تشریف لے گئے تو حضرت حسانؓ بھی مسلمان ہو گئے اور تمام بادشاہان دنیا کو چھوڑ کر اس بادشاہ صوری و معنوی کے دروازہ پر بیٹھ گئے۔

ابو الفرج اصفہانی کہتا ہے کہ مکہ میں تین شخص رسول خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہجو کیا کرتے تھے۔ عبداللہ زبیری، ابو سفیان نبیرہ عبدالمطلب اور عمرو بن العاص۔ ایک شخص نے سیدنا علی مرتضیٰؓ سے کہا کہ آپ بھی ان لوگوں کی ہجو کیا کریں۔ فرمایا رسول خدا ﷺ مجھے ارشاد فرمائیں گے تو میں تعمیل کرونگا۔ ورنہ نہیں۔ اس شخص نے آنحضرتؐ سے جا کر عرض کیا۔ کہ علیؓ کو ان لوگوں کی ہجو کہنے کی اجازت فرمائی جائے۔ فرمایا وہ اس کام کا نہیں اور اس سے یہ نہیں ہوگا۔ پھر فرمایا کہ جس قوم نے رسول خدا کی تلوار سے نھرت کی ہے وہ کیا زبان سے نصرت نہیں کر سکتی۔ (اس سے مراد انصار مدینہ تھے) حسانؓ چونکہ انصاری ہیں۔ کہا میں یہ خدمت بجالاؤنگا۔ چنانچہ انصار کی طرف سے بھی تین شخص اہل مکہ کی ہجو کہنے لگے۔ حسان بن ثابت، کعب بن مالک اور عبداللہ بن رواحہ۔ حسانؓ اور کعبؓ تو اپنے اشعار میں گزشتہ واقعات اور ایام و آثار کا ذکر کرتے اور مخاطبین کو عار و غیرت دلایا کرتے اور عبداللہ بن رواحہ ان کی بت پرستی اور کفر و شرک کی نجاست میں آلودگی کا مضمون اپنے اشعار میں باندھتے۔ جب تک اہل مکہ مسلمان نہ ہوئے تھے تب تک تو ان کو حسانؓ اور کعبؓ کے اشعار ناگوار گذرتے تھے اور جب وہ مسلمان ہو گئے تب عبداللہؓ کے اشعار سے بڑھ کر ان کے لئے کوئی جگر

خراش چیز نہ تھی۔

مدارج النبوة میں ہے کہ جب حسانؓ جو اب گوئی اہل مکہ کیلئے مستعد ہو گئے تو آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اہل مکہ کی ہجو کرنا اور ان کے نسب و قوم کی نسبت کچھ لکھنا نہایت مشکل ہے کیونکہ میں بھی اسی قوم سے ہوں۔ اس لئے جو کچھ لکھا کرو۔ پہلے ابو بکر صدیقؓ کو دکھلا لیا کرو۔ جو تجھ سے بڑھ کر نسب عرب کو جانتے ہیں۔ ابو بکر صدیقؓ نسب کے متعلق تمام پہلو حسانؓ کو سمجھا دیتے تھے۔ چنانچہ جب اہل مکہ نے یہ اشعار سنے تو فوراً کہہ اٹھے کہ ابو بکر صدیقؓ کی اصلاح لئے ہوئے ہیں۔ مروی ہے کہ ان کے لئے ممبر پنچھایا جاتا اور پھر سر ممبر اشعار مدح رسول اللہ ﷺ اور جو اب مشرکین پڑھ کر سنایا کرتے۔ ایک دفعہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ حسانؓ کے شعر اعداء کیلئے تیر سے زیادہ سخت ہیں۔ ایک دفعہ فرمایا کہ جب تک حسانؓ مدح رسول میں لگا رہتا ہے، روح القدس اس کی تائید کرتا ہے۔

ایک دفعہ تمیم کے ستر اسی آدمی اپنی قوم کا ایک خطیب (لیکچرار) اور ایک شاعر لیکر مدینہ میں آئے اور آنحضرت ﷺ سے کہا کہ ہمارے خطیب شاعر کا اپنے خطیب و شاعر سے مقابلہ کرائیے (ان کے نزدیک صداقت کی یہی اعلیٰ دلیل تھی) انہوں نے زبرقان بن بدر کو پیش کیا اور اس نے اپنی قوم کے فخریہ اشعار پڑھے۔ آنحضرت ﷺ نے حسانؓ کو اشارہ فرمایا۔ انہوں نے اسی وقت اسی وزن اور اسی قافیہ میں اس کے اشعار کا جواب دیا۔ اس کے اکثر الفاظ کو بھی اسی پر الٹا دیتے تھے۔ ان اشعار میں آنحضرتؐ کے خاندان اور ذاتی اوصاف نہایت شاندار الفاظ میں ذکر کئے۔ بنی تمیم میں سے ایک اور شاعر عطار بن حاجب اٹھا اور اس نے ایک قطعہ پڑھا۔ حسان رضی اللہ عنہ نے اسی وقت اسی بحر و قافیہ میں اس کا بھی جواب دیا۔ تب وہ مان گئے اور بول اٹھے کہ یہ صرف سید العرب ﷺ کی برکت ہے کہ حسان ہمارے شاعروں پر غالب آ گیا۔

یہ ایک عجیب بات ہے کہ پر داد احرام اور دادا منذر اور باپ ثابت اور ان کی عمر برابر تھی۔ یعنی یہ سب ایک سو بیس سال تک زندہ رہے۔ حسانؓ کے ساٹھ سال جاہلیت کے اور ساٹھ سال اسلام لانے کی وقت ان کی والدہ (فریجہ بنت خالد جو قبیلہ خزرج سے ہیں) بھی زندہ تھیں۔ انہوں نے بھی اسلام قبول کیا۔ عبدالرحمن بن حسان جب اپنے اجداد کی عمروں کا ذکر کرتے تو نہایت خوش ہوا کرتے اور سمجھا کرتے تھے کہ میں بھی اسی عمر تک پہنچوں گا۔ لیکن خدا کی قدرت کہ انہوں نے صرف ۲۸ سال کی ہی عمر پائی۔

ابو عبیدہؓ کا قول ہے کہ حسانؓ کے محاسن میں سے یہ ہے کہ وہ ایام جاہلیت میں انصار کے شاعر تھے اور آغاز اسلام میں خاص رسول ﷺ کے مدح گو اور اپنے کل زمانہ اسلام میں اہل یمن کے وصف طراز۔ ابو عبیدہؓ ہی کا قول ہے کہ اہل عرب کے نزدیک اہل بدر میں شاعر ترین اہل یثرب ہیں اور اہل یثرب میں شاعر ترین حسانؓ بن ثابت۔ اصمعی نے ان کو فحول شعر امین شمار کیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو نمکینی ان کے اشعار جاہلیت میں پائی جاتی ہے وہ اشعار اسلام میں نہیں۔ وجہ صاف ظاہر ہے کہ جب اسلام دل اور زبان پر قابو پالیتا ہے تو کذب و مبالغہ سے روک دیتا ہے۔ اور شعر کا کام کذب یا مبالغہ کے بغیر چلنا دشوار ہے۔

۴۵ھ تا ۵۰ھ میں ایک سو بیس سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ رضی اللہ عنہ



## ابو فراس ہمام فرزدق

اسلام کے نہایت مشہور اور اعلیٰ درجے کے بلیغ شاعروں میں سے ہیں۔ ان کے باپ کا نام غالب تھا جو ایک مشہور قوم بنی تمیم کا سردار تھا۔ اس کے واقعات مشہورہ میں سے یہ ہیں کہ ایک دفعہ کوفہ میں سخت قحط پڑا۔ لوگ بھوک کے مارے شہر چھوڑ کر چلے گئے۔ غالب (سردار بنی تمیم) اور سحیم بن واثل (سردار بنو رباح بھی) کوفہ سے ایک دن کی مسافت پر جنگل میں جا رہے۔ غالب نے اگلے روز ایک ناقہ ذبح کی اور اپنی کل قوم کو مدعو کیا۔ کچھ گوشت سحیم کے پاس بھی بھیجا۔ سحیم دیکھ کر جل گیا کہ میں کیا غالب کا صدقہ خوار ہوں۔ میں خود قوم کی مہمانی کرونگا۔ چنانچہ اس روز سحیم نے بھی ایک ناقہ ذبح کی اور اپنی قوم کو مدعو کیا۔ تیسرے روز غالب نے تین اونٹ قربانی کئے اور سحیم نے بھی۔ چوتھے روز غالب نے سواونٹ ذبح کر ڈالے اور سحیم نے ایک بھی نہ کیا کیونکہ اس کے پاس کوئی اونٹ نہ رہا تھا۔ جب قحط ختم ہوا اور سب لوگ شہر میں واپس آئے تو بنو رباح نے سحیم کو کہا کہ تم نے ہمیشہ کیلئے اپنی قوم کو ذلیل کر دیا۔ ہم ایک اونٹ کے بدلے تجھے دو اونٹ دیدیتے مگر لازم تھا کہ تو غالب کے سامنے دب کر نہ رہتا۔ سحیم نے کہا مجبوری تھی۔ میرا گلہ دور گیا ہوا تھا اور اس وقت کوئی اونٹ موجود نہ تھا۔ اگلے روز سحیم نے تین سواونٹ ذبح کر ڈالے اور ہر ایک کوچہ و برزن میں گوشت رکھوا دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا زمانہ مبارک تھا فتویٰ لیا گیا کہ یہ گوشت جائز ہے یا نہیں مفتی نے فتویٰ دیا کہ یہ کھانے کی نیت سے مذبح نہیں ہوئے۔ بلکہ محض فخر و مباحات

اور ریا و نمود کیلئے کاٹے گئے ہیں۔ اس لئے ان کا گوشت کھانا جائز نہیں۔  
 فرزدق اپنے باپ کی اعلیٰ درجہ کی تعظیم کیا کرتا تھا اور مرنے کے بعد اس کی  
 قبر کی بھی۔ حتیٰ کہ اگر کوئی دو چار دن قبر غالب کے پاس جا کر بیٹھا کرتا تو اس کا حامی بن  
 جاتا۔ ایک دن ایک بڑھیا آئی کہا میں مدتوں تیرے باپ کی قبر پر بیٹھا کئے ہوں اب مجھے  
 ایک مشکل درپیش ہے۔ بولا، کیا۔ کہا میرے بیٹے کو حجاج بن یوسف نے فوج میں بھرتی  
 کر لیا ہے۔ فوج کل کو جنگ کیلئے بھیجی جائیگی وہ میرا اکلوتا بچہ ہے۔ فرزدق نے سن  
 کر تمیم بن زید افسر فوج کے نام اشعار ذیل لکھ دیئے۔

تمیم بن زید لا تكون حاجتی	یظہر فلا یعیبا علی جوابہا
فہب لی خنیسا واحتسب فیہ منة	لعبرة امر مایسوغ شرابہا
اتتنی فعاذت یا تمیم بغالب	وبالحضرة الساقی علیہا ترابہا
وقد علم الاقوام انک ماجد	ولیت اذا ما الحرب شہابہا

مطلب یہ کہ آپ کی شرف و فضیلت اور جرات و شجاعت اقوام کے نزدیک  
 مسلمہ ہے۔ آپ خنیس کو چھوڑ دیں اور مجھے ممنون بنائیں۔

جب یہ اشعار پڑھے گئے تو خنیس کا نام صحیح نہ پڑھا گیا۔ جسے خنیس و غیرہ  
 وغیرہ پڑھا جاتا تھا۔ سردار نے حکم دیا کہ اس تجنیس کے جتنے اسماء کے اشخاص فوج میں داخل  
 ہیں سب کو فرزدق کے پاس بھیجا جائے اور خدمت فوج سے سبکدوش کر دیا جائے۔

فرزدق اور جریر شاعر کی باہم چشمک تھی۔ ایک دوسرے کی ہجو کیا کرتا۔ اور  
 ایک دوسرے کے کلام پر نقص پکڑا کرتا تھا۔ فرزدق مدینہ منورہ میں تھا۔ جریر کی ہجو  
 میں فحش الفاظ استعمال کیا کرتا اور وہ اشعار بہت جلد عوام میں مشہور ہو جاتے تھے۔  
 شرفاء مدینہ نے مروان بن الحکم حاکم مدینہ کے پاس اس کی شکایت کی۔ حاکم نے اخراج  
 شہر کا حکم دیدیا۔ فرزدق سعید بن العاص کے پاس آیا۔ یہاں امام حسن و حسین و عبداللہ و  
 جعفر رضی اللہ عنہم بھی تشریف فرما تھے۔ اس نے آکر سنایا کہ حاکم شہر نے مجھے شہر سے

نکال دیا ہے۔ ہر ایک نے سو سو دینار اور ایک ناقہ سواری کیلئے اسے عطا فرمائی اور مروان کو کہلا بھیجا کہ ایسے بد زبان شاعر کے حق میں یہ فیصلہ دینے سے آپ نے خوا مخواہ اپنی عزت کو خراب کیا۔ یہ سن کر مروان نے اس کے پاس سو دینار بھیج دیئے مگر حکم منسوخ نہ کیا۔ ایک دفعہ امام حسن بصریؒ اور فرزدق ایک میت کی نماز پر جمع ہوئے۔ فرزدق نے کہا آج لوگ کہہ رہے ہیں کہ ایک ہی جنازہ پر سب سے زیادہ نیک اور سب سے زیادہ بد شخص کا اکٹھا ہونا تعجب سے خالی نہیں۔ امام حسنؒ نے فرمایا کہ نہ میں سب سے زیادہ نیک ہوں اور نہ تم سب سے زیادہ بد۔ لیکن عزیز من یہ دن سب کیلئے کھڑا ہے۔ تم نے اس کے لئے بھی کچھ تیار کر رکھا ہے۔ بولا ہاں۔ کلمہ طیب کو ساٹھ سال سے اسی دن کیلئے زاد راہ سمجھا ہوں۔ کہتے ہیں مرنے کے بعد فرزدق کو خواب میں دیکھا گیا۔ کہا مجھے اللہ پاک نے اس جواب پر بخش دیا جو میں نے حسن بصریؒ کو دیا تھا۔

اس کی بیوی کا نام نوار تھا جو اس کے چچا کی بیٹی تھی۔ نکاح بھی عجیب طور سے ہوا نوار نے اسے بلا کر کہا میں کسی جگہ نکاح کرنے والی ہوں تم میرے ولی ہو جاؤ۔ فرزدق نے کہا اقربا میں اور لوگ بھی تو ہیں جو ولی بن سکتے ہیں اور کسی کو ولایت دو۔ عورت نے کہا نہیں۔ ولایت کیلئے تم کو ہی پسند کرتی ہوں کہا اچھا چند معتبرین کے سامنے کہ دو۔ تاکہ پیچھے سے کوئی جھگڑا پیدا نہ ہو۔ نوار نے چار شخصوں کے سامنے کہہ دیا کہ اسے میرے نکاح کی ولایت حاصل ہے۔ فرزدق نے کہا تم عورت کے اس قول پر گواہ رہو اور اس پر بھی گواہ رہو کہ میں نوار کو اپنی زوجہ بناتا ہوں۔ نوار کو یہ ناگوار گذرا۔ مقدمہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے سامنے پیش ہوا۔ جنہوں نے عورت کے حق میں فیصلہ دیا۔ لیکن بعد میں دونوں رضامند ہو گئے اور اس سے فرزدق کی اولاد پیدا ہوئی۔

حالانکہ فرزدق کی زبان درازی و فحش گوئی سے تمام خلق خدا بیزار تھی لیکن اس کی ساری عمر کے اعمال میں سے بہترین عمل جو شمار ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ہشام بن عبدالملک اپنی ولیعهدی کے زمانہ میں حج کیلئے آیا۔ طواف بیت اللہ میں چاہا کہ استلام حجر کرے لیکن ہجوم اور انبواہ اتنا تھا کہ جانہ سکا۔ علیحدہ ہو کر بیٹھ گیا۔ سرداران شام بھی



ساتھ تھے۔ ہشام منتظر تھا کہ انبوه کم ہو جاوے تو میں فارغ ہو کر واپس جاؤں۔ اتنے میں امام زین العابدینؑ آئے۔ طواف کیا اور استلام کے لئے حجر اسود کی جانب جھکے۔ حضرت کے ملکوتی جمال نورانی چہرہ پر ہیبت و قار کے ایسے انوار آشکار تھے کہ لوگ دیکھتے ہی ٹھٹک گئے۔ راستہ کھل گیا اور آنجناب فراغت و سہولت کیساتھ حجر تک پہنچ گئے۔ سرداران شام نے ہشام سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ ہشام نے دانستہ تجاہل کیا۔ کہ میں نہیں جانتا اس کے دل میں کھٹکا پڑا کہ کہیں شام کے سردار آنجناب کی جانب مائل نہ ہو جاویں فرزدق حاضر تھا۔ کہا اگر ولیعہد نہیں جانتے تو میں اسے خوب جانتا ہوں۔ انہوں نے کہا تم ہی بتلاؤ۔ فرزدق نے فی البدیہہ یہ اشعار پڑھے۔

ہذا الذی تعرف البطحاء و طاتہ  
والبیث یعرفہ والحل و لحرام  
مذا ابن خیر عباد اللہ کلہم  
ہذا التقی التقی الطاہر العلم  
اذا راتہ قریش قال قائلہا  
الی مکارم ہذا ینتہی الکرم  
ینمی الی ذرۃ العزالتی قصرت  
عن نیلہا عرب الاسلام والعجم  
فی کفہ خیز ران ریحہ عقب  
من کف اروء فی عرینیہ شمم  
یغضی حیاء یغضی من مہابتہ  
فما یکلم الا حین یبتسم  
ینشق نور الہدی عن نور عزتہ  
کالشمس ینجب عن اشراقہا الظلم

یہ وہ شخص ہے جس کی جاہ و منزلت کو بطحاء اور بیت اللہ حرم خدا اور ورے زمین جانتی ہے۔ یہ اس کا بیٹا ہے جو جملہ خلق خدا سے بہتر تھا یہ تقی و نقی، طاہر و علم (مشہور آفاق) ہے۔ اہل قریش اسے دیکھ کر پکار اٹھتے ہیں کہ فضائل و مکارم کو اس کے در پر ٹھکانا ملتا ہے۔ عزت کے جس کنگرہ تک عرب و عجم کے مسلمان نہیں پہنچ سکتے یہ اس پر قدم فرسائی کرتا ہے۔ ان کے ہاتھ میں جو چھڑی ہے اس کی خوشبو عطر میں ڈوبی ہوئی معشوقہ کی ہتھیلی سے بڑھ کر ہے۔ آپ تو حیا کی وجہ سے نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے۔ اور لوگوں کی آنکھیں ہیبت کے مارے جھکی رہتی ہیں۔ گفتگو صرف اس وقت ہو سکتی ہے حضرت جب مسکرا رہے ہیں۔ پیشانی سے نور ہدایت اس طرح نمایاں ہے جیسے آفتاب کی کرنیں جس کے نکلتے ہی اندھیرا اٹھ جاتا ہے

منشقتہ من رسول اللہ بنعتہ  
 طابت عناصرہ الخیم و الشیم  
 هذا ابن فاطمة ان كنت جاهله  
 بجده انبياء الله قد ختموا  
 الله شرفه قد ما وعظمه  
 جرى بذاك له في لوحه القلم  
 فليس قولك من هذا بضائره  
 العرب تعرف من انكرت و العجم  
 جمال الثقال اقوام اذا قدحوا  
 حلوا الشمائل تحلو عنده تعم  
 ما قال لا قط الا في تشهده  
 لولا التشهد كانت لاء ه نعم

یہ وہ شاخ ہے جو شجر رسالت سے نکلی ہے۔ آپ کا  
 وجود آپکی عادات و خصائل پاک و طیب ہیں  
 اگر تم نہیں جانتے تو اب جان لو کہ یہ بتول زہرا کا بیٹا ہے ان کا  
 نانا وہ ہے جس پر رسالت ختم ہوئی ( ﷺ )  
 اللہ تعالیٰ نے ان کو ازل سے شرافت و عظمت دی ہے اور  
 انکے اوصاف و فضائل قلم نے لوح محفوظ پر لکھ رکھے تھے۔  
 تیرے اس قول سے کہ میں نہیں جانتا اس کا کچھ نہیں جھوٹا  
 کیونکہ جسے تو نہیں جانتا عرب و عجم اس سے بخوبی واقف ہے۔  
 یہ قرص دار روزنکابل خود اٹھا لینے والے ہیں اور شیریں شمائل  
 میں ان کے پاس آکر سب نعمتیں شیریں بن جاتی ہیں۔  
 تشہد کے سوا آپ نے کبھی لازبان سے نہیں کہا اگر حرف  
 اہل دنیا پر احسان عمیم فرما کر دنیا سے فقر و فاقہ اور  
 تہی دستی کو نکال کر پھینک دیا ہے۔  
 لا تشہد میں نہ ہوتا تب زبان مبارک پر لا بھی نعم کے معنی  
 میں مستعمل ہوا کرتا

عم البرية بالاحسان فانقشعت  
 عنها الغيابه ولا ملاق والعدم  
 ان عدا هل التقى كانوا نمتهم  
 او قيل من خيرا هل الارض قيل هم  
 لا يستطيع جواد بعد غايتهم  
 ولا بدا نبهو قوم وان كرموا

اہل دنیا پر احسان عمیم فرما کر دنیا سے فقر و فاقہ اور تہی دستی  
 کو نکال کر پھینک دیا ہے  
 اگر اہل تقویٰ کا شمار کیا جائے تو یہ (اہل بیت) سب  
 کے امام ہونگے اور اگر روئے زمین کے لوگوں میں  
 افضل شخص دریافت کرنا ہو تب وہ حضور ہی ہیں۔  
 کوئی شخص کیسا ہی جواد کیوں نہ ہو اور کوئی قوم کیسی ہی صاحب  
 کرم کیوں نہ ہو مگر حضرت کے جو دو کرم کو نہیں پہنچ سکتے۔

مقدم بعد ذکر اللہ ذکر ہم ہر ایک کلام کی ابتدا میں اللہ کے ذکر کے بعد ان کا ذکر  
فی کل بدء و مختوم بہ الکلم مقدم ہے اور انہیں کے ذکر پر کلام کا اختتام ہوتا ہے۔  
من معشر جہم دین و بغضہموا انکی محبت ہی دین ہے اور ان کا بغض کفر ہے اور ان کا قرب  
کفر و قربہموا منجی و معتصم پناہ دہندہ و نجات بخشندہ ہے۔  
من بعرف اللہ یعرف اولیئہ جو خدا کو جانتا ہے وہ آپ کی اولیت کو بھی جانتا ہے تمام  
والدین من ہذا نالہ الامم خلق خدا کو اسی گھرانے سے دین الہی ملا ہے۔

ہشام یہ اشعار سنتے ہی پھڑک اٹھا اور فرزدق کو مجلس میں بھیج دیا۔ امام زین  
العابدینؑ نے دس ہزار درہم اس کے پاس بھیجے فرزدق نے واپس کر دیئے اور کہلا بھیجا  
کہ میں نے حضرت کی مدح محض حب اللہ کی وجہ سے کی ہے نہ امید صلہ و عطا کیلئے۔ امام  
رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اہل بیت نبویؐ کی عادت یہ ہے کہ ہبہ کو واپس نہیں لیتے۔  
تب فرزدق نے درہم رکھ لئے۔ فرزدق کا ایک چھوٹا بچہ مر گیا جب اس کی نماز سے  
فارغ ہوئے تو اس نے لوگوں کو مخاطب ہو کر یہ شعر پڑھا۔

وما نحن الا مثلہم غیر اننا اقمنا قلیل بعد ہم ثم نرحل

ہم بھی ان (مردوں) جیسے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ تھوڑی دیر ٹھہر کر

پھر چل دیں گے۔ اس سے چند روز بعد ہی فرزدق کا انتقال ہو گیا۔ جب جریر نے سنا کہ  
فرزدق کا انتقال ہو گیا ہے۔ بولا میں سمجھتا ہوں کہ اب میری بھی موت قریب ہی ہے  
کیونکہ اضاہ میں سے جب ایک گم ہو جاتی ہے تو دوسرے کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔  
کہتے ہیں چالیس یوم کے بعد وہ بھی مر گیا۔

فرزدق کی وفات ۱۱ھ کو بصرہ میں ہوئی۔ عمر سو سال کے قریب تھی۔



## پیشم بن عدی نختری ثعلی

خلیفہ منصور، مہدی، ہادی اور رشید کا مصاحب تھا اور عرب کے اشعار و لغات علوم و اخبار کا نامی راوی۔ ایک دفعہ مہدی نے کہا کہ میں عرب کی تو اضع اور سخاوت، کج خلقی اور نخل کے متعلق متضاد حکایتیں سنتا رہا ہوں۔ پیشم تمہاری کیا رائے ہے۔ کہا حضور میں چشم دید عرض کرونگا۔

میں ایک دوست کی ملاقات کی غرض سے سفر کو چلا۔ ناقہ پر سوار تھا۔ دن بھر کی مسافت کے بعد مجھے جنگل میں ہی رات پڑ گئی۔ میں نے ادھر ادھر نظر ڈالی تو ایک خیمہ نظر آیا۔ میں وہیں چلا گیا۔ خیمہ میں ایک عورت تھی۔ اس نے پوچھا تو کون ہے۔ میں نے کہا مہمان۔ بولی مہمان کا یہاں کیا کام ہے۔ تمام جنگل کھلا موجود ہے۔ اس کے بعد اٹھی۔ آٹا گوندھا روٹی پکائی۔ خود کھا کر بیٹھ رہی اور میری بات تک نہ پوچھی۔ تھوڑی دیر کے بعد تازہ دودھ کا بھرا ہوا برتن لئے ہوئے اس کا شوہر آ پہنچا۔ پہلے سلام کیا۔ پھر مجھ سے دریافت کیا کہ کون ہو۔ میں نے کہا مہمان۔ کہا مر جا خوب تشریف لائے۔ پھر بیوی کو پوچھا کہ مہمان کو بھی کھانا کھلایا یا نہیں۔ بولی نہیں۔ اتنا سن کر مرد خیمہ میں گیا اور دودھ کا بھرا ہوا گلاس میرے لئے لے آیا۔ پھر خیمہ میں جا کر عورت کے ساتھ لڑنے لگا کہ تو نے خود تو روٹی کھالی اور مہمان کو بھوکا رکھا۔ آپس میں خوب تکرار ہوئی مرد نے عورت کو مارا پیٹا۔ پھر اندر سے چھرا لیکر باہر نکلا۔ اور میری سواری کی ناقہ کو ذبح کر ڈالا۔ میں نے نرمی سے کہا بھائی صاحب آپ نے یہ کیا کیا۔ کہا خدا یہ نہیں

ہو سکتا کہ میرے گھر میں آکر مہمان بھوکا رہے۔ غرض گوشت صاف کیا۔ لکڑیاں جمع کر لایا۔ بھونتا جاتا تھا اور ادھر ادھر کی مزید باتیں سناتا جاتا تھا۔ گوشت مجھے بھی کھلاتا تھا اور خود بھی کھاتا تھا۔ ہم کھا چکے تو تھوڑے سے کباب عورت کے پاس لے گیا۔

جب صبح ہوئی تو چپکے سے اٹھ کر چل دیا میں نہایت حیران تھا کہ اب سواری کے بغیر کیا ہوگا۔ تھوڑا سا دن چڑھ آیا تھا کہ ایک تیز رفتار اونٹ لیکروہی شخص آگیا۔ اور کہا کہ ناقہ کے عوض یہ اونٹ قبول فرمائیے۔ پھر مجھے سوار کرادیا اور کچھ گوشت زاد راہ کے لئے میرے ساتھ کر دیا۔ چلتے چلتے رات پھر جنگل میں ہو گئی مجھے ایک خیمہ نظر آ گیا۔ جس میں ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے سلام کیا۔ اس نے پوچھا کون۔ میں نے کہا مہمان۔ بولی مرحبا۔ تشریف لائیے۔ پھر اٹھ کر آٹا گوندھا۔ سمندر جھاگ ڈالکر اسے خمیر بنایا۔ روٹی اور دودھ کا برتن سامنے لا کر رکھا اور عذر بھی کیا۔ اتنے میں بدو اعرابی آیا۔ اسلام علیک کے بعد مجھ سے پوچھا۔ تم کون ہو۔ میں نے کہا مہمان۔ کہا ہمارے ہاں مہمان کا کیا کام ہے۔ پھر عورت کے پاس گیا۔ اس سے روٹی مانگی۔ بولی میں نے مہمان کو کھلا دی ہے۔ مرد سن کر نہایت خفا ہوا اور آپس میں خوب جھگڑا ہوتا رہا۔ وہ اندر جھگڑتے تھے اور میں باہر ہنستے ہنستے بخود ہوا جاتا تھا۔ مرد باہر نکلا۔ مجھ سے ہنسنے کا سبب پوچھا۔ میں نے کہا کچھ نہیں۔ کہا نہیں تمہیں خدا کی قسم ضرور بتلاؤ۔ میں نے کہا کہ کل میں ایک بادیہ نشین کے خیمہ میں مہمان ہوا تھا۔ وہاں مرد متواضع ملا تھا۔ یہاں عورت مہمان نواز ہے اور میاں بیوی میں دونوں جگہ لڑائی ہوئی ہے۔ کہا میری عورت اس مرد کی بہن ہے اور اس کی عورت میری بہن ہے۔ میں تمام شب اس حسن اتفاق پر تعجب کرتا رہا۔

پھر کہا امیر المومنین قدیم زمانہ کی حکایت ہے کہ ایک شخص مرغ کا گوشت بیٹھا کھا رہا تھا۔ ایک سائل آیا جس کو اس شخص نے سختی اور بد مزاجی کیساتھ محروم بھیج دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد ایک سائل آیا۔ یہ شخص مرغ کا گوشت کھا رہا تھا۔ عورت کو کہا

کہ سائل کو روٹی دیدے عورت روٹی دینے گئی تو اس نے سائل کو پہچان لیا کہ اس کا شوہر ہے۔ خاوند کے پاس آکر تاسفانہ لہجہ میں ذکر کیا۔ حالیہ خاوند بولا کہ میں وہی سائل ہوں جسے اس شخص نے مدت ہوئی سختی کیساتھ جواب دیا تھا۔

مروج الذهب میں ہے کہ جب عبداللہ بن علی عباس نے جو خلیفہ منصور کا چچا تھا خلفائے بنی امیہ کی قبور کو کھودا اور ان کی لاشوں کو جلا کر خاک سیاہ بنا دیا اس وقت معمر بن ہانی عبداللہ کے ساتھ تھا۔ ہیشتم لکھتا ہے کہ معمر نے مجھے سنایا کہ جب ہشام بن عبدالملک کی قبر کھودی گئی تو اس کی لاش صحیح سالم تھی۔ صرف ناک کی ہڈی تھوڑی سی گری ہوئی تھی عبداللہ نے اسی کوڑے سے لگوائے اور پھر جلا دیا۔ اس کے بعد سلیمان بن عبدالملک کی قبر ارض و ابق میں جا کر نکالی۔ قبر میں سے صرف ریڑھ کی ہڈی چند پسلیاں اور سر برآمد ہو ان سب کو جلا دیا گیا۔ پھر دمشق جا کر ولید بن عبدالملک کی قبر کھولی۔ اس کی قبر میں سے کچھ بھی نہ نکلا۔ پھر عبدالملک کی قبر کھودی۔ اس میں سے صرف سر کی ہڈیاں برآمد ہوئیں۔ پھر یزید پلید کی قبر کو کھودا گیا۔ اس میں سے صرف ایک ہڈی برآمد ہوئی اور ایک لمبا خط لحد میں نظر آیا۔ گویا سیاہ راکھ کی لکیر ہے۔

عبداللہ نے بنی امیہ کے ساتھ اس لئے ایسا کیا تھا کہ جب زید ابن امام زین العابدین کو بغاوت سلطنت کے جرم میں ہشام نے گرفتار کیا تو پھر پھانسی دے کر ان کی لاش کو پہلے تو چند سال تک پھانسی پر ہی لٹکائے رکھا۔ اور پھر آگ میں جلا کر راکھ کو پانی میں بہا دیا تھا۔ عبداللہ نے اپنے چچیرے بھائی کا بدلہ لینے کیلئے قبور کیساتھ ایسا کیا تھا۔

راقم کہتا ہے کہ عبداللہ کے ایسا کرنے کیلئے ہشام کا فعل کوئی دلیل نہیں ہو سکتا۔ قرآن پاک کی تعلیم تو یہ ہے کہ کسی قوم کو دشمنی و عداوت کی وجہ سے تم بے انصافی نہ کرو۔ دشمنوں کے ساتھ بھی کامل انصاف کرنا اور عدل مرعی رکھنا تقویٰ میں داخل ہے۔ افسوس سلطنت کیلئے انسان کیا کچھ کر گذرتا ہے۔ خلفائے بنی عباس نے جب

بنو امیہ کے خلاف علم کھڑا کیا تھا اس وقت وہ اپنے آپ کو بنی ہاشم کے ناصر و مددگار ظاہر کرتے تھے۔ لیکن جب ملک پر ان کا تسلط کامل ہو گیا اور قرابت رسول کے مفخر دعویٰ کا دعویٰ عویدار ہاشم بن ہاشم کے سوا ان کی نگاہوں میں اور کوئی نہ رہا۔ اور نہ کوئی ان کے سوا ایسا خاندان نظر آیا جنکی افضلیت ہر ملک کے میلان طبع کا اندیشہ ہو سکے۔ تب انہوں نے بنی ہاشم کے ساتھ بھی معاندانہ روش کو اختیار کر لیا اور وقتاً فوقتاً بنی ہاشم کا اقتدار و شمار کم کرنے کیلئے مختلف ذرائع و تدابیر کام میں لاتے رہے۔ شاید ماموں رشید کی پالیسی سب خلفائے بنی عباسیہ میں سب سے بہتر تھی۔ جس نے امام رضا کو اپنی بیٹی دیکر جملہ مخالفتوں اور منافرتوں کا خاتمہ کر دیا تھا۔ گو بنی عباس اس رشتہ کو پسند نہ کرتے تھے اور اس تدبیر کی طفیل قریب تھا کہ خود ماموں کا تخت خلافت بھی جاتا رہے۔ لیکن ماموں اپنے عزم پر قائم رہا اور حضرت امام رضا کو اپنا ولیعہد بھی مشترک کر دیا۔ مگر تقدیر سے کیا چارہ ہو سکتا تھا۔ امام رضا کا ماموں کے سامنے ہی انتقال ہو گیا اور اس کے بعد پھر کسی خلیفہ نے اس پالیسی پر کاربند ہونے کی جرات و ہمت نہ کی۔

نختری ۳۰ھ کو پیدا اور غرہ محرم ۲۰ھ کو مر گیا۔ ثعلب جس کی نسبت نختری کہلاتا ہے۔ ایک مشہور قبیلہ جاری ہوا۔ عرب بن مسیح اس قبیلہ کا شخص تھا جو عرب میں اول درجہ کا تیر انداز گنا جاتا تھا۔ اس شخص نے ۱۰۵ برس کی عمر میں آنحضرت کی زیارت سے مشرف ہو کر اسلام قبول کیا تھا۔ نختری کی تصانیف میں سے کتاب المثلث، کتاب المعمرین، کتاب بیوتات الحرب، کتاب بیوتات قریش، کتاب ہبوط آدم علیہ السلام، کتاب افتراق العرب، جس میں ان کے منازل و نزول کا بیان تھا۔ کتاب نزول الحرب بحر اسان و سودان، کتاب نسب طے، کتاب مدح الشام، تاریخ العجم، تاریخ بنو امیہ، کتاب الوفود، کتاب خطط الکوفہ، کتاب ولایة الکوفہ، تاریخ الاشراف، کتاب طبقات الفقہاء و المحدثین، کتاب کنی الاشراف، کتاب خواتم الخلفاء، کتاب قضاة

الکوفہ والبصرہ، کتاب المواسم، کتاب الخوارج، کتاب النوادر، کتاب التاريخ على السنين،  
کتاب اخبار الحسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما اور کتاب اخبار الفرس وغیرہ ہیں۔  
جس سے واضح ہوتا ہے کہ محترمی علم تاریخ کا بہت بڑا عالم و ماہر تھا۔





## ابودلامہ

سلطنت عباسیہ کا ملا دو پیازہ۔ حبشی غلام تھا۔ خلیفہ کی بیوی مر گئی۔ قبرستان سے اسے دفنانے لے گئے۔ قبر کھد رہی تھی۔ جنازہ رکھا ہوا تھا۔ منصور رنجیدہ و متفکر ریب بیٹھا ہوا تھا۔ ابودلامہ آیا اور خلیفہ کو دھکیلتا ہوا بیٹھ گیا۔ منصور نے کہا۔ کمنجت تجھے بھی خیال نہیں کہ ہم بیٹھے ہیں؟ بولا ہاں یہاں حضور کے چچا کی بیٹی قریب ہی تھی۔ عاف فرمائیے۔ منصور ہنس پڑا۔

سعید بن ولح حاکم بصرہ کے پاس ایک دفعہ شعر لکھ کر بھیجے۔

اذا جئت الامیر فقل سلام      علیک ورحمة اللہ الرحیمہ  
واما بعد ذاک فلی غریم      من الاعراب قج من غریم  
لہ الف علی والنصف اخری      ونصف النصف فی سک قدیم

جب تو امیر کے پاس پہنچے تو سلام مسنون کرنا۔ اور اس کے بعد کہنا کہ ایک امیر قرض خواہ ہے جو خود قرض سے بھی برا ہے۔ میں نے اس کے قدیم سکہ کے ہزار روپے اس کا نصف اور اس کا نصف روپے دینے ہیں۔ یعنی ۱۷۵۰۔ سعید بن ولح نے ۱۷۵۰ امراء خراسان کے مقابلہ کو چلا۔ لڑائی ہونے لگی۔ جانبین کے کچھ آدمی مارے گئے۔ روح نے ابودلامہ کو میدان میں جانے کا حکم دیا۔ کہا مجھے معاف فرمادیں۔ اس نے پھر حکم دیا تو ابودلامہ نے یہ شعر پڑھے۔

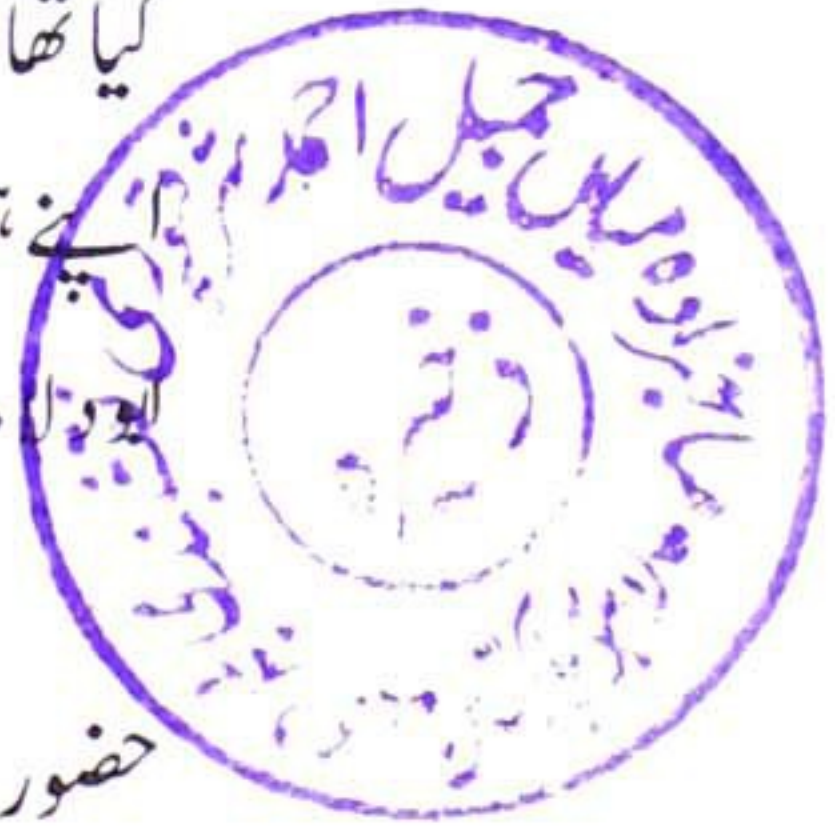
انی اعوذ بروح ان یقدمنی  
 ان المہلب حب الموت اور ثکمہ  
 الی القتال فیخزی بی بنو اسد  
 ولم ارن انا حب الموت من احد  
 ان الدنوا الی الا عداء اعلمہ  
 مما یفرق بین الروح والجسد

”میں روح سے معافی مانگتا ہوں کہ مجھے میدان جنگ میں نہ بھیجے اور بنی اسد کو روانہ کرے۔ تم کو تو موت کی محبت مہلب سے ورثہ میں ملی ہے مگر مجھ کو کسی سے ایسا ورثہ نہیں ملا۔ میں خوب جانتا ہوں کہ دشمن کے قریب جانا جسم اور روح کی جدائی نام ہے۔ افسر نے کہا تو آج تک تنخواہ کس بات کی کھاتا رہا۔ کہا لڑنے کی۔ کہا پھر لڑا کیلئے کیوں میدان میں نہیں جاتا۔ کہا کہ میں نے اس امر کا حلف تو کیا تھا کہ سلطنت کی طرف سے جنگ کرونگا۔ لیکن یہ اقرار نہیں کہ سر بھی کٹاؤنگا۔ اب تم بتلاؤ کہ اگر میں مارا گیا تو تب کیا ہوگا۔ افسر نے کہا باتوں سے کچھ حاصل نہیں تم کو میدان میں جانا ہوگا۔ ابو دلامہ نے کہا اچھا میں جاؤنگا مگر حضور جانتے ہیں کہ یہ دن میرے لئے دنیا کا آخری اور آخرت کا پہلا دن ہے۔ آپ مجھے جنگ میں بھیجتے ہیں۔ تو کچھ کھانے پینے کو بھی دلا دیجئے۔ کہا جو چاہتے ہو مطبخ سے لے لو۔

ابو دلامہ نے پراٹھے، کباب، عمدہ قسم کے شربت، کچھ میوہ اور پھل لے کر خورجی میں ڈالے پھر سوار ہو کر نیزہ کو چکر دیتا ہوا۔ گھوڑے پر ایڑ لگاتا ہوا میدان جنگ میں پہنچ گیا۔ گردوغبار سے میدان تیرہ و تار ہو گیا تھا۔ ابو دلامہ اس کی تاریکی میں اپنی تلوار کو چمکار رہا تھا۔ سامنے مبارز پہلے سے موجود تھا۔ ابو دلامہ نے جاتے ہی سلام علیک کیا۔ کہا میں اپنے کام آیا ہوں۔ مجھ سے لڑنے کے لئے جلدی نہ کرنا۔ اس نے پوچھا کہ کام۔ کہا تم مجھ کو جانتے بھی ہو۔ وہ بولا نہیں۔ کہا میں ابو دلامہ ہوں۔ وہ بولا نام تو میں نے سنا ہے مگر تم میدان جنگ میں کیوں نکر آگئے۔ کہا میں نے لڑنے آیا ہوں نہ مرنے۔ میں نے جب تمہاری قوت اور شجاعت، جو انمردی اور پردلی کا اندازہ کیا تو بہتر سمجھا کہ

سے شخص کے ساتھ دوستی کر لی جائے، اب میں تم کو وہ بات بتاتا ہوں کہ جنگ کی  
 بات ہمارے لئے بہتر ہو۔ میں سمجھتا ہوں کہ تم تھک گئے ہو اور بھوکے بھی ہو۔ وہ  
 کہہ ہاں! کہا ہم نے نہ خراسان کے تخت پر بیٹھنا ہے اور نہ عراق کی حکومت کو  
 ماننا۔ میرے پاس ایک قسم کا عمدہ کھانا موجود ہے اور یہاں سے قریب ہی پانی بھی  
 ہے۔ چلو وہاں چل کر کھانا کھائیں گے اور میں تم کو گانا بھی سناؤنگا وہ بولا اس سے بہتر اور  
 ہوگا۔ ابو دلامہ نے کہا کہ تمہارے سامنے سے چلتا ہوں گویا بھاگ رہا ہوں۔ تم میرا  
 بادباتے ہوئے چلے آؤ۔ اس طرح میدان جنگ میں سے نکل چلیں گے۔ غرض اسی  
 طرح دونوں نکل گئے اور دونوں طرف کی فوجیں اپنے اپنے سوار کو دیکھ رہی تھیں۔  
 اس نظر نہ آئے پیہ غدیر پر جا بیٹھے۔ کھانا کھایا۔ آسودہ ہو کر باتیں کرنے لگے۔ ابو دلامہ  
 نے کہا کہ ہمارا سپہ سالار روح سخی ابن سخی ہے اور سخاوت کے ثبوت میں تو یہی کافی ہے  
 وہ ابن مہلب ہے۔ اگر تم اس کے پاس چلو تو عمدہ و خلعت، اسب و سلاح اور زن و غلام  
 اور انتظام کر دے گا۔ تجھے نہال کر دیگا۔ تمہاری مرضی ہے مانویا نہ مانو۔ مجھے صرف  
 بات تم سے کہنی تھی۔ وہ بولا، بیوقوف میں اپنے اہل و عیال کو کیا کروں۔ کہا بھائی  
 حب اللہ تعالیٰ سے خیر مانگو اور اسی پر بھروسہ کر کے میرے ساتھ چلو۔ وہ بھی تم کو  
 رہیں گے۔ اس نے کہا اچھا۔ غرض وہاں سے دونوں مل کر لشکر کی پچھلی طرف  
 ہو کر آئے۔ ابو دلامہ آگے بڑھ کر سپہ سالار کے سامنے گیا۔ اس نے پوچھا۔ ابو  
 دلامہ! تم کہاں تھے۔ کہا حضور کے کام میں لگا ہوا تھا۔ مقابل کا قتل کر دینا میرا حوصلہ نہ  
 اور خود قتل ہو جانا میرا جی نہ چاہتا تھا۔ رہانا کامیاب واپس آنا سے میں پسند نہ کرتا تھا۔  
 میں نے میں نے باتوں باتوں میں دشمن کو نرم کیا اور حضور کا اسیر کر کے اسے یہاں تک  
 لے آیا۔ میں نے اس سے ان ان چیزوں کے وعدہ کئے ہیں۔ سپہ سالار نے کہا سب کچھ دیا  
 دیگا۔ بشرطیکہ وہ قابل اعتماد ثابت ہو جاوے۔ سوار نے کہا کہ حضور کو اعتماد کیونکر آسکتا

ہے۔ کہا اپنے بال بچے کو ہماری طرف لے آؤ۔ اس نے کہا اہل و عیال تو یہاں سے دو ہیں اور سردست ان کو لانا دشوار ہے مگر میں قسم کھاتا ہوں کہ اس کی جو رو پر طلاق جو آپ سے بیوفائی کرے۔ اس قسم کے بعد حضور سمجھ سکتے ہیں کہ حضور سے بیوفائی کرنے کے بعد میں اپنی بیوی سے محروم ہو جاؤنگا اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ گھر پہنچ کر بیوفائی کر سکوں۔ سپہ سالار نے یہ سن کر وہ تمام چیزیں جن کا ابو دلامہ نے اس سے وعدہ کیا تھا عطا فرمادیں۔ بلکہ اس سے بھی کچھ بڑھ کر دیا۔ سوار لوٹ کر چلا گیا اور اس نے اپنے ہی لشکر خراسانی کو تباہ کر دیا۔ غرض اس جنگ میں روح کے اسباب ظفر میں سے ابو دلامہ کی یہ تجویز بھی تھی۔



ایک دفعہ خلیفہ مہدی نے اسے حملہ آور فوج کے ساتھ جانے کا حکم دیا۔ حضور مجھے نہ بھیجئے۔ میں آج تک ۹ فوجوں کے ساتھ گیا ہوں۔ سب کو شکست ہی ہو رہی۔ میں نہیں چاہتا ہوں کہ میری نحوست کی وجہ سے حضور کی مظفر و منصور کو دسویں شمار کی جاوے۔ مہدی ہنس پڑا اور اسے معاف کر دیا۔

ایک دفعہ مہدی نے کہا کہ مانگ کیا مانگتا ہے۔ کہا حضور! مجھے ایک شکاری چاہئے۔ مہدی خفا ہوا کہ ہم الو سے اس کی بڑی سے بڑی آرزو پوچھتے ہیں وہ کتنا مانگتا ہے۔ کہا امیر المومنین! آرزو میری یا آپ کی؟ بولا نہیں تیری۔ کہا بس مجھے تو شکاری چاہئے۔ خلیفہ نے حکم دیدیا۔ کہا حضور! میں کتے کو شکار کے لئے لیکر جاؤنگا تو کیا پیدا ہی جاؤنگا۔ خلیفہ نے کہا ایک گھوڑا دلا دو۔ کہا حضور! مجھے سائیس بھی اس گھوڑے کرنی پڑے گی۔ خلیفہ نے کہا ایک غلام دلا دو۔ کہا حضور! میں تو شکار سے تھک کر آ رہا ہوں اور غلام گھوڑے کو سنبھال لیگا۔ پھر کون شکار پکائے گا۔ کون مجھے روٹی دیگا۔ حکم دیدیا۔ کہا لو نڈی دلا دو۔ کہا حضور! اتنے جاندار کہاں رہیں گے؟ کیا سب کے سب جنگ میں ہی ڈیرہ لگائیں گے کیا؟ خلیفہ نے کہا کہ ایک حویلی بھی اسے دیدو۔ کہا حضور!

احسانات تو بہت کئے۔ مگر مجھے اتنے بڑے کنبہ کا زیر بار کر دیا کہ میری گردن بھی کبھی سیدھی نہ ہوگی۔ حکم دیا کہ ہزار جریب اراضی عامرہ اور ہزار جریب عامرہ کا پٹہ اس کو دے دیا جائے۔ کہا میں عامرہ کے معنی تو جانتا ہوں۔ مگر عامرہ کے نہیں۔ خلیفہ نے کہا عامرہ ویران کو کہتے ہیں۔ کہا میں حضور کو ایک لاکھ جریب ویران اراضی کا پتہ بتا دیتا ہوں۔ حضور خیال تو فرماویں کہ میں ویران کو لیکر کیا کرونگا حضور مجھے ایک ہزار جریب اور دلا دو۔ کہا حضور جب مال کا نقصان ہوا تو وہ عامرہ کیسی۔ خود ہی عامرہ بن گئی۔ خلیفہ ہنس پڑا۔ کہا کچھ اور بھی آرزو ہے۔ کہا ہاں! مجھے اجازت دیجئے کہ حضور کے ہاتھ پر بوسہ دے لوں۔ خلیفہ نے کہا یہ تیرا منصب نہیں۔ کہا خیر! مجھے جواب بھی ایسی چیز سے ہی ملا ہے جس سے میرا حرج نہیں۔

ایک دن مہدی رے سے بغداد آیا تو ابو دلامہ نے یہ قطعہ پڑھ کر سنایا۔

انی حلفت رایتک سالما بقری العراق وانت ذووفری

لتصلین علی النبی محمد ولتملان دراہما حجری

”میں نے حلف کیا ہے کہ جب آپ کو عراق میں صحیح سلامتی کے ساتھ

خورسند و کامیاب دیکھ لوں تو اس وقت آپ نبی ﷺ پر درود پڑھیں گے اور میری گود کو روپوں سے بھر دیں گے۔“ خلیفہ نے کہا پہلی بات یعنی درود کا پڑھنا مجھے منظور ہے مگر

دوسری بات منظور نہیں۔ کہا حضور! ایسا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ دونوں کیلئے یکساں حلف

کیا گیا ہے۔ بادشاہ نے حکم دیدیا کہ اس کی گود روپوں سے بھر دیجاوے۔ تھیلیاں اس

کے پلے میں الٹ الٹ کر پڑنے لگیں اور ابو دلامہ اپنے ہاتھ کو پھیلانے لگا۔ غرض

جب گود بالکل بھر گئی تو اسے کہا گیا اٹھو۔ کہا واہ میرا کرتہ بھی پھٹ جاوے۔ روپیہ کو اسی

طرح تھیلیوں میں ڈال دو تب اٹھو نگا۔

ابن المنجم کہتا ہے کہ خلیفہ مہدی اور علی بن سلیمان شکار کو چلے۔ مہدی نے

تیر چلایا۔ آہو کے لگا۔ علی نے تیر چلایا تو خطا گیا اور کتے کے جا لگا۔ مہدی ہنس پڑا۔ ابو  
دلامہ کو کہا کہ اس پر شعر کہو۔ اس نے فی البدیہہ کہا۔

قدرمی المہدی ظبیا شک بالسہم فوادہ  
وعلی بن سلیمان رمی کلباً فصادہ  
فہنیا لکما کل امر یا کل زادہ

”مہدی نے ہرن پر تیر چلایا اور اس کا کلیجہ چیر ڈالا۔ علی نے کتے پر چلایا اور  
اسے شکار کر لیا۔ دونوں کو مبارک ہو کیونکہ ہر ایک اپنا اپنا زاد کھائیگا۔“ خلیفہ نے ۳۰  
ہزار درہم انعام دیئے۔

ابو دلامہ کا بیٹا بیمار ہو گیا۔ طبیب سے علاج شروع کرایا اور وعدہ کیا کہ صحت  
کے بعد رقم کثیر دوں گا۔ لڑکا اچھا ہو گیا تو کہا بخدا میرے پاس دینے کو کچھ نہیں۔ البتہ تم  
فلاں یہودی سوداگر پر رقم کثیر کی تلاش کر دو۔ میں اور میرا بیٹا شہادت ادا کریں گے۔  
طبیب نے ایسا ہی کیا۔ قاضی نے دیکھا کہ مثل میں ثبوت بہت کمزور ہے۔ دعویٰ کو  
خارج کرتا ہوں تو ابو دلامہ کی زبان سے رہائی محال ہے۔ ڈگری دیتا ہوں تو صریح ظلم  
ہے۔۔ آخر طبیب کو اپنے پاس سے کچھ روپیہ دیکر راضی نامہ کرا دیا۔ اس وقت قاضی  
محمد بن عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ تھے۔

ابو دلامہ کا سن وفات ۱۶۱ھ ہے غور کرنے سے معلوم ہو جاویگا کہ یہ شخص  
صرف ظریف ہی نہ تھا بلکہ ایک کارآمد شخص بھی تھا اور ایک عمدہ شاعر بھی۔



تمت بالخیر



بیتِ العلمِ  
قرآن مجید اور اسلامی کتابوں کا مرکز